سوانح حیات

حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعلیٰ قریشی

ادارۂ مجدّدیہ
۲/۵ - ۱ج - ناظم آباد ۳ - کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ

سوانح حیات

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از

محمد اعلیٰ قریشی

بہ تعاون جناب حاجی محمد حسین صاحب کاپڑیا۔ ۱۳۹ لکشمی داس اسٹریٹ۔ کراچی ۲

۱۴۰۳ھ باہتمام ۱۹۸۳ء

ادارۂ مجدّدیہ

۲/۵ - ایچ - ناظم آباد ۳۔ کراچی ۱۸

قیمت /

مطبوعہ: احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد ۲ کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ العالی)

بزرگانِ دین کے سوانح کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں - وہ کیسے تھے، کہاں تھے، کیونکر رہے، کیا فرمایا، کیا کیا یادگاریں چھوڑیں، یہ سب امور، ہر زمانے میں موجبِ فلاح و صلاح اور ہر طرح سبق آموز ہیں۔ حضرت شیخنا و سیدنا مولانا الحاج الحافظ شاہ زوار حسین صاحب علیہ الرحمہ کے حالات و مقامات اسی مقصد کے پیشِ نظر مرتب ہو رہے ہیں اور ان سے وہ سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے جو ایک بزرگ کی صحبتِ بابرکت میں نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ :-

ع ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی سادہ زندگی، معصوم ماحول، تعلیم و تعلّم، درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ تمام وابستگان کے لئے حیات بخش اور ایمان افروز ہیں لیکن ان کے لئے بھی مفید ہیں جو کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کوئی غور و فکر کرے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے کس طرح پیہم کاوش اور سخت کوشی سے ہمیشہ کام کیا، کتنوں کی اصلاح فرمائی، کیسے کیسے سرکشوں کو بارگاہِ الٰہی میں سربسجود کرا دیا اور کیا کیا باقیاتِ صالحات یادگار چھوڑیں! یہ کارنامے کتنے وقیع ہیں کہ سیجعل لھم الرحمٰن وُدًّا کے مصداق اس دنیا میں بھی کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے اور آخرت میں جو کچھ اجر ملے گا اس کے لئے ہم یہی کہیں گے کہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ٥

مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ جو شروع جوانی سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے رفیق رہے ہیں اور آخر دم تک خصوصی تعلق رکھتے رہے ہیں انھوں نے حتی الامکان مختلف وسائل اور ذرائع سے یہ حالات یک جا کئے ہیں، خود بھی لکھے ہیں، عزیزوں اور بزرگوں سے بھی لکھوائے ہیں اور کوشش کی ہے کہ یہ سوانح عمری ہر لحاظ سے مستند بھی ہو اور جامع بھی۔ اللہ پاک ہمارے حضرت صاحب علیہ الرحمہ اور ان سے محبت رکھنے والوں کو وہ سب کچھ دے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو - آمین

احقر (ڈاکٹر) غلام مصطفیٰ خان

(سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی - حیدرآباد)

یکم صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلامِ مجید وفرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ۔ جب یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے تو پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر صبر وشکر کے سوا کیا چارہ ہے۔ لیکن حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو شعور بخشا ہے، اس کے دل میں درد اور جگر میں سوز عطا فرمایا ہے اور درد والم کا احساس بھی دیا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے رنج والم کا اظہار نہ کرے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (پھر نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ " روایت میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اُترتی تھی یا جس سے اس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس کہ وہ سعادت ہم سے چھن گئی "۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ کی رحلت پر فرمایا " اے ابراہیم! بیشک تیری جدائی سے ہم غمگین ہیں آنکھیں روتی ہیں اور دل رنجیدہ ہے "۔ اور یہ بھی مشہور ہے مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمْ (یعنی عالِم کی موت عالَم کی موت ہے) ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ جس قدر مقدس ہستی دنیا سے رحلت فرماتی ہے اس سے اس کے پس ماندگان ہی متاثر نہیں ہوتے بلکہ دنیا ومافیہا بھی اس کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں، تو پھر بھلا کس طرح ہم اپنے جذبات سے متاثر نہ ہوں اور کیسے اس عظیم سانحہ پر رنج وغم کا اظہار نہ کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم آپ کی رحلت ہونے پر علمی اعتبار سے یتیم ہوگئے، روحانی اعتبار سے یتیم ہوگئے، اب ہمارے پاس اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ آں موصوف کے ذکر سے اپنے دل کو بہلائیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا اکثر ذکر کرتا ہے)۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بزرگوں کا تذکرہ ان کی صحبت کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا ان سب باتوں کے پیشِ نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مرتب کرنا ضروری ہوگیا۔ پھر قدرت کی جانب سے اس کے کچھ اسباب بھی مہیا ہوگئے یعنی بعض حضرات نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے جو حالات وملفوظات جمع کئے تھے وہ دستیاب ہوگئے۔

اس سلسلہ میں محترم جناب ڈاکٹر مفتی مظہر بقا صاحب فاضل دیوبند ایم اے پی ایچ ڈی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے نہایت خاموشی اور محنت وکاوش کے ساتھ ۱۹۷۱ء سے ملفوظات کو قلمبند کرنا شروع کردیا تھا اور رجب ۱۳۹۹ء میں آپ کا تقرر مرکز البحث العلمی کلیۃ الشریعہ، جامعہ ملک عبدالعزیز مکہ مکرمہ میں ہوگیا تو آپ نے اپنی بیاض حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کردی تھی کہ اس میں جو نامناسب یا سہو، قابلِ قطع ہو اس کو قلمزد فرمادیں۔ اسی طرح ڈاکٹر خان رشید مرحوم[1] نے بھی علیحدہ ایک بیاض میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات لکھنے شروع کئے تھے لیکن ابھی چند صفحات لکھنے پائے تھے کہ ان پر فالج کا حملہ ہوگیا اور ایک عرصہ فالج میں مبتلا رہ کر انتقال کرگئے۔ انا ﷲ وانا الیہ راجعون۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آن مرحوم کی مغفرت فرماکر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین —— ان دونوں حضرات کی بیاضوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ملاحظہ فرمایا ہے اور کہیں کہیں اپنے قلم سے اصلاح بھی فرمائی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے بعد عاجز کے کرم فرما حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی مدیر ماہنامہ "بینات" کراچی اور حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی مدظلہ العالی مدیر ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور نے فرمائش کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ پر ایک مضمون لکھ کر بھیجدو۔ عاجز اگرچہ اس کا اہل نہیں ہے لیکن ان بزرگوں کی فرمائش پوری کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ چنانچہ ایک مختصر مضمون لکھکر عالی قدر مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کے ملاحظہ کے بعد ان دونوں حضرات کی خدمت میں روانہ کردیا چنانچہ وہ مضمون دونوں رسائل میں شائع ہوگیا۔ بعدازاں مخدوم زادہ موصوف نے اس عاجز کو حکم دیا کہ اب تم ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی سوانح مرتب کرو۔ چنانچہ "الامر فوق الادب" کے تحت عاجز نے اس کام کو شروع کردیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی سوانح حیات مرتب کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ اس پرفتن دور کی ایسی عظیم شخصیت تھے کہ جن میں علم وفضل، صلاح وتقویٰ اور شریعت وطریقت اور سنت کی کمال درجہ تابعداری موجود تھی، نیز یہ کہ آپ ایک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے پھر کس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو ہدایت بخشی، اپنی معرفت سے سرفراز فرمایا، کتنا وسیع علم دیا، فقیہ بنایا، خوشنویس، حاجی، حافظ، قاری، شاعر، سوانح نگار بنایا اور اعلیٰ درجہ کا ترجمہ کرنے کی قابلیت عطا فرمائی اور کس قدر بڑی تعداد میں عمدہ اور ضخیم تالیفات آپ کے قلم عنبریں رقم سے ظہور میں آئیں جن سے عوام تو عوام علماء اور مفتی حضرات تک فیض اٹھا رہے ہیں۔ اور کتنی بڑی جماعت آپ سے روحانی فیض حاصل کرکے درجۂ ولایت کو پہنچی اور آپ کے خلفائے کرام ذکر وفکر کی مجالس میں

---

[1] صفحہ ۳۵۲ پر ملاحظہ ہو۔

سرگرم اور سلسلۂ عالیہ کی تبلیغ واشاعت میں کوشاں ہیں جو آپ کی روحانی اولاد ہیں، اور صلبی اولاد میں بھی مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب اور اُن کی ہمشیرہ محترمہ دونوں ماشاء اللہ حافظِ قرآن اور صلاح تقویٰ سے آراستہ ہیں۔ ان سب کا اجمالی تذکرہ پیشِ نظر تالیف کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

افسوس کہ ایک وقت تھا کہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس کا خیال بھی نہ تھا کہ کل آپ ہم سے جدا ہو جائیں گے اور ہمیں آپ کی سوانح لکھنی پڑے گی۔ افسوس صد افسوس! وہ اخلاق و مروت کا پیکر وہ نورافشاں مجالس اب کہاں، ان کی جدائی سے ہماری دنیا تاریک ہوگئی اور اب آپ کی سوانح جو شریعت و طریقت سے آراستہ ہے اس کو مرتب کرکے اپنے غمگین دل کو تسکین کا سامان پہنچانا چاہتے ہیں۔

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ پیشِ سوانح، عالی قدر مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب کے حکم سے اور محترم ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بقا و ڈاکٹر خان رشید کی بیاضوں سے اور محترم علمائے کرام و بزرگانِ عظام کے مضامین سے آراستہ ہے اگر کہیں اس عاجز نے دو چار حروف لکھے ہیں تو وہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت و تربیت کا ثمرہ ہے، ورنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ اور سچ تو یہ ہے کہ تمام مضامین کی دیکھ بھال اور ترتیب و تدوین کا کام عالی قدر مخدوم زادہ صاحب موصوف کی رہنمائی اور تعاون سے ہوا ہے اور صحیح معنوں میں وہی اس کے مرتب ہیں لیکن کسرِ نفسی کی بنا پر عاجز کو آگے بڑھا دیا ہے۔

آخر میں یہ عاجز ان سب بزرگوں کا بہت ممنون ہے جنھوں نے عاجز کی درخواست پر اپنا قیمتی وقت خرچ کرکے حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق اپنے جذبات و تاثرات قلمبند کرکے عنایت فرمائے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان سب حضرات کو دین و دنیا میں بیش از بیش اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین۔ نیز عرض ہے کہ پیشِ نظر تالیف میں جو سہو اور غلطیاں ہوگئی ہوں قارئینِ کرام اُن کی نشاندہی فرما کر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جاسکے۔ نیز جن حضرات کے پاس مزید حالات یا مکتوبات وغیرہ ہوں وہ اگر عنایت فرمائیں گے تو شکریہ کے ساتھ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اضافہ کرکے شائع کر دیئے جائیں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

احقر محمد اعلیٰ عفی عنہ

بروز دوشنبہ ۷ محرم ۱۴۰۳ھ
۱۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقاماتِ زواریہ

یعنی سوانح حیات عمدۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حاجی حافظ حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہٗ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

سلسلۂ نسب ہمارے شیخ طریقت حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نجیب الطرفین "سیّد" تھے، آپ کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے :-

حضرت مولانا سیّد زوار حسین شاہ (۱/۳۵) بن سید احمد حسین (۲/۳۴) بن سید اکبر علی (۳/۳۳) بن سید نوازش علی (۴/۳۲) بن سید بشارت علی (۵/۳۱) بن سید روشن علی (۶/۳۰) بن سید شریف حسین (۷/۲۹) بن سید کمال الدین (۸/۲۸) بن سید حمزہ (۹/۲۷) بن سید بدوح (۱۰/۲۶) بن سید عظیم (۱۱/۲۵) بن سید بڈھا۔ یا۔ برہان (۱۲/۲۴) بن سید جلال (۱۳/۲۳) بن سید کمال (۱۴/۲۲) بن سید ممیرز (۱۵/۲۱) بن سید عبد السلام (۱۶/۲۰) بن سید تاج الدین (۱۷/۱۹) بن سید شاہ محمد (۱۸/۱۸) بن سید حامد توبہار (۱۹/۱۷) بن سید شہاب الدین (۲۰/۱۶) بن سید شاہ زید (۲۱/۱۵) بن سید احمد زاہد (۲۲/۱۴) بن سید حمزہ (۲۳/۱۳) بن سید ابوبکر (۲۴/۱۲) بن سید احمد حمزہ (۲۵/۱۱) بن سید احمد نوختہ (۲۶/۱۰) بن سید علی کاکی (۲۷/۹) بن سید حسین ثانی (۲۸/۸) بن سید محمد المدنی ولایتی (۲۹/۷) بن سید حسین ناصر ترمذی (۳۰/۶) بن سید موسیٰ جمیص (۳۱/۵) بن سید علی (۳۲/۴) بن سید حسین اصغر (۳۳/۳) بن سید امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (۳۴/۲) بن سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۵/۱) بن سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی شجرہ میں درج ہے کہ "حضرت شاہ زید علیہ الرحمہ کے ایک صاحبزادے ٹانڈہ کی جانب تشریف لے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی" چنانچہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خود نوشت سوانح

"نقشِ حیات" میں جو اپنا سلسلہ نسب تحریر فرمایا ہے اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب[1] مدنی قدس سرہ حضرت شاہ زیدؒ کے انہی صاحبزادے کی اولاد میں سے ہیں اس طرح حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ دونوں کا سلسلہ نسب حضرت شاہ زیدؒ پر پہنچکر ایک ہوجاتا ہے۔

خاندانی حالات

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک صاحبزادے (۳۲/۴) حضرت سید حسین اصغر کی اولاد ایک عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہی پھر خلافتِ عباسیہ کے دور میں عباسی خلفا کے اصرار پر آپ کا خاندان بغداد چلا آیا، جب وہاں کے حالات ساز گار نہ رہے تو (۲۹/۷) حضرت سید حسین ناصر علیہ الرحمۃ مع خاندان ترمذ تشریف لے آئے۔ آپ کی چوتھی پشت میں ایک بزرگ (۲۵/۱۱) سید احمد توختہؒ تھے جن کا مزار لاہور میں ہے اور "مرشدِ پنجاب" کے لقب سے مشہور ہیں، پھر سید احمد توختہؒ کی پانچویں پشت میں (۲۰/۱۶) اس خانوادہ کے ایک جلیل القدر بزرگ حضرت شاہ زید علیہ الرحمۃ بسلسلہ تبلیغ سالارِ لشکر ہوکر سیانہ تشریف لائے۔ اس زمانہ میں ہندوستان پر خلجی خاندان کی حکومت تھی۔ حضرت شاہ زید علیہ الرحمۃ نے کرنال کے علاقہ میں "سیانہ برہمنان" پہنچ کر زبردست معرکہ آرائی کے بعد اس کو فتح کیا۔ اس جنگ میں کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے جو اسی علاقہ میں مدفون ہیں۔ فتح حاصل ہونے کے بعد حضرت شاہ زید علیہ الرحمۃ مع اپنے خاندان کے وہیں آباد ہوگئے چنانچہ "سیانہ برہمناں" اب "سیانہ سیّداں" کے نام سے مشہور ہوگیا۔

دہلی میں مسلمانوں کی حکومت کے باوجود سیانہ کے کفار کی سرکشی اور مسلم مخالفت اسقدر شدید تھی کہ اس بستی میں آپ سے قبل کوئی مسلمان آباد نہ ہوسکا تھا اس لئے مقامی کفار کو آپ کا قیام اور تبلیغ سخت ناگوار ہوئی اور انھوں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح آپ سیانہ میں آباد نہ ہونے پائیں لیکن آپ نے ان کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کو اپنا مسکن بنالیا۔ چونکہ سیانہ میں ابھی نمازِ جمعہ کے لئے کوئی اہتمام نہ ہوسکا تھا اس لئے حضرت شاہ زید علیہ الرحمۃ جمعہ کی نماز کے لئے آٹھ دس کوس کے فاصلے پر قصبہ کرٹھانہ تشریف لے جاتے تھے اور واپسی پر جنگل میں نہر کے کنارے عصر کی نماز ایک مخصوص جگہ میں پڑھا کرتے تھے، ان حالات میں کفارِ سیانہ کو اپنی دشمنی کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا اور انھوں نے سازش کر کے ایک جمعہ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے عین سجدہ کی حالت میں آپ پر قاتلانہ حملہ کردیا اور اپنی دانست میں کاری زخم لگاکر بھاگ گئے۔ حضرت شاہ زید نے اسی حالت میں نماز پوری کی، بعد ازاں گھوڑے پر سوار ہوکر اُن کفار کا تعاقب کیا۔ راستہ میں دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور اسی حالت میں بعض کو

[1] مزید تفصیل صفحہ ۳۵۲ پر ملاحظہ ہو۔

نہ تیغ بھی کیا، آخر سیانہ بستی پہنچتے پہنچتے بہت نڈھال ہو چکے تھے اس لئے گھوڑے سے اتر کر ایک دیوار کے کنارے لیٹ گئے اور فرمایا "اے دیوار مجھے ڈھانپ لے" چنانچہ دیوار آپ پر گر گئی۔ بعد میں اس جگہ کے اطراف چار دیواری بنادی گئی جہاں کوئی باقاعدہ مزار نہیں ہے اور وہی جگہ مرجع خلائق بن گئی ہے ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کفارِ سیانہ نے جو اس بزرگ خاندان کے شدید دشمن تھے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ غلط بیانیوں اور سازشوں سے کام لے کر بادشاہِ وقت کو بھی ورغلایا جس نے آپ کے چاروں صاحبزادوں کو ایک اندھے کنوئیں میں قید کر دیا۔ ابھی اس واقعہ کو چند دن نہ گذرے تھے کہ بادشاہِ وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو تنبیہ فرمائی کہ تو نے میری اولاد کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے؟ بادشاہ بہت نادم ہوا اور خواب سے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے ان چاروں بھائیوں کی رہائی کے احکام جاری کئے اور ان کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ میں معذرت خواہ ہوں اور بطور مہمانِ خاص ان کے قیام کا اہتمام کیا۔ پھر ایک دن بادشاہ نے مزید مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے یہ پیشکش کی کہ "میری ایک بیٹی ہے میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ایک کے ساتھ اس کا نکاح کر دوں تاکہ اس بزرگ خانوادے سے قرابت کا شرف حاصل ہو جائے" چنانچہ ایک بھائی کے ساتھ اس شہزادی کی شادی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہوئی اور ہر بھائی کو مختلف علاقے جاگیر میں عطا ہوئے۔ اس طرح حضرت شاہ زید شہید علیہ الرحمہ کی اولاد اس علاقے میں پھیل گئی۔ ہمارے حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے جدامجد کے حصے میں گوہلہ تحصیل کیتھل کا علاقہ آیا جو سیانہ سیداں سے تقریباً پندرہ سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ حضرات تقسیم ہند تک وہاں بڑی عزت کی زندگی گذارتے رہے، چنانچہ اس علاقہ کی نمبرداری، قضاۃ، نکاح خوانی وغیرہ جس قدر معزز عہدے ہوتے ہیں سب آپ ہی کے خاندان کو حاصل تھے۔

اس خانوادے کی ایک فضیلت یہ بھی مشہور ہے کہ اس خاندان میں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی پیدائشی (مادر زاد) ولی ضرور ہوتا ہے چنانچہ حضرت شاہ بھیک علیہ الرحمہ مادر زاد ولی تھے جنھوں نے حضرت شاہ ابوالمعالی علیہ الرحمہ انبٹھوی (ضلع سہارنپور) سے سلوک کی تکمیل کی

قصبہ گوہلہ کی بعض خصوصیات

قصبہ گوہلہ اس بزرگ خانوادے کے قدوم میمنت لزوم کے باعث بزرگوں کا گہوارہ بن گیا چنانچہ وہاں حضرت شاہ زید کے پوتے سید حامد تو بہار کا مزار مرجعِ خلائق تھا اور مشہور ہے کہ آپ حضرت بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کے

خلفا میں سے تھے۔ گوہلہ میں آپ کے مزار پر عرس بھی ہوتا تھا، وہاں چند نوبتیں بھی رکھی ہوئی تھیں اور دو نوبتیں تو اس قدر بڑی تھیں کہ ہندوستان میں شاید ہی کہیں ہوں۔ مشہور ہے کہ جب اُن کے بجانے والے ماہر ان کو بجاتے تھے تو آواز بیس بیس کوس تک جاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے آٹھ دس کوس دور تک آواز سننے کی خود بھی تصدیق فرمائی۔ حضرت توبہارؒ کے مزار کے ایک طاق کا آنکھوں دیکھا حال سنئے:۔

حضرت توبہار کے مقبرے میں ایک طاق ہے جو ایک طرف سے ذرا چوڑا اور دوسری جانب سے تنگ ہے اس طاق میں چوڑائی کی جانب سے بمشکل ایک صحتمند آدمی کا سر داخل ہو سکتا ہے، طاق کے اوپر ایک اور طاقچہ ہے جس میں کڑوے تیل کا چراغ جلتا رہتا ہے اور اس کا دھواں کاجل کی شکل میں وہیں اوپر جمع ہوتا رہتا ہے آسیب زدہ لوگ وہاں لائے جاتے اور طاق کے سامنے چبوترے پر بٹھا دیئے جاتے، مجاور اسی چراغ کا کاجل ان کی آنکھوں میں اپنی انگلی سے لگا دیتے اور نیم کی پتیاں چراغ کے تیل میں ڈبو کر انھیں کھلاتے جو انھیں کڑوی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ پھر نوبت بجنی شروع ہوتی یہانتک کہ آسیب زدہ لوگوں میں سے کوئی جھومتا ہوا اٹھتا اور بڑبڑاتا ہوا اس طاق کے قریب جاتا اور کہتا کہ لو میں اپنا سر اس میں ڈالے دیتا ہوں اس سے کیا ہوتا ہے، پھر طاق میں سر ڈال دیتا۔ جونہی وہ سر ڈالتا مجاور لپک کر اسے دبوچ لیتے اور وہ کندھوں تک اس طاق میں چلا جاتا پھر وہ چیختا چلاتا رہتا، آخر مجاور قول و قرار لیکر اسے باہر نکالتے تو اس کا آسیب دور ہو چکا ہوتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت توبہارؒ حضرت بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کے خلفا میں سے ہیں اگرچہ میں نے بابا صاحبؒ کے خلفا کی فہرست میں ان کا نام کہیں نہیں پایا، ممکن ہے کہ لکھنے والوں نے تمام خلفا کا احاطہ نہ کیا ہو اور چونکہ یہ ایک چھوٹے سے دیہات کے باشندے تھے اس لئے ان کی طرف اعتنا نہ کیا گیا ہو، بہرحال بزرگوں کے بیان کے مطابق جب حضرت توبہارؒ خلافت و اجازت حضرت بابا صاحبؒ سے حاصل کر کے رخصت ہونے لگے تو تبرک عطا فرمانے کی درخواست کی۔ حضرت بابا فریدالدین شکر گنج علیہ الرحمہ نے دو اینٹیں عنایت فرمائیں اور فرمایا کہ ان کو طاق میں لگا دینا، یہ طاق آسیب کو دور کر دیگا۔ حضرت توبہار یہ اینٹیں لیکر روانہ ہوئے، لاہور میں اپنے ایک پیر بھائی کے ہاں قیام کیا جو "بتا بتوئی" کے نام سے مشہور ہیں اُن سے ان اینٹوں کا تذکرہ بھی کیا، انھوں نے شب کو چپکے سے وہ اینٹیں اٹھالیں اور ان کی جگہ دوسری اینٹیں رکھ دیں حضرت توبہارؒ نے وطن پہنچکر حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق طاق بنایا لیکن اس سے آسیب زدہ کو کوئی فائدہ نہ ہوا، کچھ عرصہ بعد حضرت توبہار حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابا صاحبؒ کے دریافت کرنے پر

عرض کیا کہ طاق تو بنا لیا ہے لیکن اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا۔ بابا صاحب نے دریافت کیا کہ کیا تم یہاں سے جاتے ہوئے کہیں ٹھہرے تھے؟ انھوں نے "بنّا بنوئی" صاحب کا نام پیش کر دیا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا وہ اینٹیں تو انھوں نے بدل دی تھیں، پھر وہ اینٹیں اور عنایت فرمائیں اور فرمایا کہ جس کو "بنّا بنوئی" کے ہاں فائدہ نہ ہوگا اسے بھی تمہارے ہاں فائدہ ہوگا۔ چنانچہ لوگوں کا تجربہ یہی ہے۔

گوہلہ میں "مائی جی کا ڈھیر" بھی متبرک مقام سمجھا جاتا تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ بادشاہ خلجی کی اس بیٹی کی قبر ہے جس کو بادشاہ نے عقیدتمندی کی وجہ سے اس خاندان کے ایک بزرگ کے نکاح میں دیدیا تھا وہ شہزادی خود بھی بڑی متقی اور عبادت گذار خاتون تھیں۔

گوہلہ میں گھگھر ندی پر بادشاہ خلجی کا تعمیر شدہ پل ابتک موجود ہے۔

آبائی وطن اور حضرت شاہ صاحبؒ کے جدِّ امجد

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا آبائی وطن قصبہ گوہلہ، تحصیل کیتھل ضلع کرنال (ہندوستان) ہے یہ بستی حضرت شاہ زید علیہ الرحمۃ کے زمانے سے صحیح العقیدہ سنّی سادات کی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا خاندان نسبی شرافت و فضیلت کے ساتھ ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز حیثیت رکھتا تھا لیکن دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کی زندگی کی وجہ سے علمی رجحان کم ہوتا گیا، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کے دادا سید اکبر علی کے زمانے میں ایک شیعہ پٹواری آپ کے علاقہ میں آگیا جس نے اپنی شیریں بیانی اور زہریلی کہانی سُنا سُنا کر شیعیت کا وہ جال پھیلایا کہ اکثر سیدھے سادے مسلمان اس کے عقائد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چونکہ اس علاقہ میں دینی علوم کا چرچا ختم ہو چکا تھا اس لئے پٹواری کو شیعیت کی تبلیغ کا خوب موقع ملا، چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے دادا سید اکبر علی جو اس علاقہ کے معزز بزرگ سمجھے جاتے تھے اور بڑے زمیندار بھی تھے جب وہ اس شیعہ پٹواری کے جال میں پھنس گئے تو اس علاقہ کے بکثرت سنّی مسلمان جو اُن کے زیر اثر تھے وہ بھی شیعہ ہوگئے اور اس طرح اس خاندان میں شیعیت نے جنم لیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے والد ماجد

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے والد ماجد سید احمد حسین مرحوم نے تین شادیاں کیں، پہلی شادی اپنے قریبی رشتہ داروں میں کی، جن کے بطن سے ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی، صاحبزادہ چند ماہ زندہ رہ کر وفات پا گئے اور صاحبزادی صاحبہ ماشاء اللہ حیات ہیں جنھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کا ہر موقع پر بہت خیال رکھا اور جن کے صاحبزادے سید ذوالفقار حسین و حافظ محمد اسلم صاحبان ہیں۔ ان دونوں بچوں کی ولادت کے بعد اُن بی بی صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت باسعادت

پہلی بیوی کے انتقال کے بعد حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد سید احمد حسین صاحب نے دوسری شادی اپنی سالی (یعنی مرحومہ بیوی کی چھوٹی بہن) سے کی، اُن کے بطن سے حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت بروز پیر ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۱۱ء اپنے آبائی وطن قصبہ گوبلہ تحصیل کیتھل ضلع کرنال میں ہوئی۔ دادا صاحب چونکہ حیات تھے انھوں نے نومولود کا نام تجویز کرنے میں پوری شیعیت کا مظاہرہ کیا اور "زوار حسین" نام رکھا گیا۔ بعد ازاں اُن بی بی کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو ہوتے ہی فوت ہوگئی۔ ابھی حضرت شاہ صاحبؒ تقریباً ڈیڑھ سال کے ہوں گے کہ والدۂ ماجدہ کا سایۂ شفقت اُٹھ گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ ماجدہ بیانہ سیداں کی تھیں اور یہ سارا خاندان حضرت شاہ زید شہید علیہ الرحمۃ کی اولاد سے ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے والد ماجد نے دوسری بیوی کے انتقال کے بعد تیسری شادی دُور کے عزیزوں میں کی جن کے بطن سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تو بچپن ہی میں فوت ہوگئے، دوسرے صاحبزادے سید افتخار حسین، صاحبِ اولاد ہو کر ۱۹۷۸ء میں فوت ہوگئے۔ لڑکیوں میں سے ایک صاحبزادی ابھی حیات ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی عمر تقریباً سترہ سال ہوگی کہ والد صاحب بھی غالباً ۱۹۲۸ء میں انتقال فرما گئے۔ حضرت شاہ علیہ الرحمۃ اور آن کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ اور بعض رشتہ داروں کے علاوہ خاندان کے اکثر افراد اس وقت تک شیعہ ہیں۔

بچپن

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اکثر ٹھسکہ میراں صاحب میں اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ہاں تشریف لیجایا کرتے تھے اور راستے میں اپنے ماموں عبدالرشید صاحب کے پاس بیانہ سیداں میں بھی قیام کرتے تھے۔ اس طرح گوبلہ، ٹھسکہ میراں صاحب اور بیانہ سیداں سے حضرت موصوف کی بہت سی دلچسپیاں وابستہ تھیں جن کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دینداری اور پرہیزگاری آپ کی گھٹی میں پڑ چکی تھی اور آپ صحیح معنوں میں حضرت شاہ بھیکؒ کے وارث تھے، بچپن ہی سے آپ کو اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں نیک لوگوں اور اولیائے کرام کی صحبت پسند تھی اور اپنے شیعہ والدین کی ضعیف الاعتقادی پر دل ہی دل میں افسوس کرتے اور بداعتقادی سے سخت متنفر تھے۔ آپ کے والد سخت مزاج اور تُرش رو تھے اس وجہ سے آپ اُن سے بہت ڈرتے تھے لیکن ان کے طریق عبادات، رسومات و اعتقادات پر دل نہیں جمتا تھا اور ان کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے مثلاً ایک مرتبہ محرم کے دنوں میں نیاز کے لئے کھانا تیار کیا گیا، والد صاحب فاتحہ دینے بیٹھے تو اپنی بیوی پر بہت برافروختہ ہوئے کہ پانی کا گلاس کھانے کے ساتھ کیوں نہیں رکھا، اگر مُردے کے گلے میں لقمہ پھنس گیا تو کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک روز وہ

کھانے پر فاتحہ دے رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ باہر سے گھر میں تشریف لائے اور دروازہ بند کر دیا تو والدہ صاحبہ نے فوراً چیخ کر کہا ارے دروازہ کیوں بند کر دیا، اسے فوراً کھول مُردے کیسے آئیں گے وغیرہ

تعلیم قصبہ گوہلہ میں ایک چھوٹا سا پرائمری اسکول تھا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو غالباً ۱۹۱۷ء میں اس اسکول میں حصولِ تعلیم کے لئے بٹھایا گیا۔ پرائمری کی دو جماعتیں گوہلہ میں پڑھیں تیسری جماعت میں تھے کہ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ آپ کو ٹھسکہ میراں صاحب لے گئیں جہاں وہ بیاہی ہوئی تھیں وہاں لوئر مڈل (چھٹی جماعت کا) اسکول میں داخلہ لیا۔ تیسری سے چھٹی کلاس تک وہیں تعلیم پائی۔ اسی دوران میں اسکول کے بقیہ وقت میں اپنے چند ہم جماعتوں کے ساتھ حافظ کمال الدین صاحب سے ناظرہ قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا۔ حافظ صاحب کا مدرسہ مکان سے قریب ہی تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے دوران چند سورتیں یٰسٓ شریف، تبارک الذی وغیرہ حفظ کر لی تھیں، اس طرح آپ کی ابتدائی تعلیم ایک صحیح العقیدہ سُنّی حافظ سے ہوئی جس کا اثر آگے چل کر بہت اچھا ہوا۔

کھیل کود میں بھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو اسکول کے لڑکوں سے زیادہ تعلق نہ تھا بلکہ مدرسہ تعلیم القرآن کے لڑکوں کے ساتھ دوستی اور یگانگت تھی اور انہی کے ساتھ ڈنڈا ڈولی اور کبڈی وغیرہ کھیلوں میں کبھی کبھی شریک ہو جاتے تھے لیکن ان کھیلوں میں بھی نمازیں وقت پر اور تلاوتِ قرآن کریم حسب معمول ادا فرماتے اور کھیل کود میں مشغول ہوتے ہوئے بھی متانت و سنجیدگی اور وقار کا دامن کبھی نہ چھوڑتے تھے۔

آغازِ ملازمت ٹھسکہ میراں صاحب میں چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد چونکہ مزید تعلیم کا انتظام نہ تھا اس لئے ساتویں جماعت کے لئے قصبہ شاہ آباد میں ورنا کلر مڈل سکول میں داخلہ لیا۔ جونہی ساتویں جماعت شاہ آباد میں پاس کی تو معلوم ہوا کہ ٹھسکہ میراں صاحب کے سکول کا درجہ بڑھا دیا گیا ہے اور ساتویں آٹھویں کلاسیں کھل گئی ہیں اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے دوبارہ ٹھسکہ میراں صاحب کے سکول میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۲۶ء میں اعلیٰ نمبروں سے مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسی اسکول میں ان ٹرینڈ ٹیچر مقرر ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۹۲۹ء میں نارمل ٹریننگ کے لئے داخلہ لیا اور ۱۹۳۰ء میں جے وی کا امتحان پاس کر لیا۔ جے وی پاس کرنے کے بعد اپنے وطن گوہلہ کے قریب تحصیل کیتھل، سب تحصیل گوہلہ میں "آگوند" نامی قصبہ میں بحیثیت اول مدرس پرائمری اسکول تقرر ہو گیا۔ پھر دو سال کے بعد "اجرانہ کلاں" تحصیل تھانیسر میں تبادلہ ہو گیا۔

شادیِ خانہ آبادی

چونکہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ زیادہ تر ٹھسکہ میراں صاحب میں اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے پاس قیام پذیر رہتے تھے اور اب چونکہ اسکول میں بحیثیت ٹیچر تقرر ہوگیا تھا اس لئے ہمشیرہ صاحبہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی شادی کے لئے اپنی نند صاحبہ کا انتخاب کیا اور اس سلسلہ میں آپ سے مشورہ بھی لیا، چونکہ آپ کی طبع مبارک بہت خاموش، کم سخن اور شرم وحیا کا مجسمہ تھی اس لئے مشورہ کیا دیتے، ہمشیرہ صاحبہ نے جو مناسب سمجھا کیا اور بالآخر ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء میں آپ کی شادی خانہ آبادی بحسن وخوبی انجام پائی۔

سوشل بائیکاٹ

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا زیادہ قیام اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ہاں رہا جن کے خاوند قاضی لطیف حسین صاحب سُنّی العقیدہ تھے نیز حافظ کمال الدین صاحب کی شاگردی وغیرہ کے اثرات نے آپ کے فطری میلان کو قوت بخشی مزید یہ کہ شیعہ سُنّی اختلاف کی تحقیق کے لئے بعض احباب کے مشورے سے حضرت شاہ صاحب نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے بھی خط وکتابت کی اور حضرت مولانا موصوف کے مشورہ پر آپ نے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قدس سرہٗ کی اکثر تصانیف کا مطالعہ کیا۔ ان سب چیزوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے میلانِ طبع پر سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور آپ نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ چونکہ مذہب شیعہ میں تین بنیادی چیزیں ایسی ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہیں یعنی "تبرٰی، تقیہ اور تمتع" جو کسی مذہب میں بھی روا نہیں، ایسے مذہب سے کس طرح خیر کی توقع کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا حضرت شاہ صاحب خوب غور وفکر کرنے کے بعد ایک راسخ العقیدہ سُنّی مسلمان بن گئے۔

جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے سُنّی عقائد کا علم آپ کے شیعہ رشتہ داروں کو ہوا تو وہ آپ کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں اور پریشانیاں پیدا کرنے کے درپے ہوگئے جس سے آپ کے عزم و استقلال میں ان کی توقعات کے خلاف اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اور جب کوئی حربہ کارگر نہ ہوا تو خاندان والے شیعوں نے آپ کے خلاف سوشل بائیکاٹ کی مہم شروع کردی یعنی سقّا، بھنگی، حجام، تیلی اور کہار وغیرہ کو حضرتؒ کے ہاں کام کرنے سے روک دیا گیا۔

معاشرے کے یہ تمام افراد سنی العقیدہ تھے نیز حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے اجداد ہی نے ان کو قرب وجوار کے دیہات سے لاکر یہاں آباد کیا تھا اور ان لوگوں کو باقاعدہ اجرت نہیں دی جاتی تھی بلکہ فصلِ خریف اور فصلِ ربیع دونوں میں ان کا معمولی ساحصہ مقرر تھا، اس طرح وہ محکوم اور غلام کی طرح رہتے تھے اور اپنے آقاؤں کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان لوگوں کے دلوں میں رحم ڈال دیا اور انھوں نے

ریاست وامارت کے دباؤ کے باوجود عقائد کے پیش نظر چوری چھپے، وقت بے وقت اور کئی کئی دن کی تاخیر سے جیسا موقع ہوتا حضرت شاہ صاحب کے گھر کے کام انجام دیتے رہے اور یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا لیکن آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

اس ناکامی و نامرادی کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے شیعہ رشتہ دار اپنی فتنہ پردازیوں اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئے چنانچہ انھوں نے اپنے پروگرام کے مطابق رمضان المبارک سے کچھ عرصہ قبل انسپکٹر آف اسکولز اور دیگر حکام سے ملکر حضرت شاہ صاحبؒ کا تبادلہ مسلم اکثریت والے گاؤں "اجرانہ کلاں" سے خالص ہندو آبادی والے گاؤں "اجرانہ خورد" کے اسکول میں کرا دیا، تاکہ آپ کو کھانے پینے، نماز روزہ اور دیگر عبادات میں تکلیف و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ تمام حربے صرف اس لئے کئے جا رہے تھے کہ شاید آپ پریشان ہو کر اپنے عقائد سے رجوع کر لیں مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت و اعانت ہر ہر قدم پر آپ کے شامل حال رہی اور آپ کے عقائد و خیالات مزید راسخ ہوتے گئے۔

جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ہندوؤں کے مذکورہ بالا گاؤں "اجرانہ خورد" میں تبادلہ کے بعد انسپکٹر آف اسکولز کو درخواست دی جس میں اپنے خورونوش کی تکلیف اور عبادات میں خلل کا ذکر کیا تو انسپکٹر آف اسکولز نے آپ کو بلا کر کہا کہ آپ ہی کے خاندان والوں نے آکر آپ کی طرف سے درخواست کی تھی کہ آپ اس گاؤں میں تبادلہ چاہتے ہیں اس لئے آپ کو یہاں تبدیل کیا گیا ہے اسوقت آپ کو اس سازش کا علم ہوا اور آپ نے انسپکٹر صاحب کو واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا چنانچہ انسپکٹر آف اسکول آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور فوراً آپ کا تبادلہ اجرانہ خورد سے دوبارہ اجرانہ کلاں میں کر دیا گیا۔ پھر سال ڈیڑھ سال بعد آپ کا تبادلہ اجرانہ کلاں سے کچھ فاصلہ پر واقع بیرسال نامی گاؤں میں کر دیا گیا، یہاں کی آب و ہوا آپ کو موافق نہ آئی اور طبیعت ناساز رہنے لگی، اسی اثنا میں مولوی سر رحیم بخش صاحب کو . . . .

. . . جب آپ کے حالات کا علم ہوا تو انھوں نے آپ کو دہلی میں ملازمت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ (جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے)۔

الوداعی نظم | اس موقع پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی شاعری کا تذکرہ کر دینا بیجا نہ ہو گا کیونکہ آپ نے مذکورالصدر اسکولوں میں سے کسی اسکول سے متعلق یہ نظم کہی تھی اور خود ہی اس کا عنوان "الوداعی نظم" رکھا تھا جس کا ہر ہر شعر الفاظ کی بندش، زور بیان، روانی اور شاعری کی اعلیٰ قابلیت کا مظہر ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت آپؒ "شمسی" تخلص فرماتے تھے بعد میں "ذوقار" تخلص اختیار فرما لیا یہ نظم "شاعری" کے باب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

تصوف کا شوق جب بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے محیر العقول اور عظیم کارنامے حضرت شاہ صاحبؒ کے مطالعہ میں آئے تو آپ کے قلبِ سلیم میں راہِ مستقیم کی جستجو پیدا ہوئی اور شوقِ طلب شعلہ زن ہوا مگر دنیا ساز اور دین فروش خود ساختہ پیروں کے واقعات سدِ راہ رہے، چونکہ دستِ طلب صاحبِ معرفت کا دامن تھامنے کے لئے بیتاب تھا اس لئے قدرت نے خود اس کا سامان مہیا کر دیا۔

غالباً ۱۹۳۱ء میں ایک صاحب مولانا اسلام الدین نامی حولدار پولیس گوہلہ میں تعینات ہو کر آئے۔ جمعہ کی نماز میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا اُن سے تعارف ہو گیا اور پہلی ہی ملاقات میں آپ ان کی صورت و سیرت سے بہت متاثر ہوئے اور یقین ہو گیا کہ وہ پولیس کی ملازمت کے باوجود نہایت درجہ دیندار اور پرہیزگار بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کی صحبت کو غنیمت شمار کرتے ہوئے ان کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا اور جب مولانا اسلام الدینؒ کے طور و طریق اور اندازِ گفتگو سے واضح طور پر روحانی لذت محسوس کی تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی قدس سرہٗ کا فیض ہے۔ ادھر مولانا اسلام الدین صاحبؒ نے جب حضرت شاہ صاحبؒ کے ذوق و شوق کو روز افزوں دیکھا تو یکے بعد دیگرے تصوف کی کتابیں مطالعہ کے لئے دیں۔ اہلِ طریقت اور علومِ معرفت کی آگاہی نے اشتیاق میں مزید اضافہ کر دیا۔ آخر حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا اسلام الدینؒ کی معرفت بذریعہ عریضہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری قدس سرہٗ سے بیعت حاصل کر لیا حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے اپنی بصیرت اور فراستِ باطنی سے آپ کے جوہرِ قابلیت کو محسوس کر لیا اور جواب میں قبولیت کی اطلاع کے ساتھ مولانا اسلام الدین صاحبؒ کو ہدایت فرمائی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو طریقۂ ذکر سکھا دیں۔ شاید مولانا اسلام الدین صاحبؒ اسی رہنمائی کے لئے گوہلہ بھیجے گئے تھے کہ بیعت کے تھوڑے دنوں بعد ۱۹۳۲ء میں ان کا تبادلہ پانی پت ہو گیا اور وہ وہاں چلے گئے۔

منشی فاضل فقہ اور تصوف کے ذوق سے متاثر ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ نے محسوس کیا کہ ان علوم کو حاصل کرنے کے لیے عربی اور فارسی کا علم ہونا بھی ضروری ہے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی دیدیئے جائیں۔ چنانچہ آپ نے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ آپ مولانا اسلام الدین صاحب کے پاس پانی پت تشریف لے جائیں اور وہاں حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحبؒ اور مولانا عبدالحلیم صاحب انصاریؒ کی خدمت میں تیاری کریں۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۲ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ـــــ محترم جناب سید ذوالفقار حسین صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے مولوی فاضل کا امتحان بھی دیا تھا اور یقین ہے کہ اس میں بھی کامیابی ہو گئی ہو گی لیکن اس کا سرٹیفکیٹ نہیں مل سکا۔

حضرت شیخ سے ملاقات حضرت شاہ صاحبؒ اگرچہ غائبانہ بیعت ہو گئے تھے لیکن دل میں اپنے مرشد حضرت خواجہ محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات و زیارت کا بے حد اشتیاق تھا جن کی بزرگی اور کرامت کی زندہ مثال مولانا اسلام الدین صاحب تھے۔ خیال ہوتا تھا کہ جب مرید ایسا ہے تو خود پیر کیسا ہو گا لیکن مصروفیات اس درجہ مانع رہیں کہ ابتک قدمبوسی کا موقعہ مل سکا آخر طلبِ صادق رنگ لائی اور انہی دنوں پانی پت کے دورانِ قیام میں حضرت مولانا عبد المجید صاحب رہتکیؒ اور حضرت مولانا محمد سعید صاحب گوہانویؒ پانی پت تشریف لائے اور انھوں نے یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ مولانا محمد مشتاق صاحب بھاولپوری کے ہمراہ دہلی تشریف لائے ہوئے ہیں اور حضرت خواجہ صاحب کے حکم کی بنا پر ہم یہاں اس لئے آئے ہیں کہ مولانا اسلام الدین صاحبؒ کے توسط سے حضرت خواجہ صاحب کے قیام کا انتظام کریں۔ مولانا اسلام الدین صاحب یہ خوشخبری سنتے ہی حکیم صداقت علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی اجازت سے حکیم صاحب کے مردانہ مکان میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے قیام کا بندوبست کرا دیا اور دوسرے دن حسب پروگرام حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ مع مولانا محمد مشتاق صاحب پانی پت تشریف لے آئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا موقع اور کونسا ہو سکتا تھا کہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور حضرت خواجہ محمد سعید قریشی احمد پوری علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ لہذا حضرت شاہ صاحب پانی پت کے دورانِ قیام میں حضرت خواجہ صاحب سے بالمشافہ بیعت ہوئے اور بیشتر اوقات حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں گذارنے اور حلقہ و مراقبہ میں شامل ہونے لگے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ چند روز پانی پت میں قیام فرما کر وطن مالوف تشریف لے گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ منشی فاضل کے امتحان کی تیاری میں مشغول ہو گئے جس میں آپ کو اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل ہوئی، سرٹیفکیٹ پر اجرا کی تاریخ ۴ار دسمبر ۱۹۳۲ء درج ہے۔

حضرت خواجہ محمد سعید قریشی احمد پوری قدس سرہٗ ابتداءً دہلی میں حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مدنی قدس سرہٗ کے ہاں مسجد سبیل محلہ نواب گنج میں قیام فرمایا کرتے تھے بعد میں مریدوں کی کثرت کے باعث محلہ قصاب پورہ میں شیخ محمد بشیر کے ہاں قیام ہونے لگا۔

منقبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کی ملاقات نے حضرت شاہ صاحبؒ کے جذبات محبت پہ ایک اور تیشہ کا کام کیا اور آپ کو حضرت شیخ کی مزید ملاقاتوں کا اشتیاق ستانے لگا۔ جس کی عکاسی مندرجہ ذیل منقبت سے عیاں ہے۔ یہ منقبت بھی شاعری کے اعتبار سے بلند معیار کی ہے ہم بجنسہٖ اس کی نقل مع القاب و آداب کے پیش کرتے ہیں۔

"منقبت درشان حضرت پیر و مرشد مولانا خواجہ سعید محمد صاحب حنفی قریشی ہاشمی
نقشبندی مجددی فضلی مدظلہ العالی دام اقبالہ

یہ دلِ مضطر ہے پیاسا شربتِ دیدار کا — جیسے ہو کوئی پپیہا شیفتہ ملہار کا
مرشدِ من آپ ہیں شمع طریقِ احمدی — اور یہ دل پروانہ ہے اس شمع کے انوار کا
آپ ہیں مقبول درگاہِ خدائے ذوالجلال — ہے سہارا آپ کا دامن مری زنہار کا
آپ ہیں اخلاق و حسنِ مصطفیٰ کی اک مثال — دید کا مشتاق ہے دل آپ کی زوّار کا
صاحبِ علمِ لدُنّی واقفِ اسرارِ حق — باغ وحدت کی کلی گل احمدی گلزار کا
سالکانِ باصفا کے آپ ہیں روحِ رواں — بیکس و عاجز کی پونجی مایہ ہیں نادار کا
رنجِ دوری دردِ فرقت سے یہ دل بیمار ہے — دیکھ لیں جلدی مسیحا حال اس بیمار کا
یا الٰہی التجا ہے جا ملوں حضرت سے میں — کیجئے چارہ کوئی بے مونس و غمخوار کا

از معاصی گھن خوردہ شمسی بے نور را
ہے وسیلہ آپ ہی کے فیض کے انوار کا

از فقیر حقیر لاشئ عاصی نادار سید زوار حسین شمسی حنفی المذہب
فیض یافتہ حضرت مرشدنا خواجہ سعید محمد مدظلہ العالی"

دہلی میں ملازمت مولانا سر رحیم بخش صاحب علیہ الرحمہ وزیر اعظم ریاست بہاولپور، ٹھسکہ میراں صاحب کے رہنے والے تھے، اس مرتبہ جب وطن مالوف تشریف لائے تو دورانِ گفتگو خوش طبعی کے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ سے حالات دریافت کرنے لگے اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ آپ نے مڈل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کر لئے ہیں تو فرمایا کہ آپ دہلی تشریف لیجائیں میں خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب بندوق والوں کو خط لکھے دیتا ہوں وہ آپ کو وہاں اچھی ملازمت دلا دیں گے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ بیر سال کے سکول سے چھٹی لے کر حاجی صاحب موصوف کی خدمت میں دہلی پہنچ گئے اور مولانا سر رحیم بخش صاحب کا سفارشی مکتوب پیش کر دیا۔ خانبہادر صاحب نے فوراً چیرمین میونسپل بورڈ کو ٹیلیفون کیا اور دو چار یوم کے اندر ۱۸ فروری ۱۹۳۳ء کو ایک پرائمری سکول میں عارضی تعیناتی ہو گئی۔ سابقہ سکول کی چھٹی ختم ہونے پر آپ نے وہاں کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس کے بعد اسی سال ایم بی مڈل سکول کابلی گیٹ دہلی میں اورنٹیل ٹیچر کی حیثیت سے مستقل تقرر ہو گیا۔ حضرت

خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے دہلی میں قیام کو بہت پسند فرمایا۔ تقریباً نو سال تک اسی اسکول میں ٹیچر رہے پھر ایم بی (میونسپل بورڈ) مڈل اسکول جامع مسجد میں تبادلہ ہو گیا جہاں تقریباً پانچ سال رہے پھر تقسیم ہند سے چند ماہ پیشتر ۱۹۴۷ء میں دوبارہ کابلی گیٹ مڈل سکول میں تبادلہ کر دیا گیا اور وہیں سے پاکستان تشریف لے آئے۔

درس و تدریس کا ایک واقعہ

درس و تدریس کے زمانہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ دلی میں جب میں اسکول میں فارسی پڑھاتا تھا تو طبیعت میں بہت سختی تھی اس لئے لڑکوں پر بہت رعب رہتا تھا، شاید اسی وجہ سے میرا تبادلہ کابلی گیٹ کے اسکول سے جامع مسجد کے اسکول میں کیا گیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں جامع مسجد کے اسکول میں ایک شورش و ہنگامہ برپا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے ہندو ہیڈ ماسٹر نے انگریزی پڑھاتے ہوئے مالِ غنیمت کا ترجمہ "لوٹ کا مال" کر دیا تھا جس پر چند مسلمان اساتذہ نے لڑکوں کو ہیڈ ماسٹر کے خلاف بھڑکا دیا تھا اور یہ شورش اتنی بڑھی کہ ہیڈ ماسٹر کو استعفا دینا پڑا۔ اس کے بعد ریاض الحسن صاحب ہیڈ ماسٹر بن کر آئے اور میرا تبادلہ بھی اسی اسکول میں کر دیا گیا۔ میں آٹھویں جماعت کو پڑھا رہا تھا ان میں بعض لڑکے بڑی عمر والے اور بڑے قد آور تھے، میری بھی جوانی کا زمانہ تھا اور بدن میں کافی جان تھی، میں نے لڑکوں سے سوالات کئے تو سوال کسی سے کرتا اور جواب کوئی دیتا تھا، میں نے بدتمیزی کا یہ رنگ دیکھا تو ایک قد آور بڑے لڑکے کو پوائنٹر سے مارنا شروع کر دیا جو جغرافیہ کا ماسٹر کلاس میں چھوڑ گیا تھا، اتنا مارا کہ پوائنٹر ٹوٹ گیا، پھر میں نے مکے مارتے ہوئے اسے کلاس سے باہر نکال دیا کلاس میں سناٹا ہو گیا اور میں بھی خاموش بیٹھ گیا، میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میری ملازمت نہ رہے گی کیونکہ اس سے پہلے والے اسکول میں بھی میری اس طرح کی سختی کی شکایت ہو چکی تھی۔ جب گھنٹہ ختم ہوا تو اس کے بعد ہیڈ ماسٹر کا پیریڈ تھا، جاتے ہوئے میں نے کلاس مانیٹر سے کہا کہ یہ واقعہ ہیڈ ماسٹر کو بتا دینا اور میں جا کر استعفیٰ دیئے دیتا ہوں، اور میں اسکول کے بعد گھر چلا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہیڈ ماسٹر نے بھی سخت رویہ اختیار کیا اور لڑکوں سے کہا کہ مولوی صاحب سے معافی مانگو ورنہ میں ایک ایک کو اسکول سے خارج کر دونگا چنانچہ دوسرے روز لڑکوں نے معافی مانگی اور میں نے بھی معاف کر دیا پھر میرا رعب ہمیشہ رہا۔

اصول پسندی

اسکول کے زمانہ کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اسکول میں وقار کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ ایک مرتبہ میرا آخری گھنٹہ تھا، کچھ وقت باقی تھا، میں نے سوچا کہ اسے جلدی سے ختم کرادوں اتنے میں ہیڈ ماسٹر کلاس روم کے دروازے پر آ گیا کیونکہ وہ اسکول کا وقت ختم ہونے کے بعد ایکسٹرا پیریڈ لیا کرتا تھا۔ میں نے

پروا تک نہ کی اور تدریس میں مصروف رہا۔ ذرا توقف کے بعد وہ اندر آگیا اور لڑکوں سے کہا "اسٹینڈ اپ"۔ مجھے غصہ آگیا اور میں نے لڑکوں سے کہا "سِٹ ڈاؤن" چنانچہ ایک لڑکا بھی کھڑا نہ ہوا۔ ہیڈ ماسٹر غصہ میں واپس چلا گیا۔ دوسرے روز مجھے بلا کر کہا معاف کیجئے آپ کو غصہ آگیا۔ میں نے کہا آپ ذرا توقف کر لیتے تو کیا بگڑ جاتا اب لڑکوں کے سامنے آپ کا کیا وقار رہا۔

ابتدائی اسباق

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو دہلی میں ملازمت کے آغاز یعنی ۱۸ فروری ۱۹۳۳ء تک تین سبق (یعنی لطیفۂ قلب، روح اور سِر) مل چکے تھے۔ اس زمانے میں حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی علیہ الرحمۃ جب بھی پانی پت، کرنال وغیرہ تشریف لاتے تو حضرت شاہ صاحبؒ اُن کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور کوشش کرتے کہ سفر میں زیادہ سے زیادہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے ساتھ رہیں دہلی میں ملازمت بھی حضرت خواجہ صاحب کے مشورہ اور دعا کا نتیجہ تھی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو رخصت کرتے وقت حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی مدنی علیہ الرحمۃ کا پتہ بھی دیا تھا کہ ان کے حلقہ میں شامل ہوتے رہیں نیز جب بھی حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوریؒ دہلی تشریف لائیں اُن کے حلقہ میں بھی شامل ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان ہدایات پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

خلافت

اس سعادتِ عظمیٰ عطا ہونے کی تفصیل ڈاکٹر جان رشید مرحوم کی بیاض سے نقل کی جاتی ہے جو انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی زبانی سن کر قلمبند فرمائی تھی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے:۔

مئی یا جون ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ گوہانہ وغیرہ میں تشریف لائے ہوئے تھے یہ عاجز بھی حاضر خدمت تھا۔ حضرت خواجہؒ نے ایک روز اچانک مجھے اپنے مرشد حضرت خواجہ فضل علی قریشی قدس سرہٗ کے نام ایک مکتوب دیا اور فرمایا کہ میں نے اس خط میں سلسلۂ عالیہ کی خلافت تم کو عطا فرمانے کی بابت لکھا ہے۔ میں یہ کلمات سن کر حیران رہ گیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے میری حیرانی ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں نے اب تک جس کسی کو اس مقصد کے لئے حضرت مرشدؒ کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے اس کو منظور فرما لیا اس لئے امید ہے کہ تمہارے بارے میں بھی اجازت فرمادیں گے۔ حضرت مرشدؒ کو نذر پیش کرنے کے لئے پھلوں کی ایک ٹوکری بھی عنایت فرمائی اور اپنی کچھ کتابیں بھی عاجز کے حوالہ کیں اور فرمایا کہ جب تم احمد پور شرقیہ واپس میرے پاس آؤ تو ان کتابوں کو لیتے آنا، اور فرمایا کہ تیسرے یا چوتھے دن فلاں روز میں بھی احمد پور شرقیہ پہنچ جاؤں گا اور تم بھی حضرت مرشد سے رخصت ہو کر احمد پور شرقیہ آجانا نیز چونکہ گوہانہ کے بیر بہت اچھے ہوتے ہیں کسی موقع پر حضرت خواجہ فضل علی قریشی علیہ الرحمۃ نے اظہارِ خیال فرمایا تھا کہ مسکین پور کی بیریوں پر اس کا پیوند لگایا جائے تو خوب ہو، حضرت خواجہ کو وہ بات یاد تھی

اس لئے کسی باغ والے سے بیری کے چھلّے (پیوند کرنے کے لئے) حاصل کئے اور وہ بھی اس عاجز کے ساتھ روانہ فرمائے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی ہدایت وارشاد کے مطابق عاجز یہ سب چیزیں ہمراہ لیکر روانہ ہوگیا۔ بس نے عشا کے قریب شہر سلطان میں اس جگہ اتارا جہاں سے مسکین پور شریف کو راستہ جاتا ہے۔ یہ عاجز عشا کی نماز اور دیگر ضروریات سے فارغ ہوکر وہاں سے رات ہی کو مسکین پور کے لئے روانہ ہوگیا۔ شب کی تاریکی میں سمجھ نہ سکا کہ کسقدر فاصلہ طے ہوچکا ہے۔ تقریباً دو میل چلنے کے بعد ایک اور چھوٹا نالہ (بھی) ملا تو مجھے دھوکا ہوگیا اور بڑے نالہ سے پہلے ہی راستہ بدل کر اس کے ساتھ ساتھ چل دیا، تقریباً ایک میل چلا مگر کوئی آدمی نہ ملا کہ اس سے راستہ پوچھتا، آخر واپس لوٹا، اتفاقاً واپسی پر نالے میں کچھ بچے نہا رہے تھے، میں نے ان سے راستہ دریافت کیا کہ اس علاقے میں حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ جذبہ والے سائیں کے نام سے مشہور ہیں وہ کس طرف رہتے ہیں؟ بچوں نے حضرت کا نام سنتے ہی رہنمائی کی کہ اسی نالے کے کنارے کنارے چلے جاؤ ایک بستی ملے گی وہاں جذبے والے سائیں کا ایک مرید رہتا ہے، رات وہیں ٹھہر واور صبح وہ خود تمہیں وہاں پہنچادے گا چنانچہ عاجز نے ان بچوں کی رہنمائی پر عمل کیا اور اس بستی میں پہنچکر رات انہی صاحب کے ہاں گذاری پھر صبح اشراق کے بعد ناشتہ سے فارغ ہوکر وہ صاحب خود ساتھ آئے اور صحیح راستہ پر چھوڑ گئے۔

مسکین پور پہنچکر معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ فضل علی قریشی علیہ الرحمۃ تشریف نہیں رکھتے اور تبلیغی دورہ پر گئے ہوئے ہیں، میں نے پھلوں کی ٹوکری حضرت کے گھر میں پہنچادی، پھر خود ہی اپنے ہاتھ سے احاطہ کی بیریوں پر پیوند لگائے اور چھلّے چڑھائے، خدا جانے وہ کامیاب بھی ہوئے یا نہیں۔ بہرحال ایک دو روز کے بعد عاجز مسکین پور سے احمد پور شرقیہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ صبح کھانے کے بعد تقریباً ساڑھے آٹھ بجے مسکین پور سے پیدل روانہ ہوا، ظہر کے وقت پنج ندہیڈ پہنچا، عصر تک وہیں ایک درخت کے سایے میں آرام کیا کیونکہ دھوپ میں بڑی تمازت تھی، عصر پڑھ کر پھر روانہ ہوا۔ اوچ شریف سے ایک میل پہلے ایک بستی میں شب بسر کی، صبح اوچ شریف میں بعض مزارات کی زیارت کے بعد احمد پور شرقیہ کی طرف روانہ ہوگیا اور زوال کے وقت احمد پور شرقیہ کے اسٹیشن پر پہنچ گیا اور ایک بنچ پر آرام کیا کیونکہ اسی شام کو حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ بذریعہ خیبر میل احمد پور شرقیہ پہنچنے والے تھے، مجھے تھکن اور لو لگنے کی وجہ سے بخار ہوگیا تھا۔

حضرت شیخ حسب پروگرام خیبر میل سے تشریف لے آئے تو اُن کے ہمراہ بخار کی حالت میں حضرت کے دولت خانہ پر پہنچا اور حضرت کو سفر کی روئداد سنائی اور مسکین پور میں حضرت خواجہ فضل علیؒ کی عدم موجودگی کی اطلاع دی۔

دوسرے روز حضرت شیخ خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کل جمعہ ہے تم چُنّی گوٹھ چلے جاؤ جمعہ کی نماز وہیں پڑھو، وہاں جامع مسجد میں حضرت خواجہ فضل علی قریشی علیہ الرحمۃ کے کچھ مُرید ملیں گے ان سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت آجکل کس جگہ دَورے پر ہیں وہ ضرور تمہیں حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچادیں گے، اور لُو، بخار کے علاج کے لئے ایک پیالہ میں املی اور آلو بخارے پانی میں ڈال کر دیئے کہ یہ پیتے رہنا انشاء اللہ شفا ہو گی۔ حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق یہ عاجز دوسرے روز چُنّی گوٹھ پہنچ گیا جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی اور حیران تھا کہ حضرت قریشی علیہ الرحمۃ کے مریدوں کو کس طرح پہچانوں اور کس سے پوچھوں؟ ابھی اسی سوچ میں تھا کہ چند لوگوں کو اکٹھا بیٹھے اور ذکر کا اہتمام کرتے دیکھا جس کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ یہی حضرت کے مرید ہیں۔ اس عاجز نے ان کی خدمت میں جا کر حضرت کے بارے میں دریافت کیا کہ آجکل کہاں تشریف فرما ہیں؟ اور عرض کیا کہ کوئی صاحب وہاں تک میرے ہمراہ چلیں تو بڑی مہربانی ہو۔ چنانچہ ایک صاحب مجھے اپنے ہمراہ لیکر روانہ ہوئے اور رات کو عشا کے قریب وہ اپنے گاؤں میں پہنچے، عاجز کو بخار کی شدت بدستور تھی، رات وہیں گذاری، صبح تہجد کے وقت پھر اُن کے ہمراہ روانہ ہوا، فجر کی نماز ایک دوسری بستی میں پڑھی، نماز کے بعد ان صاحب نے وہاں کے لوگوں سے حضرت قریشی علیہ الرحمۃ کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سات آٹھ میل دُور ایک بستی میں تشریف فرما ہیں۔ میرے راہبر نے اپنی مصروفیات کی بنا پر مزید رفاقت سے معذرت چاہی اور میرے لئے ایک خچر کرایہ پر دلوادیا۔ اب میں خچر پر سوار ہو کر خچر والے کے ہمراہ روانہ ہوا، راستہ میں ایک صوفی صاحب سے ملاقات ہوئی اُن سے خچر والے نے حضرت صاحبؒ کے بارے میں دریافت کیا، پتہ چلا کہ ہم جس بستی میں جا رہے ہیں حضرت وہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں اور آگے دوسری بستی میں تشریف فرما ہیں۔ خچر والے کو مزید اجرت دیکر وہاں تک جانے پر بمشکل رضامند کیا کیونکہ بخار اور نقاہت کے باعث پیدل چلنے کی ہمت بالکل نہ رہی تھی، آخر دوپہر کے وقت ہم اپنی نئی منزل پر پہنچ گئے اور یہ معلوم ہو کر اطمینان و مسرت ہوئی کہ حضرت خواجہ فضل علی قریشی علیہ الرحمۃ وہاں تشریف فرما ہیں اور اسوقت قیلولہ فرما رہے ہیں۔

ظہر کے وقت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نماز کے لئے باہر تشریف لائے اور عاجز کو زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور عاجز نے حضرت شیخ کا مکتوب پیش کیا اور حضرت کی معیت میں ٹھہر گیا۔ شب کو اس بستی میں تبلیغی جلسہ ہوا، عاجز کو بخار کی شدت بدستور تھی اور بدن پر لرزہ طاری تھا اس لئے حضرت نے عاجز کے لئے سواری کا انتظام کرادیا لہٰذا ایک گھوڑے پر حضرت خواجہ فضل علی قریشی علیہ الرحمۃ اور دوسرے پر یہ عاجز سوار ہو کر صبح سویرے وہاں سے روانہ ہوئے، دوپہر کو ایک دوسری بستی میں قیام کیا، غالباً اسی دن یا

اجازتِ بیعت و نقلِ سند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡمُجَاھِدُ مَنۡ جَاھَدَ نَفۡسَہٗ فِیۡ طَاعَۃِ اللّٰہِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین و

آلہ الطاھرین واصحابہ الطیبین اجمعین الی یوم الدین ۔

میگوید فقیر حقیر لاشئ محمد سعید قریشی ہاشمی عباسی کہ ایں عاجز خاکسار ذرۂ بیمقدار در خاندانِ نقشبندیہ مجددیہ عثمانیہ داخل شدہ علمِ سلوک تمام دائرۂ لاتعین از حضرت قبلۂ عالم عالمِ اجل حضرت مولٰنا مولوی محمد فضل علی شاہ صاحب قریشی ہاشمی عباسی بفضلہ تعالیٰ حاصل نمودہ شرفِ اجازت از حضرت قبلہ یافتہ برائے تحقیق سلسلۂ شریف موجود است ۔ پس ازیں عاجز لاشئ برادر طریقت مولوی سید زوار حسین شاہ صاحب ولد سید احمد حسین صاحب قوم سید سکنہ گوبلہ علم سلوک وجذب وحالات وواردات صحیحہ حاصل نمودہ برائے طالبانِ مولیٰ وبرائے خدمتِ اسلام بموجب ضرورت اجازت دادہ شدہ ۔ طالبانِ راہِ حق جل وعلی را مناسب است کہ زود فیض ظاہری وباطنی ازیں شیخ حاصل نمایند وہیچ خطرہ وشک در دل نیارند کہ جناب خلیفہ صاحب موصوف للہ فی اللہ خدمتِ اسلام وبرادرانِ اسلام کند، فقط عاجز محمد سعید قوم قریشی ہاشمی سکنہ احمد پور شرقیہ بقلم خود

ریاضت خلافت واجازت سے مشرف ہو کر جب آپ اپنے وطن پہنچے تو عبادت وریاضت میں مزید خلوص وجذبہ اپنے اندر محسوس کرنے لگے ۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ ”جوانی میں میری یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ عشا کے بعد مراقبہ سے فارغ ہو کر بہت دیر میں بستر پر لیٹتا تھا لیکن ایک دو گھنٹہ بعد ہی آنکھ کھل جاتی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خوب سو لیا اور نیند پوری ہو گئی لہٰذا اٹھ کر حضرت نوبہار صاحبؒ کے مزار پر یا کسی مسجد میں چلا جاتا اور صبح تک مراقبہ میں مشغول رہتا ۔ درمیان میں اگر غنودگی آجاتی تو وہیں سو جاتا اور پھر اٹھ کر اپنے کام میں لگ جاتا۔“

نیز حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ”حضرت خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوریؒ یا حضرت خواجہ محمد سعید قریشی احمد پوریؒ جب بھی تبلیغی دورہ پر کرنال، پانی پت اور رہتک وغیرہ میں تشریف لاتے تو عاجز ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور جب دہلی تشریف لاتے تو حضرت مولانا عبد الغفور صاحب عباسی مدنی علیہ الرحمۃ کے ہاں ہی قیام فرماتے، وہاں بھی یہ عاجز برابر حاضر ہوتا۔ اسکول کی ڈیوٹی سے

فارغ ہو کر باقی تمام وقت حضرت کی خدمت میں گذارتا۔ دہلی میں جب حضرتؒ کو فالج ہوا تو بھی دن رات حضرت کی خدمت میں رہا اور جس وقت حضرت کو دہلی سے ٹرین میں سوار کرایا گیا اس وقت بھی یہ عاجز موجود تھا۔ حضرت مولانا عبد الغفور عباسی قدس سرہٗ کی جماعت کے ہمراہ ایک مرتبہ مسکین پور کے جلسہ میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت خواجہ فضل علیؒ کی رحلت حضرت خواجہ فضل علی قریشی قدس سرہٗ کی تمام عمر ارشاد و تلقین اور دینِ اسلام و سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تبلیغ و اشاعت میں گذری، اخیر عمر میں بھی اگرچہ بڑھاپے کا اثر اس درجہ غالب ہو چکا تھا کہ آپ کو سہارا دیکر اٹھایا جاتا تھا اور چند قدم چلنے سے سانس پھول جاتا تھا لیکن با ایں ہمہ کبھی ہمت نہ ہاری اور تبلیغی دورے اخیر عمر تک جاری رکھے۔ کثرتِ ذکر کے باعث گرمی زیادہ محسوس فرماتے تھے، گرمیوں میں مغزیات گھوٹ کر پینے اور ٹھنڈی چیزیں استعمال کرنے کی وجہ سے ایک ہاتھ میں درد رہنے کے بعد بے حسی پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ دہلی کے تبلیغی سفر میں اس درد اور بے حسی نے فالج کی صورت اختیار کر لی۔ بیماری ہی کی حالت میں حضرت کو دہلی سے مسکین پور پہنچایا گیا جہاں تقریباً نصف ماہ بیمار رہ کر چوراسی سال کی عمر میں جمعرات کے دن رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ کی چاند رات مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو اس جہان فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور وہیں (مسکین پور میں) آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ [۱]

خوشنویسی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا خط شروع ہی سے بہت خوشخط تھا۔ اسکولوں کے چارٹ اور تعلیمی کتبات وغیرہ بنانا آپ ہی کے ذمہ تھا جن کو آپ بڑی محنت، ذوق اور لگن سے تیار کرتے تھے، وہاں کے اسکولوں میں آپ کے تیار کئے ہوئے کتبات آپ کے بعد بھی ایک عرصہ تک آویزاں رہے۔ خوشخط ہونے اور کتبات تیار کرنے کے ذوق میں مزید اضافہ ہوا تو باقاعدہ خوشنویس بننے کا شوق اُبھر آیا۔ اسی اثناء میں کسی کتابت کے کام کے سلسلہ میں مولانا عبد اللہ صاحب خوشنویس سے ملاقات ہو گئی جو کہ دہلی کے مشہور خطاط اور خوشنویسی کے یکتائے روزگار استاد منشی عبد الغنی بن منشی ممتاز علی مرحوم مہاجر مکی کے شاگرد تھے، حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا عبد اللہ صاحب سے خوشنویسی کے شوق کا اظہار کیا تو مولانا فوراً تیار ہو گئے اور مشق شروع کرادی، اگرچہ حضرت شاہ صاحبؒ خوشنویسی کے صرف اصول جاننا چاہتے تھے بطورِ پیشہ سیکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن مولانا عبد اللہ صاحب ایک ایک

---

[۱] مقاماتِ فضلیہ ص ۱۹۔

تقطیع پر بہت وقت لگادیتے تھے اور جبتک ایک تقطیع خوشنویسی کے اصول پر پوری طرح عمدہ نہ ہوجائے دوسری تقطیع شروع نہ کراتے تھے اس لئے حضرت شاہ صاحب مولانا کے طریق کار پر اکثر جز بز ہوتے لیکن اس کے باوجود آپ مولانا صاحب کے پیچھے لگے ہی رہے اور مولانا صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کو کامل خوشنویس بناکر ہی چھوڑا۔

مولانا عبداللہ[1] صاحب خوشنویس ہونے کے باوصف حد درجہ سست نویس تھے اس لئے خوشنویسی کامیابی کے ساتھ کبھی نہ کرسکے چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے جب خوشنویسی کی تکمیل کرلی تو مولانا صاحب کو جو کام بھی ملتا وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سپرد کردیتے تھے بلکہ مولانا نے رفتہ رفتہ خوشنویسی کا کام چھوڑ دیا اور جس بیٹھک میں بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے وہ بیٹھک بھی حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے حوالہ کردی تھی کہ آپ یہاں بیٹھکر کتابت کیا کریں۔ غالباً ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء میں حضرت شاہ صاحبؒ نے خوشنویسی سیکھنے کا آغاز کیا تھا اور ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء یا ۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء میں اس فن کی تکمیل کرکے باقاعدہ خوشنویس بن گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ مولانا عبداللہ صاحب کے برعکس "خوشنویس و زود نویس" تھے، عام مضامین لکھنے میں بھی آپ کا یہ حال تھا کہ بہت خوشخط لکھتے تھے اور قلم عنبریں رقم تیزی سے چلنے کے باوجود خوشنویسی کے دائرہ سے نہیں ہٹتا تھا۔

عالی قدر مخدوم زادہ کی ولادت باسعادت

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی شادی خانہ آبادی کو ہوئے کئی سال گذر چکے تھے مگر اولاد سے محروم تھے ——— اسی دوران حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ دہلی تشریف لے آئے ایک روز حضرت خواجہ صاحب اور حضرت شاہ صاحب علیہما الرحمۃ دونوں تانگے میں کہیں تشریف لے جارہے تھے حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ شاہ صاحب! آپ کے کوئی اولاد ہوئی یا نہیں؟ حضرت

[1] راقم الحروف اختر محمد اعلیٰ عفی عنہ بھی استاد عبدالغنی مرحوم کا شاگرد ہے اور مولانا عبداللہ سے ہم استاد ہونے کی وجہ سے بھائیوں جیسے تعلقات ہوگئے تھے اور مولانا عبداللہ صاحب مرحوم کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ سے خوشنویسی سیکھنے کے دوران ہی دوستانہ تعلقات ہوگئے تھے جو بعد میں ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت اختیار کرگئے۔

شاہ صاحبؒ نے نفی میں جواب دیا۔ چونکہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس سے قبل یہ بات کبھی دریافت نہیں کی تھی اس لئے یقین ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خاص طور پر اس کے لئے دعا کی ہوگی۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد عالی قدر مخدوم زادہ حضرت حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت بروز ہفتہ ۱۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۵ فروری سنہ ۱۹۴۱ء کو ہوئی جس کی اطلاع حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ کو دی گئی تو آپ نے "میر فضل الرحمٰن" نام تجویز فرمایا۔ بعد ازاں ایک صاحبزادی سلمہا کی ولادت ہوئی۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان دونوں بھائی اور بہن کو صحت و عافیت کے ساتھ سلامت با کرامت دائم و قائم رکھے، آمین۔

میٹرک میں کامیابی

سنہ ۱۹۴۲ء میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بھتیجے جناب سید محمد مختار صاحب مدظلہ العالی اور بھانجے جناب سید ذوالفقار حسین صاحب مدظلہ العالی میٹرک کا امتحان دینے کے لئے تیاری کرنے کی غرض سے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہو گئے اور حضرت صاحب ان دونوں کو میٹرک کی تیاری کرا رہے تھے اتفاقاً خیال آیا کہ کیوں نہ خود بھی اُن کے ساتھ میٹرک کا امتحان دیدیا جائے اچھا ہے کہ ایک سند ہو جائے گی، کیونکہ اب میٹرک کے لئے صرف انگریزی کے ایک پرچہ میں بیٹھنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اُن کے ساتھ خود بھی امتحان میں شریک ہو گئے اور کامیابی حاصل کر کے مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کا سرٹیفکٹ حاصل کر لیا۔

حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمۃ جب دہلی تشریف لائے تو حسب معمول بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ اور ایصالِ ثواب کی غرض سے حاضر ہوتے۔ جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر واپس ہوئے تو حضرت شاہ صاحبؒ سے فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ شاہ صاحب سے کہدو کہ اب مزید امتحان نہ دیں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد کوئی امتحان نہیں دیا اور آخر دم تک ذکر و شغل اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

تصنیف و تالیف کا آغاز

اسی دوران میں حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی علیہ الرحمۃ نے آپ کی علوِ استعداد ملاحظہ فرما کر سلوک سے متعلق ایک کتاب تالیف کرنے کے لئے ارشاد فرمایا، نیز تصوف کی چند کتابوں کی طرف رہنمائی فرمائی کہ فلاں فلاں کتابوں سے مضامین اخذ کریں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل میں مختلف کتبِ تصوف سے "عمدۃ السلوک" کی تدوین و ترتیب شروع کر دی اور عمدۃ السلوک حصہ اول کے مضامین مرتب فرما کر حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور حضرت شیخ کی نظرِ قبولیت اور پسندیدگی کے بعد خود ہی کتابت شروع کر دی۔ ابھی کتاب زیرِ طبع تھی کہ حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کی رحلت

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کی رحلت سے متعلق عمدۃ السلوک حصہ اول میں "تعزیت"[۱] کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں "کتاب ہٰذا مطبع میں چھپنے کے لئے جا چکی تھی اور کچھ پلیٹیں چھپ چکی تھیں کہ بقضائے الٰہی چند روز کی علالت کے بعد میرے حضرت پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ نے بتاریخ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۴۴ء بروز جمعہ بوقت تقریباً پونے چھ بجے قبل از عصر بمقام پانی پت اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تاریخِ وصال "حاجی محمد سعید الہاشمی طاب ثراہ" سے نکلتی ہے۔"

۱؎ یہ تعزیت سب سے پہلے ایڈیشن میں تھی بعد میں حذف کردی گئی۔

حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ آپ کی ولادت ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں بمقام احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد صادق اور دادا صاحب کا میاں غلام قادر تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بہاء الحق محمد زکریا ملتانی قدس سرہ سے ملتا ہے —— احمد پور شرقیہ میں آموں اور کھجور کے باغات بکثرت ہیں اور یہاں کے مٹی کے برتن بہت خوبصورت اور سبک ہوتے ہیں اکثر لوگ تحفہ کے طور پر دور دور تک لیجاتے ہیں۔

آپ نے قرآن شریف مسجد میں حافظ صاحب سے پڑھا پھر سرکاری مدرسہ میں چھ جماعت تک تعلیم پائی۔ اس زمانہ کی مروجہ کتبِ فارسی، گلستاں بوستاں اور سکندر نامہ وغیرہ بھی پڑھیں چنانچہ ان کے بیشتر اشعار و مضامین آپ کو ازبر یاد تھے۔ خط بھی آپ کا بہت پاکیزہ تھا۔ دس سال کی عمر میں والدہ ماجدہ اور چودہ سال کی عمر میں والد ماجد بھی رحلت فرما گئے۔ چنانچہ آپ پر کمسنی ہی میں ایک خورد سال بھائی اور دو بہنوں کی تربیت و خدمت کا بوجھ بھی آپ کے کندھوں پر آ پڑا۔ بچپن ہی سے طبیعت میں مذہبی رنگ کا غلبہ تھا۔ اس لئے ذاتی مطالعہ سے عربی میں بھی کافی دسترس حاصل ہو گئی تھی اور کتبِ تصوف بھی خوب مطالعہ میں رہیں۔ معاش کیلئے جدی زمین کافی تھی۔ ابتدا میں کچھ عرصہ ملازمت بھی کی لیکن پھر زمینداری پر ہی قناعت کی۔

حسن اتفاق کہ حضرت غریب نواز خواجہ فضل علی مسکین پوری ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں احمد پور شرقیہ تشریف لائے تو حضرت خواجہ محمد سعیدؒ آپ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور حضرت کی صحبت بابرکت سے اسقدر متاثر ہوئے کہ بیعت ہو کر خادموں میں شامل ہو گئے۔ پھر حضرت شیخ کی محبت کا غلبہ ہوا تو اپنے حصہ کی جدی زمین میں سے ایک معتد بہ حصہ حضرت غریب نواز کی خانقاہ کے نام باقاعدہ کرا دیا۔ آخر حضرت غریب نواز نے جب آپ کو کامل پایا تو شوال ۱۳۴۷ھ میں فقیر پور ضلع مظفر گڈھ میں آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ نقشبندیہ مجددیہ طریقہ کے علاوہ چشتیہ قادریہ سہروردیہ اور منوریہ طریقہ کے اسباق بھی حاصل کئے۔ تبلیغ کے سلسلہ میں دہلی رہتک، پانی پت، کیرانہ وغیرہ سال میں دو بار سفر کرنا آپ کا معمول تھا اسی سفر کے دوران پانی پت میں بعارضہ درد گردہ ۱۳۶۳ھ میں رحلت فرمائی۔ پسماندگان میں بکثرت معتقدین و مریدین اور تیرہ خلفاء کے علاوہ دو صاحبزادے حضرت مولانا محمد صادق صاحب مدظلہ العالی اور مولانا محمد شریف صاحب مدظلہ العالی چھوڑے ہیں دونوں ماشاء اللہ شریعت و طریقت میں کامل ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "حیات سعیدیہ"

کی خیر و عافیت معلوم کرسکتا تھا چنانچہ یہ حضرات بھی نہ ایک دوسرے کے پاس جاسکے اور نہ اپنی خیر و عافیت سے ایک دوسرے کو مطلع کر سکے۔

سب سے پہلے محترمہ اماں جی صاحبہ مدظلہا مع اپنی صاحبزادی اور بوڑھی والدہ ماجدہ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی سید افتخار حسین مرحوم اور دیگر اعزہ کے ہمراہ سخت مصائب اور بڑی تکلیفوں کے بعد پاکستان پہنچیں اور جملہ عزیزوں کے ساتھ ابتداءً خانیوال میں ٹھہر گئیں۔ بعدازاں محترمہ اماں جی صاحبہ نے سید افتخار حسین مرحوم کو اپنے چھوٹے بھائی قاضی سجاد حسین صاحب کا پتہ معلوم کرنے کے لئے بہاولپور بھیجا۔ قاضی صاحب کا پتہ آسانی سے مل گیا کیونکہ وہ تقسیم سے پہلے بہاولپور میں تھانیدار رہ چکے تھے۔ جب انھوں (سید افتخار حسین) نے محترمہ اماں جی صاحبہ کو واپس آکر قاضی سید سجاد حسین صاحب سے ملاقات کا حال بتایا تو وہ فوراً سید افتخار حسین صاحب کے ہمراہ اپنے بھائی قاضی سید سجاد حسین کے ہاں تشریف لے آئیں ــــــ محترمہ اماں جی صاحبہ مدظلہا کے پاکستان پہنچنے کے چند دن بعد قاضی سید لطیف حسین مرحوم بھی اپنے اہل خانہ و مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ کو ساتھ لیکر لاہور پہنچے۔ بیس پچیس یوم لاہور میں قیام کرنے کے بعد یہ حضرات بھی بہاولپور پہنچ گئے۔ اس وقت یہ سب حضرات خالی ہاتھ تھے اور بعض کے پاس معمولی نقدی کے علاوہ کسی قسم کا اثاثہ نہ تھا اس لئے مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ بہاولپور شہر میں سکونت اختیار کرنے کے بجائے اس کے قرب وجوار کے کسی دیہات میں رہائش اختیار کی جائے۔ تاکہ شہر کی گرانی سے بچا جاسکے۔ چنانچہ خیرپور ٹامیوالی کو جو بہاولپور سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے مستقل قیام کے لئے پسند کیا گیا اور جلد ہی وہاں منتقل ہو گئے۔ بعد میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو جو ہنوز دہلی میں مقیم تھے جملہ حالات کی اطلاع دیدی گئی۔

جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو اپنے متعلقین کے پاکستان پہنچ جانے کا علم ہوا تو آپ نے بھی پاکستان آنے کی تیاری شروع کردی۔ چنانچہ آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دیکر وہاں کے دیگر معاملات کو صاف کیا۔ اسی طرح آپ کے بھتیجے سید محمد مختار صاحب جو حبیب بنک دہلی میں ملازم تھے اور دن کے علاوہ رات کو دو دو بجے تک بندوقوں کے پہروں میں مسلمانوں کی رقمیں پاکستان ٹرانسفر کرنے میں لگے ہوئے تھے انھوں نے بڑی مشکل سے پاکستان آنے کی اجازت حاصل کی۔ نیز سید ذوالفقار حسین صاحب نے بھی ملازمت سے استعفیٰ دیا۔ غرضکہ جب تمام معاملات تکمیل پاچکے تو حضرت شاہ صاحب اپنے بھتیجے سید محمد مختار صاحب اور بھانجے سید ذوالفقار حسین صاحب کو ہمراہ لیکر ۱۲ فروری ۱۹۴۸ء کو رات کے دس بجے والی ٹرین میں براستہ جے پور، جودھپور، اجمیر وغیرہ پاکستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان دنوں بھی

وہاں کے حالات مخدوش تھے مسلمانوں کے قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں اس لئے مسلمانوں کیلئے ٹرین میں ایک ڈبہ مخصوص کردیا گیا تھا۔ بہرحال یہ حضرات اس مخصوص ڈبہ میں سوار ہوکر ۱۳ فروری کی صبح جیلمیر کے اسٹیشن پر پہنچے اور وہاں سے شام کی ٹرین میں سوار ہوکر ۱۴ فروری کی صبح کھوکھراپار ہوتے ہوئے حیدرآباد (پاکستان) پہنچ گئے اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔ بعد ازاں ۱۵ فروری کی شام کو خیبر میل میں سوار ہوکر ۱۶ فروری ۱۹۴۸ء کی صبح سمہ سٹہ پہنچے پھر وہاں سے دوسری ٹرین میں سوار ہوکر تقریباً ۲½ بجے خیرپور ٹامیوالی اپنے متعلقین میں پہنچ گئے۔ ان دنوں اسٹیشن سے شہر تک جانے کے لئے خچر کی سواری ہوتی تھی چنانچہ یہ حضرات بھی خچروں پر سوار ہوکر اپنے مکان پر پہنچے اور سب عزیزوں سے ملاقات کرکے اطمینان کا سانس لیا۔

خیرپور ٹامیوالی میں قیام

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے خیرپور ٹامیوالی پہنچ کر چند یوم آرام کرنے کے بعد اسکول میں عربی ٹیچر کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی حسب منشا جگہ نہ مل سکی اور جیسی کوشش کرنی چاہیئے تھی ویسی کوشش آپ نے بھی نہ کی اس لئے کامیابی نہ ہوئی اور خاص وقت مکان وزمین بذریعہ کلیم حاصل کرنے میں لگ گیا۔

آپ کے تشریف لانے سے قبل خیرپور ٹامیوالی میں مہاجرین نے ایک تنظیم بنام "انجمن مہاجرین تجارت" قائم کی ہوئی تھی جس میں آپ کے بہنوئی قاضی لطیف حسین مرحوم خزانچی تھے اور اصل میں اس کے کرتا دھرتا بھی وہی تھے انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی اس انجمن میں شریک کرلیا۔ اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے حصہ کی رقم ادا کردی۔ اس وقت ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے حصہ کی رقم قاضی صاحب مرحوم نے سب کے سامنے اپنے ہاتھ سے سیف بکس میں رکھی سوء اتفاق کہ انجمن کے حصہ داروں میں سے ایک صاحب کے رشتہ دار کی نیت میں فتور آگیا اور اس نے موقع پاکر ایک دو روز بعد وہ رقم نکال لی۔ چونکہ یہ کام انجمن کے ایک کارندہ ہی کا تھا اس لئے صاف طور پر کسی پر شبہ کرنا مشکل تھا لہذا ایک ترکیب یہ نکالی گئی کہ سب شرکاء کو جمع کرکے اول چوری کی وعید پر ایک تقریر کی جائے اور بعد میں ایک خالی کمرہ کا انتخاب کرکے اس میں ہر شخص تنہائی میں ایک مٹھی بھر مٹی ڈال کر آئے اور چور مٹی کے بجائے چوری کی ہوئی رقم ڈال دے۔ اس طرح چور کی بدنامی نہ ہوگی اور نہ ہی چور کا کسی کو پتہ چلے گا اور رقم بھی ادا ہوجائے گی۔ لیکن اس عمل سے بھی وہ رقم وصول نہ ہوسکی۔ آخر چور کے ضمیر نے جب اس کو زیادہ ملامت کیا تو دوسرے دن چور نے ایک پرچہ لکھا کہ "جس دن سے یہ رقم لے کر گیا ہوں سخت پریشان ہوں اور واپس کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔" چور یہ پرچہ اور رقم

جناب حافظ عبدالوحید صاحب (اُن کا بھی اب انتقال ہو چکا ہے اور یہ صوفی عبدالمجید صاحب مرحوم سابق وزیر خوراک صوبہ پنجاب کے بڑے صاحبزادے تھے) کے تکیہ کے نیچے خاموشی سے رکھ گیا۔

یہ مشترکہ کاروبار دو ڈھائی سال تک بڑے عمدہ طریقے سے جاری رہا آخر حصہ داروں نے اپنے اپنے کاروبار علیحدہ شروع کر دیئے اور انجمن کا سارا کاروبار حضرت شاہ صاحب کے حصہ میں رہ گیا۔ آپ نے اس کاروبار کو تنہا بھی ایک عرصہ جاری رکھا۔

اس انجمن کے کاروبار کے دوران مخدوم زادہ کلاں حضرت مولانا محمد صادق صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب نے پچیس ہارس پاور کا ایک انجن خریدا جس سے کپاس بیلنا، نمک مرچ وغیرہ پیسنا اور آٹا پیسنے کا کام لیا جاتا تھا۔ یہ مشترکہ کام بھی حضرت مولانا موصوف کی تحریر کے مطابق تقریباً ستره سال تک جاری رہا لیکن اس میں حضرت شاہ صاحبؒ حصہ دار ضرور تھے کام کاج آپ کے ذمہ نہ تھا۔ اسی اثنا میں صوفی عبدالحمید صاحب کے رفقا نے رحیم یار خاں میں ایک کاٹن فیکٹری الاٹ کرائی۔ صوفی صاحب موصوف نے اپنی طرف سے حضرت شاہ صاحبؒ کو وہاں منیجر مقرر کر دیا۔ تعلقات کی بنا پر آپ نے کئی سال تک اس کاٹن فیکٹری کا کام بحسن و خوبی انجام دیا۔

حج کی سعادت

کس قدر خوش نصیبی اور سعادتِ ازلی ہے کہ حضرت شاہ علیہ الرحمۃ کو آٹھ مرتبہ حج و زیارات حرمین شریفین اور بکثرت عمرے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نیز دو مرتبہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف مسجد نبویؐ میں کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ ہمارے دادا پیر حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی علیہ الرحمۃ کی دعاؤں کا خصوصی فیضان ہے جنھوں نے اپنے حج کے موقع پر دعا فرمائی تھی کہ پروردگارِ عالم میرے سلسلے میں داخل ہونے والوں کو حج کی زیادہ سے زیادہ سعادت نصیب فرما۔ اور اسی وقت اس دعا کی قبولیت کا اشارہ بھی ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کی جماعت کے بکثرت لوگوں کو حج و زیارتِ حرمین شریفین کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو سب سے پہلا سفرِ حج ۱۹۵۳ء میں بذریعہ بحری جہاز ہوا۔ جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ بھی ہمراہ تھیں۔ رفقاء میں حضرت صوفی محمد احمدؒ اور ان کی اہلیہ مرحومہ۔ محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی اور ان کی اہلیہ محترمہ۔ محترم ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی صاحب مدظلہ العالی اور ان کی بھاوج صاحبہ تھیں۔ بعد میں محترم ڈاکٹر گاندھی صاحب کے بھائی اور ان کے ہمراہ ڈاکٹر گاندھی صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی بذریعہ ہوائی جہاز پہنچ گئے۔ یہ سب حضرات پہلے سیدھے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں آپ کا معلم حیدر المجیدری تھا اور حضرت

مولانا عبدالغفور عباسی مدنی قدس سرہ کے اصرار پر ان کے مکان فیض نشان میں قیام ہوا۔ بالائی منزل کے ایک بڑے کمرے میں خواتین کا قیام تھا جہاں بعد میں حضرت مولانا مدنی رح کی محفلِ مراقبہ ہوتی تھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ مع جملہ رفقا نیچے کے کمرے میں قیام پذیر ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں بار بار روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہاں کے بزرگوں خصوصاً حضرت مولانا سید محمد بدرِ عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جناب قاری عباس صاحب، مولانا ضیاء الدین صاحب اور مولانا منظور حسین صاحب سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ نیز وہاں چند سندھی اور پنجابی زائرین سے بھی ملاقات ہوئی جن کو زیارات کرنے کا بڑا شوق تھا چنانچہ حضرت شاہ صاحب رح کو مع رفقا ان کے ساتھ مقاماتِ مقدسہ کی زیارات کی خوب سعادت حاصل ہوئی۔ شہدائے احد کے مزارات کے قریب نہر جاری تھی وہاں وضو کیا، پانی پیا اور پھر جبلِ اُحد پر اس مقام تک پہنچے جہاں غار ہے اس غار میں نماز نفل دوگانہ ادا کئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس چٹان پر سر ٹیک کر بیٹھے تھے وہاں پتھر میں سر کے ٹیک کا نشان موجود تھا سب نے اس کی بھی زیارت کی اور کچھ دیر سر ٹیک کر بیٹھے اور مراقبہ کیا۔ جس جگہ دندان مبارک شہید ہوا تھا اب وہاں مسجد بنادی گئی ہے اس میں بھی نوافل ادا کیں اور وہاں کی سبز نباتات وغیرہ حدیث شریف کے مطابق چکھیں۔ بیس بائیس دن مدینہ طیبہ میں شرف یاب ہو کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

چونکہ اس زمانے میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جانا آنا براہ جدہ ہوتا تھا اس لئے جب مدینہ منورہ سے جدہ پہنچے تو وہاں مولانا محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر محمد نعیم صاحب سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے بذریعہ ٹیلیفون آپ کے قافلے کے لئے مدرسہ صولتیہ میں قیام کا انتظام کرادیا۔ خدا جانے یہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے دل کی لگن اور طلبِ صادق کا اثر تھا یا واقعی وہ جو اکثر اہل اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لطائف بیک وقت مختلف [illegible] ن پر متشکل ہو کر اور ہم شبیہ بن کر جلوہ فگن ہوتے ہیں۔ بہرکیف یہ امر باعث حیرت ہے کہ جدہ میں ڈاکٹر محمد نعیم صاحب اور مکہ معظمہ میں مولانا محمد سلیم صاحب نے حضرت شاہ صاحب رح کو دیکھتے ہی کہا کہ آپ تو آتے ہی رہتے ہیں۔ اور ملاقات کی گویا کہ آپس میں بڑی پرانی راہ و رسم ہو حالانکہ حضرت شاہ صاحب رح نے انھیں بتایا بھی کہ میں پہلی مرتبہ آیا ہوں — مکہ معظمہ میں حضرت شاہ صاحب رح کا قیام مدرسہ صولتیہ میں تقریباً دو ماہ رہا۔ آپ کا معلم عبدالقادر نصیر تھا۔ وہاں کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوئے اور خوب عمرے کئے۔

حج کے یہ واقعات ڈاکٹر خان رشید مرحوم کی بیاض سے لئے ہیں باقی حجوں کے واقعات کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔

حفظِ قرآن کریم

دہلی کی ملازمت کے زمانے میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو قرآن کریم حفظ کرنے کا بھی شوق ہوا لیکن جب بھی تھوڑا بہت حفظ کیا مصروفیات حارج ہوئیں اور سلسلہ جاری نہ رہا۔ تقسیم ہند تک یہی رہا اور تکمیل نہ ہو سکی۔ آخر پاکستان آنے کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے امداد فرمائی اور ذوق وشوق نے عزم وہمت سے کام لیا تو آپ نے ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء میں حفظِ قرآنِ کریم پایۂ تکمیل کو پہنچایا اور کئی سال تک تراویح میں سنایا بعد ازاں عالی قدر مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم نماز تراویح میں سامع کی حیثیت سے سنتے رہے اور ان کے سہو پران کو آگاہ وتصحیح فرماتے رہے۔ اور خود بھی تراویح کے علاوہ ہر سال رمضان المبارک میں کسی نہ کسی کو سناتے رہے۔ نیز ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں عالی قدر مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب کی علالت کی وجہ سے ناظم آباد ۳ کراچی میں اپنے مکان پر تراویح میں خود آپ نے قرآن کریم سنایا اور اکیس یوم میں ختم کیا۔

کراچی میں اقامت اور مشاغل

مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جب ۱۹۶۶ء کے اوائل میں ٹیلیفون انڈسٹری آف پاکستان میں ملازم ہوگئے اور ان کا ہیڈ کوارٹر کراچی مقرر ہوگیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ مخدوم زادہ حافظ صاحب کو تنہا کراچی میں رہنا دشوار ہوگا اس لیے کراچی میں اپنی قیام گاہ بنائیں لہٰذا آپ نے ناظم آباد ۳ ایچ ۲/۱۲ میں ایک قطعۂ زمین خرید کر مکان تعمیر کرایا اور خیر پور ٹامیوالی سے مع متعلقین بذریعہ تیز گام بروز اتوار ۲۹ ربیع ۱۹۶۶ء کو کراچی تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے خود کو دو کاموں کے لئے وقف کر دیا، ایک سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تبلیغ وترویج اور دوسرے تصنیف وتالیف کا کام۔ پھر ایک عرصہ بعد جب مریدین ومعتقدین کی تعداد بہت بڑھ گئی اور مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب کی بھی شادی ہوگئی اور آپ نے اس مکان کو اپنے حالات کے اعتبار سے تنگ محسوس کیا تو ناظم آباد ۴ ایف ۴ والے مکان میں یکم جون ۱۹۷۷ء کو رہائش اختیار فرمائی اور بقیہ زندگی اسی مکان میں گذاری اور تصنیف وتالیف کے کام کو آپ نے انتھک محنت اور نہایت عرق ریزی سے انجام دیا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۰ء تک صرف چودہ سال کی مختصر مدت میں آپ نے تقریباً آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل چھوٹی بڑی کتابیں تالیف فرمائیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ ذیل کے نقشہ سے اس حقیقت کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	سنہ تالیف	صفحات
۱	عمدۃ السلوک	۱۹۴۴ء	۳۶۸
۲	گلدستۂ مناجات	۱۹۴۵ء	۳۲

نمبر	نام کتاب	سن	صفحات
۳	حیاتِ سعیدیہ	۱۹۵۵ء	۲۵۶
۴	عمدۃ الفقہ جلد اول	۱۹۶۴ء	۲۷۲
۵	عمدۃ الفقہ جلد دوم	۱۹۶۶ء	۵۶۰
۶	مبدا و معاد (ترجمہ)	۱۹۶۸ء	۲۲۴
۷	معارف ترجمہ "	۱۹۶۸ء	۱۹۲
۸	عمدۃ الفقہ جلد سوم	۱۹۶۹ء	۴۳۲
۹	حضرت مجدد الف ثانیؒ	۱۹۷۲ء	۸۳۲
۱۰	زبدۃ الفقہ حصہ اول	۱۹۷۳ء	۱۲۸
۱۱	مقاماتِ فضلیہ	۱۹۷۳ء	۱۹۲
۱۲	زبدۃ الفقہ حصہ دوم	۱۹۷۴ء	۲۵۶
۱۳	زبدۃ الفقہ حصہ سوم	۱۹۷۸ء	۱۲۸
۱۴	مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول (ترجمہ)	۱۹۷۸ء	۴۴۸
۱۵	عمدۃ الفقہ جلد چہارم	۱۹۷۹ء	۷۳۶
۱۶	مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم	۱۹۷۹ء	۲۸۸
۱۷	مکتوباتِ معصومیہ دفتر سوم	۱۹۸۰ء	۳۳۶
۱۸	انوارِ معصومیہ	۱۹۸۰ء	۳۸۴
۱۹	ریڈیائی تقاریر زیرِ طبع	تقریباً	۴۰۰
۲۰	عمدۃ الفقہ بزبان عربی کتاب الطہارۃ، زکوٰۃ، صوم، حج	تقریباً	۱۵۰۰
۲۱	مکتوبات شریف کا اردو ترجمہ نامکمل	تقریباً	۲۰۰

مذکورہ بالا کتابوں کی تعداد اگرچہ اکیس ۲۱ عدد ہے لیکن کئی کتابیں ایسی ہیں جن کی ایک جلد میں دو دو حصے ہیں، مثلاً عمدۃ السلوک کے دونوں حصے یکجا مجلد ہیں۔ اسی طرح عمدۃ الفقہ اور زبدۃ الفقہ کی جلد اول میں کتاب الایمان اور کتاب الطہارت اور جلد سوم میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم، دو دو کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں بعض رسائل میں مختلف عنوانات سے آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں جن کی تفصیل کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ نیز پیشِ نظر تالیف میں ملفوظات بھی آپ ہی کے مضامین کا ایک حصہ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا دوسرا محبوب ترین مشغلہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددی کی تبلیغ و ترویج تھا۔ چنانچہ آپ نے کراچی پہنچتے ہی کچھ عرصہ تک روزانہ بعد عشا حلقہ و مراقبہ کی مجلس گرم رکھی لیکن ایک تو یہ کہ روزانہ دور دور سے لوگوں کو آنا دشوار ہوا، دوسرے یہ کہ حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ حیات تھے اور اُن کے مکان پر شروع ہی سے جمعہ اور اتوار کے دن بعد مغرب حلقہ و مراقبہ کی مجلس گرم رہتی تھی لہذا جب حضرت شاہ صاحبؒ کراچی تشریف لے آئے تو حضرت صوفی صاحبؒ کے ہاں دونوں دن آپ ہی تشریف لے جاکر حلقہ و مراقبہ وغیرہ کرانے لگے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے دولت کدہ پر صرف جمعرات کے دن بعد مغرب حلقہ کے لیے مخصوص ہوگیا۔ اس طرح حضرت شاہ صاحب ہفتہ میں تین دن جملہ احبابِ جماعت کو حلقہ و مراقبہ کراتے یعنی جمعرات کو اپنے یہاں اور جمعہ و پیر کے دن حضرت صوفی صاحبؒ کے مکان پر۔ حضرت صوفی صاحبؒ کے انتقال کے بعد بتدریج وہاں کا اجتماع ختم ہوگیا اور آپ کے دولت کدہ پر جمعرات کے دن کا حلقہ و مراقبہ باقی رہا اور بفضلہ تعالیٰ وہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے بعد اب محترم حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی صاحب مدظلہ العالی بہت پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ ہر جمعرات کو بعد مغرب حضرت شاہ صاحبؒ کے دولت کدہ پر تشریف لاتے ہیں اور حلقہ و مراقبہ کراتے ہیں۔ دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس سلسلہ کو تاقیامِ قیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے مشاغل میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی خدمت میں بکثرت احباب اکثر اوقات میں حاضر رہتے اور جبتک ان کا دل چاہتا بیٹھتے۔ حضرت بھی نہایت اطمینان سے ان کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ خواہ آپ کو اپنا کام کتنا ہی ضروری ہوتا لیکن آپ ذرا بھی خاطر نہ ہوتے۔ لوگ وقت بے وقت تعویذ کے لیے آجاتے تو آپ تعویذ دیتے اور اگر کوئی صاحب دینی و علمی گفتگو چھیڑ دیتے تو پھر آپ اسقدر تفصیل سے گفتگو فرماتے کہ اس کو اطمینان ہوجاتا خواہ اس میں آپ کا کتنا ہی وقت خرچ ہوجاتا لیکن آپ اس کی پرواہ نہ کرتے۔

حضرت شاہ صاحب کے مشاغل کی مزید تفصیل "معمولاتِ روز و شب" کے عنوان میں ملاحظہ ہو۔

حلیۂ مبارکہ

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ معتدل القامہ اقرب الطویل تھے۔ بدن دوہرا گٹھا ہوا اور گداز، اعضا نہایت متناسب، اور نقوش قدرے تیکھے، رنگ گندمی مائل بہ سفیدی، سر کے بال سفید، سیدھے، باریک اور ریشم کی مانند ملائم، سر کے بال عموماً مشین سے صاف کراتے اور کبھی استرے سے بھی صاف کراتے، فراخ جبیں، آنکھیں سفید اور پتلیاں سیاہ، ابرو بھرے ہوئے کشادہ اور خمدار، رخسار بھرے بھرے اور ہونٹ درمیانے، غنچہ دہن، دندانِ مبارک سفید چمکدار، مضبوط اور موتیوں کی مانند، ریش مبارک خوب گنجان، خوبصورت نورانی اور سفید براق۔ بال قدرے گھنگریالے، ملائم اور نہایت چمکدار۔ لبیں باریک رکھتے، اکثر خود ہی چھوٹی قینچی سے باریک کرتے۔ ہتھیلیاں کشادہ، نرم اور گداز۔ انگلیاں سیدھی اور گوشت سے پُر۔ پنڈلیاں اور رانیں بھری ہوئیں۔ آواز درمیانی، نہ زیادہ پست اور نہ زیادہ بلند، آنکھوں میں علم کا نور اور پیشانی پر فراخیٔ علم و عمل کا وقار عجیب بہار دکھاتا۔

لباس لباس میں آپ کی ایک مخصوص وضع تھی۔ لباس میں موسم اور موقع و محل کی رعایت بھی فرماتے، ہمیشہ صاف ستھری، خوش وضع سفید پوشاک زیب تن کرتے۔ لباس اسقدر اُجلا ہوتا کہ کہیں کوئی داغ دھبہ دیکھنے میں نہ آتا خوش وضع و خوش لباس بہت دیکھے مگر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بات ہی کچھ اور تھی۔

سفید براق لمبا کرتہ جو گھٹنے سے خاصا نیچے تقریباً نصف ساق تک پہنچتا تھا اور ٹخنوں سے اونچی سفید لٹھے کی شلوار زیب تن کرتے۔ اجتماعات، خصوصی محافل اور دیگر تقریبات میں شیروانی پہنتے۔ سر پر عموماً سفید ململ کا صافہ جس کی لمبائی پانچ گز ہوتی (یا کبھی کبھی ہلکے براؤن یا سلیٹی رنگ کی کشمیری لُنگی) ہمیشہ گندم کی نالی یا سینکوں سے بُنی ہوئی کلاہ پر باندھتے۔ یہ کلاہ حضرت صاحب علیہ الرحمہ کے لئے والدہ صاحبہ اپنے ہاتھ سے بُنا کرتی تھیں۔ صافہ نہایت بے تکلفی سے باندھتے۔ بندش انتہائی موزوں اور پیچ بہت صحیح اور نپے تُلے ہوتے۔ آخری پیچ کے ختم ہونے پر صافہ کے سرے سے چھوٹا سا طرہ نکالتے۔ شملہ بھی دونوں شانوں کے درمیان انتہائی خوبی سے نکالتے۔ صافہ کی بندش ہمیشہ ایک ہی جیسی ہوتی۔ مختلف اوقات میں بندھے ہوئے صافوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

کندھے پر لمبائی کے رخ تہ کیا ہوا بڑے سائز کا عمدہ قسم کا رومال جس کا ایک سرا بائیں بغل میں

دبا یا ہوا ہوتا تاکہ بے خیالی میں کہیں گر نہ جائے۔ گھر میں سفید ململ کا کرتہ، سفید یا خانہ دار سلکی تہہ بند یا سوتی خانہ دار لنگی باندھتے۔ سر پر کپڑے کی دو پلی ٹوپی۔ سردیوں میں سلیٹی یا براؤن رنگ کا کرتا اور شلوار، گلے میں مفلر اور سر پر اونی ٹوپی پہنتے۔ پیروں میں گرم جرابیں پہنتے، گرم واسکٹ یا سویٹر، یا کبھی روئی کی بنڈی بھی استعمال فرماتے۔ پمپ شو یا ناگرہ یا کوئی اور بند جوتا پہنتے۔ کئی سال سے پاؤں کے انگوٹھے کے ناخن میں تکلیف رہنے لگی تھی اس لئے بند جوتے کا استعمال کم فرماتے تھے اور کھلی چپل جس میں انگوٹھا آزاد رہے استعمال فرمانے لگے تھے۔

اب چند باتیں محترم ڈاکٹر مظہر بقا صاحب مدظلہ العالی کی بیاض سے نقل کی جاتی ہیں:-

وقار و جلال حضرت شاہ صاحبؒ اپنی گفتگو اور نشست و برخاست میں وقار کو بہت ملحوظ رکھتے مسکراتے تو دیکھا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آواز سے ہنسے ہیں لیکن قہقہہ کی کیفیت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ جب بھی حضرت کی خدمت میں جانا ہوا اور حضرت اندر سے تشریف لائے تو چہرہ پر بے انتہا وقار اور جلال کی کیفیت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس سے نکل کر آئے ہیں۔ اس کا سبب غالباً تنہائی میں ذکر میں مشغولیت ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے مزاج میں بے انتہا تحمل ہے۔ جس بات پر طبعاً غصہ آجانا چاہئے اس پر بھی تحمل سے کام لیتے ہیں۔ میں نے صرف ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کو غصہ کی حالت میں دیکھا۔ صوفی محمد احمدؒ صاحب کے یہاں حلقہ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو کسی صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مرید کرنے لگے ہیں حالانکہ انھیں خلافت نہیں دی گئی، یا انھوں نے یہ چاہا کہ انھیں خلافت دیدی جائے۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے غصہ کی کیفیت میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم تو جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے دینے ہی کے لئے بیٹھے ہیں۔ خلافت کا بار کوئی معمولی بار نہیں۔ اگر کوئی اپنے آپ کو اس بار کے متحمل ہونے کا اہل ثابت کرے تو ہمیں خلافت دینے میں کیا تامل ہے۔

حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے یہاں ان کے مکان واقع ناظم آباد میں بہت مچھر ہیں اور کم از کم مجھے بڑے زہریلے محسوس ہوتے ہیں۔ دن میں بھی کاٹتے رہتے ہیں۔ خود حاجی صاحب ان کے کاٹنے کی وجہ سے بدن کھجاتے رہتے ہیں۔ لیکن حاجی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو میں نے کبھی کھجاتے نہیں دیکھا حالانکہ مجھے خود معلوم ہے کہ تصنیف و تالیف اور خصوصاً حیات مجددؒ کی تالیف کے دوران حضرت شاہ صاحبؒ مہینوں روزانہ کئی کئی گھنٹے تک حاجی صاحب کے ہاں بیٹھتے تھے۔

مسح اور دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کی پشت یعنی کانوں کے باہر کی طرف کا مسح کرتے۔ پھر چاروں انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرتے۔ پھر ٹخنوں تک داہنا پاؤں تین مرتبہ دھوتے، اس کے بعد بایاں پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوتے۔ پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے داہنے پاؤں کی انگلیوں کا خلال چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرتے۔ وضو کے دوران حسب موقع ادعیہ مسنونہ آہستہ آہستہ پڑھتے۔

وضو کا مذکورہ بالا طریقہ مشاہدہ پر مبنی ہے۔ وضو کے دوران کی ادعیۂ مسنونہ چونکہ اتنی آواز سے نہ پڑھتے تھے کہ دیکھنے والا سن سکے اس لئے تحریر نہ ہو سکیں۔

نمازِ تہجد | وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو اور عام طور پر آٹھ رکعت تہجد کی پڑھتے۔ کبھی وقت کی تنگی یا شدتِ مرض کی بنا پر آٹھ رکعت سے کم بھی پڑھتے۔ اکثر نماز تہجد میں طویل قرارت فرماتے یعنی قرآن کریم کے ڈیڑھ دو پارے تلاوت فرماتے یا کبھی کبھی سورت الم سجدہ، سورہ یٰسٓ، یا سورۂ الرحمٰن، یا سورۃ الواقعہ اور سورۃ الملک میں سے کچھ سورتیں یا تمام سورتوں کی قرارت کرتے، تلاوت انتہائی اطمینان سے درمیانی رفتار کے ساتھ صاف صاف اور قدرے آواز سے فرماتے اور قواعد کا لحاظ بھی رکھتے۔ تہجد پر ہی کیا موقوف تمام نمازیں انتہائی اطمینان و سکون، خشوع و خضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا فرماتے۔

نمازِ فجر و اشراق | نمازِ تہجد سے فراغت کے بعد مراقب ہو جاتے جو خاصا طویل ہوتا۔ اکثر مراقبہ کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے تلاوت قرآن مجید کرتے جو فجر کی اذان کے پندرہ بیس منٹ تک جاری رہتی بعد ازاں فجر کی نماز ادا فرماتے، نماز کے بعد پھر مراقب ہو جاتے جو تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہتا۔ اس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے پھر استنجا وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو مسواک کے ساتھ کرتے۔ (ہر وضو کے ساتھ خواہ وہ نماز کے لئے ہوتا یا تلاوتِ قرآن مجید یا کسی اور مقصد کے لئے، مسواک کا اہتمام ضرور کرتے) اور اشراق و چاشت دونوں اسی وقت الگ الگ پڑھ لیتے۔ اس کے بعد صبح کا کھانا تناول فرماتے (ہمارے گھر کا یہی معمول ہے۔ سب لوگ صبح کو کھانا کھاتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے کچھ دیر بعد چائے اور عصر و مغرب کے درمیان رات کا کھانا کھاتے ہیں) اور ساتھ ہی اخبار کا مطالعہ کرتے جو کھانے سے فراغت کے بعد کچھ دیر تک جاری رہتا۔

تصنیف و تالیف | کھانے اور اخبار کے مطالعے کے بعد تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہو جاتے جو تقریباً دوپہر ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہتا۔ اسی دوران ملاقات کی غرض سے آنے والوں سے

ملاقات کرنے، ان کے پاس بیٹھتے اور جو لوگ تعویز وغیرہ کے لئے آتے ان کو تعویز بھی دیتے۔ فراغت پانے پر دوبارہ تصنیف و تالیف میں مصروف ہو جاتے۔ بسا اوقات لوگوں کی آمد وقفے وقفے سے جاری نہ رہتی اور آپ ہر مرتبہ تصنیف کا کام چھوڑ کر ملاقات کے لئے آنے والوں کے پاس بیٹھتے۔ اس سے تصنیف کا کام جو انتہائی یکسوئی اور کامل انہماک کا متقاضی ہے متاثر ہوتا لیکن آپ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔ اکثر تصنیفی و تخلیقی کام کرنے والوں کو دیکھا گیا ہے کہ گھر میں بچوں کا معمولی شور وغل یا کسی مہمان اور ملاقاتی کی آمد نہ صرف ان کی ناگواری کا سبب بنتی ہے بلکہ بسا اوقات یہ ناگواری جھنجلاہٹ پر منتج ہوتی ہے اور اس سے مصنف کے خیالات کا تار و پود اس طرح منتشر ہو جاتا ہے جس طرح تسبیح کے دانے ایک ایک کر کے بکھر جاتے ہیں۔ حضرت صاحب علیہ الرحمہ میں یہ بات بالکل نہ تھی۔ آپ کے پاس اکثر آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ملاقات کے لئے کوئی وقت مقرر نہ تھا اسی لئے آنے والے جب دل چاہتا اور سہولت ہوتی بلا تکلف آجاتے اور جب تک جی چاہتا بیٹھے رہتے بلا لحاظ اس کے کہ حضرت کے معمولات متاثر ہو رہے ہیں۔ بارہا آمد کا سلسلہ صبح سے شروع ہو کر رات گئے تک جاری رہتا اور آپ سب کے ساتھ مسلسل بیٹھے رہتے حتیٰ کہ کھانا بھی بے وقت کھاتے مگر کسی سے کچھ نہ کہتے بلکہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دیتے کہ آپ صبح سے اسی طرح بیٹھے ہیں، یا آپ کے ذکر اذکار یا دیگر معمولات میں خلل واقع ہو رہا ہے۔

یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ لکھنے کے دوران بار بار خلل واقع ہونے کے باوجود آپ کی تحریر میں تسلسل قائم رہتا جہاں لکھنا بند کرتے دوبارہ اسی کے تسلسل میں اس طرح بے تکان لکھنا شروع کرتے جیسے درمیان میں قلم رکھا ہی نہیں گیا اور تحریر مسلسل ہو رہی ہے۔ آپ کا ذہن صاف و پختہ، حافظہ قوی، مطالعہ کامل اور خیالات میں تسلسل تھا اسی لئے آپ کی تحریر میں الجھاؤ اور تشنگی نہیں پائی جاتی بلکہ آپ کی تحریر صاف ستھری، واضح، عام فہم اور جامع ہوتی۔

آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ موضوع سے متعلق دستیاب تمام کتب عربی، فارسی اور اردو کا مطالعہ کرتے اور ہر پہلو سے غور و فکر اور پوری چھان بین کے بعد اپنی ایک رائے قائم کرتے اس کے بعد اگر وقت ہوتا تو فوراً تحریر فرما لیتے ورنہ ذہن نشین رکھتے اور موقع میسر آنے پر ضبط تحریر میں لاتے۔ چھان بین کے باوجود اگر کسی مسئلہ کے بارے میں اطمینان خاطر نہ ہوتا تو اسے اس وقت تک تحریر نہ فرماتے جب تک کسی عالم یا حضرت مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ یا محترم ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب مدظلہ وغیرہ سے تبادلہ خیالات کے ذریعے اطمینان حاصل نہ کر لیتے۔ عبارتوں کی ترتیب و

تدوین میں صحیح اور موزوں الفاظ کے استعمال کا خاص خیال رکھتے۔ الفاظ کے انتخاب و استعمال میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مسودہ صاف ہونے کے بعد ہی نہیں بلکہ کتابت و تصحیح کے بعد بھی اگر کسی عبارت میں کمی بیشی محسوس فرماتے تو بلا تامل اس کو دور فرماتے۔

تصنیف و تالیف سے متعلق محترم ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب اپنی بیاض میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"تصنیف و تالیف میں حضرت شاہ صاحبؒ کی طبیعت میں اسقدر باریک بینی اور تجسس ہے کہ اگر ادنیٰ سا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو اس وقت تک چین نہیں لیتے جب تک پورے طور پر تشفی نہ ہو جائے۔"

نیز ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں:۔ "علم ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو بہت اچھی سوجھ بوجھ دی ہے۔ تصوف کے اسرار و رموز کے علاوہ علم فقہ میں اتنی وسیع معلومات ہیں کہ بڑے سے بڑے عالم کو اگر ہو سکتی ہے تو اتنی ہی معلومات ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذہن بھی بہت اچھا دیا ہے اور تمام معلومات میں خواہ دینی ہوں یا دنیاوی ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔"

آپ کا خط "عام مضمون اور خطوط لکھتے میں آپ کا خط نہایت پاکیزہ، باریک اور صاف تھا۔ بے تکلفی اور روانی سے لکھتے تھے۔ لکھنے کی رفتار غیر معمولی تھی اس کے باوجود لکھائی انتہائی باریک اور صاف ہوتی تھی، تحریر شدہ سطور ایسی دکھائی دیتی تھیں جیسے موتیوں کی لڑیاں ترتیب اور سلیقہ سے رکھی ہوں۔

نمازِ ظہر اگر موقع مل جاتا تو ساڑھے بارہ بجے دوپہر کے قریب وقت کی گنجائش کے لحاظ سے آدھے یا پونے گھنٹے کے لئے قیلولہ فرماتے بعد ازاں ظہر کی نماز کے لئے تیار ہو کر قریبی مسجد میں چلے جاتے۔ نماز سے فراغت کے بعد گھر واپس آتے اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو جاتے۔ یہ کام عصر کے وقت تک جاری رہتا۔ اسی دوران اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے آتا تو اس سے ملاقات کرتے۔ تعویذ کی غرض سے آنے والے کو تعویذ بھی دیتے۔

نمازِ عصر عصر کے وقت نماز کی تیاری کر کے مسجد چلے جاتے۔ نماز کے بعد ملاقات کے لئے آنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ عصر اور مغرب کے درمیان کھانا کھاتے اور مغرب سے کچھ پہلے ٹہلنے کے لئے جاتے۔ عام طور پر حاجی محمد اعلیٰ صاحب آپ کے ٹہلنے میں ساتھ ہوتے۔

نمازِ مغرب مغرب کی نماز عموماً راستہ میں کسی مسجد میں پڑھتے۔ مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد چھ رکعت نماز نفل اوابین پڑھتے۔ ان میں قراءت نہ تو بالکل مختصر ہوتی اور نہ بہت طویل۔ ابتدا میں آپ کا یہ معمول تھا کہ اوابین کی چھ رکعت کو، پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور دو رکعت ایک سلام سے پڑھتے لیکن اب ایک عرصہ سے اوابین کی چھ رکعتیں تین سلام سے دو دو رکعتیں کر کے پڑھتے تھے۔

نماز کے بعد گھر واپس آجاتے۔ اگر کوئی شخص ملاقات کے لئے گھر پر منتظر ہوتا یا مسجد ہی سے ہمراہ ہو جاتا تو ملاقات کے کمرہ میں اس کے ہمراہ بیٹھ جاتے ورنہ گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر بات چیت کرتے۔

نمازِ عشاء پھر عشاء کی نماز کے لئے تیار ہو کر مسجد چلے جاتے۔ نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے اور لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ یہ مجلس بلا لحاظ موسم عموماً دس ساڑھے دس بجے تک جاری رہتی۔ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ یعنی ساڑھے گیارہ بجے یا بارہ بجے تک جاری رہتی۔ عام طور پر دس ساڑھے دس بجے (شب) سب لوگوں کے چلے جانے پر آپ تصنیف و تالیف میں لگ جاتے جو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہتا۔ بعد ازاں سونے سے قبل استنجا وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو کرتے اور درود شریف سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کر کے دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھتے۔

نماز کی اہمیت و فضیلت نماز سب سے بہتر عبادت اور سب سے معتبر طاعت ہے، اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ شرع کی اصطلاح میں اس سے وہ خاص عبادت مراد ہے جس کو نماز کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ آدمی اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے نماز اسلام کی علامت ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا سوال ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر وہ ٹھیک نکلی تو اس کے سارے اعمال ٹھیک نکلیں گے اگر وہ خراب نکلی تو اس کے سارے اعمال خراب نکلیں گے۔ (طبرانی) جو شخص حضورِ دل اور مستحبات کی رعایت رکھ کر تعدیل ارکان اور کامل وضو کے ساتھ مستحب اوقات میں نماز پڑھے وہ مومن ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے اور کمالِ قرب کا مقام ہے۔ نماز دین کا ستون اور افضل جہاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" (قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ) ایک حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ نماز پڑھنے والا بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہتا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ (دروازہ) اس کے لئے کھول دیا جائے۔

قرآن کریم میں نماز کی جتنی مرتبہ تاکید آئی ہے اس کے ساتھ لفظِ اقامت ضرور آیا ہے۔ صرف نماز پڑھنے کا ذکر ایک یا دو جگہ آیا ہے۔ اقامت کے لفظی معنی سیدھا کرنے کے ہیں۔ شرع میں اقامتِ صلوٰۃ کے معنی نماز کو اس کے وقت میں پابندی کے ساتھ اور اس کے پورے آداب و شرائط کی رعایت کر کے ادا کرنے کے ہیں۔ صرف نماز پڑھ لینے کا نام اقامتِ صلوٰۃ نہیں۔ نماز کے جس قدر فضائل و برکات قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں آئے ہیں وہ سب اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ مربوط و مذکور ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۔ (البقرہ آیت ۴۳) [اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ جھکو) —

اس آیتِ مبارکہ میں نماز کی فرضیت اور اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہودیوں اور مؤمنوں کی نمازمیں تمیز پیدا کرنے کے لئے اس آیت میں نماز کو رکوع سے تعبیر کیا گیا ہے — یہودیوں کی نماز میں رکوع نہ تھا۔ گویا رکوع ہماری نماز کی امتیازی صفت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ (ابوداؤد) [مسجد کے قریب رہنے والے کی نماز صرف مسجد میں ہی جائز ہے۔] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً (متفق علیہ) [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت سے نماز پڑھنا اکیلے ستائیس نمازیں پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے]۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک مومن کے وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک اس کو (جنت میں) زیور پہنچے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی نماز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نماز سے بڑا شغف تھا۔ آپ نماز کو ظاہری و باطنی آداب و محاسن کی پوری پوری رعایت اور انتہائی خشوع و خضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا فرماتے۔ احادیث میں نماز کی جو کیفیت و تفصیلات مذکور ہیں آپ کی نماز ان کی عملی تصویر و تفسیر ہوتی تھی اور آپ کی نماز گویا کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا مصداق ہوتی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ جب نماز شروع کرتے تو پہلے قبلہ رو ہو کر نماز کی نیت کرتے پھر دونوں ہاتھوں کو پوری طرح کھول کر انگوٹھوں کو کانوں تک اس طرح لیجاتے کہ ہاتھوں کی انگلیاں درمیانی حالت میں رہتیں یعنی نہ زیادہ کھلی ہوئی ہوتیں اور نہ بالکل ملی ہوئی۔ انگلیاں کانوں کے کناروں سے اوپر تقریباً عمودی حالت میں رہتیں اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھتے۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر کلائی سے متصل رکھتے۔ دائیں ہاتھ کی چھنگلیا

اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی کلائی کے گرد حلقہ بناتے ہوئے کلائی کو پکڑ لیتے باقی تین انگلیوں کو کلائی کی پشت پر سیدھا رکھتے۔ دونوں پاؤں کے درمیان تقریباً چار انگشت کا فاصلہ رکھتے۔ جسم کا وزن دونوں پاؤں پر یکساں ڈالتے۔ کسی ایک پاؤں پر جسم کو جھکا کر دوسرے پاؤں کو آرام نہ دیتے۔ انتہائی سکون، خشوع و خضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ قرات کرتے اور پورے قیام کے دوران نظریں سجدے کی جگہ پر رکھتے۔

قرات پوری کرنے پر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے، نگاہیں قدموں پر رہتیں۔ سر اور پشت تقریباً ایک خط مستقیم میں ہوتے۔ گھٹنوں کو ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر قدرے قوت سے پکڑتے بازو پہلوؤں سے جدا اور پنڈلیاں سیدھی رہتیں اور انتہائی اطمینان سے تسبیح پڑھتے۔ پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے قومہ ایک تسبیح کی مقدار کرتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں چلے جاتے۔ پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے پھر دونوں ہاتھ اور آخر میں ناک اور پیشانی رکھتے۔ دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل رہتے۔ ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوتیں، نگاہ ناک کی نوک پر رہتی۔ زانو پیٹ اور بازو سب جدا جدا رہتے۔ دونوں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ رکھتے۔ انتہائی حضورِ قلب سے تسبیح پڑھتے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے اٹھتے پہلے پیشانی اٹھاتے پھر ناک، پھر دونوں ہاتھ اور آخر میں دونوں گھٹنے اٹھاتے اور ایک تسبیح کی مقدار جلسہ کرتے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اسی طرح دوسرا سجدہ کرتے۔ قیام کے لئے دوسرے سجدے سے پنجوں کے بل اٹھتے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں پر سہارا دیکر کھڑے ہوتے۔ تمام رکعتیں اسی طرح ادا کرتے۔

تشہد کے لئے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رُخ رکھتے۔ دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا کرتے کہ انگلیاں قبلہ رخ رہتیں، دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھتے، اور انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب اور قبلہ کی طرف ہوتے اور نگاہیں گود میں رکھتے۔ آپ تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھاتے اور درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے حلقہ بناتے۔ چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر لیتے۔ نماز میں سنن و مستحبات اور آداب و محاسن کی پوری پوری رعایت کرتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی نماز اور جماعت کے اہتمام سے متعلق محترم ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب کی بیاض سے بھی چند باتیں پیش کی جاتی ہیں:-

"میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کو سینکڑوں بار نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ نہایت خشوع و خضوع سے

نماز پڑھتے ہیں، قیام میں پورا جسم سیدھا ہوتا ہے، نماز کافی طویل ہوتی ہے اتنی کہ جتنی دیر میں کہ میں جب ایک رکعت میں اوسط رفتار سے ایک رکوع پڑھتا ہوں تو ان کی بھی ایک رکعت ہوتی ہے اور اسی تناسب سے رکوع اور سجدہ میں دیر ہوتی ہے، نماز میں آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور قیام ور کوع میں جہاں نظریں ہونی چاہئیں وہیں ہوتی ہیں، سجود کا نہیں معلوم، ظہر اور عشا کی سنتوں کے بعد ہمیشہ دو رکعت نفل پڑھتے ہیں اور مغرب کے بعد چھ رکعت نفل اوابین کے پڑھتے ہیں۔ الا ماشاءاللہ ختم خواجگان اور مراقبہ کے بعد اور حلقہ کے دن نماز عشا کے بعد دعائیں بہت طویل مانگتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو نماز باجماعت کا بہت خیال رہتا ہے۔ لوگوں کی آمد کی وجہ سے اگر مسجد نہ جا سکیں تو گھر پر ہی لوگوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کو اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنت کا بڑا خیال رہتا ہے۔"

نیز ڈاکٹر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت شاہ صاحبؒ کو نماز باجماعت کا بہت خیال رہتا ہے۔ اکثر میرے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ علمی مشاغل میں مسجد کی جماعت کا وقت جاتا رہا تو ہمیشہ مجھے نماز اپنے ساتھ پڑھ کر آنے دیا۔ اور ایسے موقع پر عموماً یہی فرمایا کرتے تھے کہ اب آپ کو جماعت تو ملے گی نہیں، نماز پڑھ کر ہی جائیے۔"

مجلسِ ذکر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی مجلسِ ذکر، حلقہ و مراقبہ کا معمول یہ تھا کہ جمعرات کے دن بعد مغرب اول ختماتِ شریفہ شروع فرماتے۔ سب سے قبل ختم شریف حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ پڑھتے یعنی حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور ہر سینکڑے کے شروع میں ایک مرتبہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور ختم پر نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ پڑھتے ۔۔۔ اس کے بعد ختم شریف حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ پڑھتے یعنی یَا خَفِيَّ اللُّطْفِ اَدْرِكْنِيْ بِلُطْفِكَ الْخَفِيِّ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور ہر سینکڑے کے شروع میں ایک مرتبہ بسم اللہ الخ پڑھتے ۔۔۔ پھر ختم شریف حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ پڑھتے یعنی یَا بَاقِیْ اَنْتَ الْبَاقِیْ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور ہر سینکڑے کے شروع میں ایک مرتبہ بسم اللہ الخ اور ختم پر كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ پڑھتے ۔۔۔ بعد ازاں ختم شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہٗ پڑھتے یعنی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ پڑھتے اور ہر سینکڑے کے شروع میں بسم اللہ الخ پڑھتے ۔۔۔ پھر ختم شریف حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ پڑھتے

یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ پڑھتے اور ہر سینکڑے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ایک ایک مرتبہ پڑھتے —— پھر ختم شریف حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہ پڑھتے یعنی رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور ہر سینکڑے کے شروع میں بسم اللہ الخ ایک مرتبہ پڑھتے ——
پھر ختم شریف حضرت خواجہ محمد فضل علی قدس سرہ پڑھتے یعنی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور ہر سینکڑے کے شروع میں بسم اللہ ایک مرتبہ پڑھتے —— پھر ختم شریف حضرت خواجہ محمد سعید قریشی قدس پڑھتے یعنی وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ پانچ سو مرتبہ، اول و آخر درود شریف سو سو مرتبہ اور ہر سینکڑے کے شروع میں بسم اللہ الخ ایک مرتبہ پڑھتے —— بعد ازاں وَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا پانچ سو مرتبہ پڑھتے اس میں بھی اول و آخر سو سو مرتبہ درود شریف اور ہر سینکڑے کے شروع میں بسم اللہ الخ ایک مرتبہ پڑھتے۔ جس کو ہم سب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ختم شریف تصور کرتے ہیں۔

ان ختماتِ شریفہ کے بعد ہاتھوں پر دم کر کے چہرہ اور تمام جسم پر ہاتھ پھیر لیتے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر اول ان ختمات کا ثواب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء والمرسلین، صدیقین، شہداء، صالحین، صحابہ تابعین اور ان کے وسیلے سے خصوصاً جن بزرگوں کے ختماتِ شریفہ پڑھے گئے ہیں ان کی ارواحِ مبارکہ کو ثواب بخش کر قرب و معرفت اور دین و دنیا کی بھلائی کے حصول کی طویل دعا مانگتے اس کے بعد ارشاد فرماتے کہ "سب حضرات مراقب ہو جائیں آنکھیں بند کر لیں، زبان تالو سے لگا لیں اور خیال کریں کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کا فیض آ رہا ہے اور دل سے گناہوں کی سیاہی دور ہو رہی ہے اور دل اس کے شکریہ میں اللہ اللہ کہہ رہا ہے بس اس خیال میں بیٹھ جائیں"۔ اور اپنے چہرے پر رومال ڈال کر مراقب ہو جاتے۔ اور جب تسبیح کو حرکت دیتے اور اس سے آواز نکلتی تو اس کے لئے بھی یہی حکم تھا کہ اس آواز کو اور ہر آواز پر خیال کریں کہ یہ سب اللہ اللہ کہہ رہے ہیں۔

اگر وقت تھوڑا ہوتا تو ختمات شریفہ کی بجائے مراقبہ سے پہلے الحمد شریف، آیۃ الکرسی اور چاروں قُل پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے چہرہ، سر اور تمام جسم پر ہاتھوں کو پھیر لیتے اور پھر دعا مانگتے، دعا کے بعد مراقب ہو جاتے۔

نیز فرماتے کہ اگر کسی شخص پر کیفیات وارد ہوں تو اس کو چاہئے کہ وہ ان کیفیات کو

حتی الامکان ضبط وبرداشت کرے۔ مجبوراً کوئی آواز نکل جائے یا کسی اور طرح سے اس کا اظہار ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، دانستہ ایسا نہ کرے۔ کیفیات کا محسوس نہ ہونا کوئی محرومی یا نقصان کی بات نہیں، اکثر لوگوں کو کیفیات نہیں ہوتیں لیکن ان کی قلبی حالت دوسرے لوگوں سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ کیفیات کا ظہور نہ تو مقصود ہے اور نہ مطلوب۔ اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور شریعت کی اتباع ہے، ذکر اس کے حصول کا ایک ذریعہ ہے نہ کہ کیفیات۔

آپ مراقبہ کے دوران جب توجہ دیتے تو دیر تک ایک سانس میں مسلسل اسم مبارک اللہ اللہ فرماتے اور آخر مرتبہ اس شدت اور قوت سے لفظ اللہ نعرہ کے ساتھ ادا فرماتے گویا کہ بجلی کوند گئی، اور معلوم ہوتا کہ فیض دلوں میں اُترتا چلا گیا ہے۔ نیز آپ دورانِ مراقبہ آیاتِ شریفہ اور ولولہ انگیز اشعار بھی پڑھتے، اور اکثر مراقبہ طویل فرماتے اور مراقبہ کے بعد دعا بھی طویل مانگتے۔ بعد ازاں عشار کی نماز سے فارغ ہو کر احباب کو رخصت فرما دیتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ جو اشعار مراقبہ میں پڑھا کرتے تھے ان میں سے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:۔

دستگیری کیجیو میرے خدا — تا کوئی دم ہوں نہ میں تجھ سے جُدا
دمبدم ہوتا رہوں تجھ پر فدا — آرزو تجھ سے یہی ہے اے خدا
ہو زباں پر ذکر دل میں ہو حضور — ماسوا تیرے یہ دل ہو سب سے دُور
بے حضورِ دل نہ لوں میں تیرا نام — جبکہ لوں میں ہو حضورِ دل تمام
ہر گھڑی ہر لحظہ ہو تیرا حضور — بے جہت بے کیف تجھ کو اے غفور
التجا کس سے کروں تیرے سوا — کون بر لائے گا میرا مدّعا
نورِ وحدت کر دے مجھ پر آشکار — بس یہی ہے مدعا پروردگار
یہ دعا عاجز کی ہے کیجو قبول — از برائے آل واصحابِ رسولؐ

ذکر کن ذکر تا ترا جان است — پاکیِ دل زِ ذکرِ رحمٰن است
مؤمناں ذکرِ خدا بسیار گو — تا بیابی در دو عالم آبرو
ذکرِ خاص الخاص ذکرِ سر بود — آنکہ ذاکر نیست او خاسر بود
اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام — شیر و شکر می کند جانم تمام
اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے — شیر و شکر ہر زباں ہر کام ہے
زندگی آمد برائے بندگی — زندگی بے بندگی شرمندگی
بندگی آمد لباسِ زندگی — زندگی بے بندگی شرمندگی

کجائی یا رسول اللہ کجائی
چرا در دیدۂ تارم نیائی

منم مشتاق با صد آرزوہا
خوشا باشد کہ دیدارم نمائی

بہ بویت زندہ ام ہر جا کہ ہستم
بہ رویت آرزو من دم کجائی

نبی کے نام لیوا غم سے گھبرایا نہیں کرتے
زباں پر شکوۂ رنج و الم لایا نہیں کرتے

نبی کی یاد سے جو دل کو بہلایا نہیں کرتے
حقیقت میں وہ لطفِ زندگی پایا نہیں کرتے

ارے او ناسمجھ قربان ہو جا اُن کے روضہ پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

یہ دربارِ نبوت ہے یہاں ملتا ہے بے مانگے
ارے ناداں یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے

یہ دربارِ رسالت ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

محمدؐ مصطفےٰ کے باغ کے سب پھول ہیں ایسے
یہ بن پانی کے تر رہتے ہیں مُرجھایا نہیں کرتے

نبی کی یاد میں جو خود سے بیگانے نہیں ہوتے
بنے پھرتے ہیں دیوانے وہ دیوانے نہیں ہوتے

نبی کے دیکھنے والے دو عالم دیکھ لیتے ہیں
کہ فرزانے بھی ان سے بڑھ کے فرزانے نہیں ہوتے

مۓ عرفاں کے قابل عام مستانے نہیں ہوتے
کہ ہر دل کے لئے اس مے کے پیمانے نہیں ہوتے

جمالِ روئے محبوبِ خدا وہ شمع ہے جس پر
فرشتے ہوتے ہیں قربان پروانے نہیں ہوتے

جنھیں خود ساقیٔ محفل نگاہوں سے پلاتا ہے
کسی محفل میں بھی غافل وہ مستانے نہیں ہوتے

جنھیں رہبر میسر ہو وہ کیا بھٹکیں گے دنیا میں
تمہارے ڈھونڈھنے والے تو دیوانے نہیں ہوتے

عرشِ اعلیٰ پہ رب سبز گنبد میں تم
کیوں کہوں کوئی میرا سہارا نہیں

ہیں مدینے سے لیکن بہت دور ہوں
یہ خلش میرے دل کو گوارا نہیں

چشم پُر نم رہے اشک بہتے رہیں
دل مرا سوزِ فرقت میں جلتا رہے

ان کی فرقت میں گھل گھل کے مرجاؤں میں
میرا ایماں ہے پھر بھی خسارا نہیں

اپنے در پر وہ بلوائیں گے ایک دن
اے سکندر ذرا صبر سے کام لے

ان کے در کا گدا اور پابوس ہو
میرے سرکار کو یہ گوارا نہیں

ہمیں کرنی ہے شاہنشاہِ بطحیٰ کی گداگیری
وہ اپنے ہوگئے تو رحمتِ پروردگار اپنی

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

زمیں کی طرح جس نے عاجزی وانکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسماں ہو کر

۸۶

محمد مصطفیٰ محبوبِ داور سرورِ عالم — وہ جس کے دم سے مسجود ملائک بن گیا آدم
سما سکتی ہے کیونکر حبِّ دنیا کی ہوا دل میں — بسا ہو جبکہ نقشِ حبِّ محبوبِ خدا دل میں
محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے
محمد کی محبت روحِ ملت جانِ ملت ہے — محمد کی محبت آنِ ملت شانِ ملت ہے
محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے — یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمد ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا — پدر مادر برادر مال جان اولاد سے پیارا
یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا اور نرالا تھا — کہ اس لشکر کا افسر ایک کملی والا تھا
نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں — نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

نہ کیوں آنکھ طرف اللہ سو سو پیار سے دیکھے — جو آنکھیں اپنی گھستے ہیں نبی کے آستانے سے
کوئی فردوس ہو یا خلد ہو ہم کو غرض مطلب — لگا یا اب تو بستر آپ ہی کے آستانے سے
درِ اقدس کے ٹکڑوں پر پڑا پلتا ہے کل عالم — گزارا سب کا ہوتا ہے اسی محتاج خانے سے
درِ اقدس پہ بلوا لیجئے اپنے گداگر کو — پھرے کب تک بھٹکتا در بدر بے ٹھکانے سے
زمیں تھوڑی سی دیجئے بہرِ مدفن اپنے کوچے میں — لگا دیجئے مری مٹی مرے مولا ٹھکانے سے

مجھے بلوا کے اپنا ہی دربان بنا لو یا رسول اللہ — محبت غیر کی مجھ سے چھڑا دو یا رسول اللہ
پڑا ہوں قعرِ دریا میں بھنور میں کھاتا ہوں چکر — کنارے لطف سے مجھ کو لگا دو یا رسول اللہ
لگا تکیہ گناہوں کا پڑا دن رات سوتا ہوں — مجھے اس خوابِ غفلت سے جگا دو یا رسول اللہ
یہی ہے آرزو اپنی مدینہ پھر بھی دیکھیں گے — ہمیں پھر لطف سے اپنے دکھا دو یا رسول اللہ

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے — کہ جس پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے
مدینہ کی ہوا ہے جانفزا ہر دل کو بھاتی ہے — نسیمِ صبح آ کر خلد سے خوشبو سناتی ہے

مندرجہ بالا اشعار مخدومنا حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے بطور یادگار پیش کئے جاتے ہیں جن کو حضرت صاحبؒ اکثر مراقبہ کراتے وقت پڑھا کرتے تھے۔

بیعت کا طریقہ اکثر ایسا ہوتا کہ ختمات شریفہ کے بعد اور مراقبہ شروع کرنے سے قبل جو صاحب بیعت ہونا چاہتے اُن کے لئے دوزانو بیٹھتے، اول مندرجہ ذیل خطبۂ مسنونہ پڑھتے کبھی کبھی خطبۂ مسنونہ سے پہلے بیعت کی اہمیت و ضرورت پر مختصر تقریر فرماتے۔ خطبۂ مسنونہ:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْد پھر مصافحہ کے طریقے پر ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بیعت ہونے والے صاحب سے فرماتے کہ سچے دل کے ساتھ تمام گناہوں سے توبہ کریں اور جو کچھ میں پڑھتا جاؤں آپ بھی پڑھیں۔ اور دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ملائے ہوئے صفت ایمان مفصل و ایمان مجمل پڑھتے۔ ایمان مفصل: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ ایمان مجمل اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پھر فرماتے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ تَعَالٰى رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائے خیر فرماتے۔ پھر اس کے لطیفۂ قلب پر انگشت شہادت رکھ کر توجہ اور قوت کے ساتھ اسم مبارک اللہ اللہ اللہ تین مرتبہ ادا فرماتے بعد ازاں ہدایت و نصیحت کے علاوہ ایک سو مرتبہ درود شریف اور ایک سو مرتبہ استغفار پڑھنے کی تاکید فرماتے اور فرماتے کہ جس وقت موقع ملے باوضو قبلہ رو بیٹھ کر دس تسبیح اسم مبارک اللہ اللہ دل سے پڑھیں زبان سے نہ پڑھیں، آنکھیں بند کرلیں اور زبان تالو سے لگالیں سانس ناک سے جاری رکھیں، پھر تسبیح رکھ کر اتنی ہی دیر اور فیض کے انتظار میں بیٹھیں۔ مراقبہ ختم کرکے دعا مانگیں اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوجائیں اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہ خیال کریں کہ میرا دل اللہ اللہ کررہا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی دعاء مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب مدظلہ العالی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی یاد میں کراچی و حیدرآباد دونوں جگہ ہر سال جلسے منعقد کرتے ہیں ماہ صفر ۱۳۹۵ھ میں یوم مجدد کے موقع پر حیدرآباد کے جلسہ کے اختتام پر حضرت شاہ صاحبؒ نے جو دعا کی تھی وہ ٹیپ کرلی گئی تھی جس کو محترم ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب مدظلہ العالی کے توسط سے حاصل کرکے پیش کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ـــ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ـــ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ـــ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ـــ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ـــ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ـــ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ـــ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ـــ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ـــ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ۔ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی ـــ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاتَ الدَّآئِمَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاتَ مِنَ النَّارِ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ ـــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنَ الْخَیْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَا عَلِمْنَا مِنْهُ وَمَا لَمْ نَعْلَمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَا عَلِمْنَا مِنْهُ وَمَا لَمْ نَعْلَمْ ـــ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِبَادُكَ الصّٰلِحُوْنَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِبَادُكَ الصّٰلِحُوْنَ ـــ اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ وَتِلَاوَتِ كِتَابِكَ ـــ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ـــ اَللّٰهُمَّ

افْتَحْ بِذِكْرِكَ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا ــــ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِصَالِحِ زَمَانِنَا وَارْزُقْنَا
الْاَدَبَ مَعَهٗ وَلَا تَحْرِمْنَا بَرَكَتَهٗ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ ــــ اَللّٰهُمَّ نَجِّنَا وَنَجِّ اِخْوَانَنَا
الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ اِسَارَةِ الْكٰفِرِيْنَ وَظُلْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَمَكْرِ الْمٰكِرِيْنَ ــــ
اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا ــــ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْنَا بِسِتْرِكَ الْجَمِيْلِ ــــ
اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنَا بِفَضْلِكَ عَنْ مَّنْ سِوَاكَ ــــ
اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ
وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ
حَبِيْبِكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ ــــ اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ
الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ اَهْلِكِ الْكَفَرَةَ وَالْمُبْتَدِعَةَ ــــ اَللّٰهُمَّ اِنَّا
نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ــــ اَللّٰهُمَّ كُلَّ خَيْرٍ لِّكُلِّ
مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ــــ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــ اَللّٰهُمَّ
انْصُرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــ اَللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــ اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــ
اَللّٰهُمَّ اقْضِ حَاجَاتِنَا وَحَاجَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ اقْضِ دُيُوْنَنَا وَدُيُوْنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ اشْفِ اَمْرَاضَنَا وَاَمْرَاضَ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ
قُلُوْبَنَا وَقُلُوْبَ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ وَسِّعْ اَرْزَاقَنَا وَاَرْزَاقَ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ
اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَقُلُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا
وَبَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ بَصَائِرَنَا وَبَصَائِرَ الْمُسْلِمِيْنَ ــــ اَللّٰهُمَّ
احْفَظْنَا وَاحْفَظْهُمْ مِنْ كُلِّ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ ــــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا
وَارْزُقْهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ــــ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا وَوَفِّقْهُمْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ــــ
اَللّٰهُمَّ لَا تُفَرِّقْ جَمْعَنَا هٰذَا اِلَّا بِذَنْبٍ مَّغْفُوْرٍ وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرٍ وَّعَيْبٍ مَّسْتُوْرٍ
وَّعَمَلٍ صَالِحٍ مَّقْبُوْلٍ وَّتِجَارَةٍ لَّنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ يَا عَالِمَ مَا فِي الصُّدُوْرِ
اَخْرِجْنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِجَاهِ سَيِّدِ الْوُجُوْدِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــ

اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا فِيْ مَقَامِنَا هٰذَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَيْنًا اِلَّا قَضَيْتَهٗ وَلَا عَيْبًا اِلَّا سَتَرْتَهٗ وَلَا غَيْبًا اِلَّا اَحْضَرْتَهٗ وَلَا عَدُوًّا اِلَّا خَذَلْتَهٗ وَدَمَّرْتَهٗ وَلَا مَرِيْضًا اِلَّا شَفَيْتَهٗ وَعَافَيْتَهٗ وَلَا مُسَافِرًا اِلَّا نَجَّيْتَهٗ وَلَا غَائِبًا اِلَّا رَدَدْتَّهٗ وَلَا فَقِيْرًا اِلَّا اَغْنَيْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَنَا فِيْهَا صَلَاحٌ اِلَّا قَضَيْتَهَا وَيَسَّرْتَهَا — اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ اُمُوْرَنَا وَاغْفِرْ ذُنُوْبَنَا وَاسْتُرْ عُيُوْبَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا وَاكْشِفْ كُرُوْبَنَا وَاخْتِمْ بِالصَّالِحَاتِ اَعْمَالَنَا وَرُدَّهُمْ بَيْنَنَا اِلٰى اَهْلِنَا وَاَوْلَادِنَا سَالِمِيْنَ غَانِمِيْنَ مُسْتَغْفِرِيْنَ مُسْتَبْشِرِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ اٰمین — یا الہ العالمین حاضرین کی حاضری کو منظور و مقبول فرما لیجئے اور اس حاضری میں جو ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو معاف فرما دیجئے اور اس کا پورا پورا اجر و ثواب ہم سب کو نصیب فرما دیجئے۔ یا الہ العالمین اس مبارک مجلس کی برکت سے ہم سب کو دینی و دنیاوی بھلائی نصیب فرما دیجئے۔ ہم سب کی پریشانی کو دور فرما دیجئے۔ ہم سب کو اپنی محبت و معرفت نصیب فرما دیجئے۔ شریعت مقدسہ پر چلنے کی پوری پوری ہمت و توفیق نصیب فرما دیجئے۔ ہم میں سے جو بیروزگار ہیں ان کو حلال و طیب روزگار نصیب فرما دیجئے۔ روزگار والوں کے روزگار میں خیر و برکت عطا فرما دیجئے۔ اولاد والوں کی اولاد کو عالم باعمل اور نیک و صالح بنا دیجئے۔ یا الہ العالمین جو قرضدار ہیں ان کو قرض سے نجات دلا دیجئے۔ کاروبار والوں کے کاروبار میں خیر و برکت نصیب فرما دیجئے۔ پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھئے۔ پاکستان میں صالحین کی قیادت قائم فرما دیجئے۔ پاکستان میں شریعت کے نفاذ کو قائم فرما دیجئے۔ یا الہ العالمین ہم سب کو دشمنوں کے شر سے محفوظ و مامون فرما دیجئے۔ داخلی اور خارجی دشمنوں کے شر سے ہم سب کو اور پاکستان کو محفوظ و مامون فرما دیجئے۔ یا الہ العالمین عالم اسلام کی ترقی ہو، اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی توفیق نصیب فرما۔ عالم اسلام کو دینی و دنیاوی ہر قسم کی ترقیات نصیب فرما، ہر قسم کے دشمنوں سے اور ہر قسم کی ارضی و سماوی آفات و بلیات سے محفوظ و مامون فرما۔ یا الہ العالمین ہم سب کی دعاؤں کو منظور و مقبول فرما۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔

پیکرِ اتباعِ سُنّت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(از جناب مخدوم زادہ عالی قدر حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب)

تکریمِ آدم

حق سبحانہ وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل آیت ۷۰) [ترجمہ: اور ہم نے آدم کی اولاد کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق عطا کیا اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔]

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں اولادِ آدم کی اکثر مخلوقات پر فضیلت و فوقیت کا ذکر ہے۔ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے بنی آدم کو ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جو دوسری کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی آدم کو اچھی شکل وصورت پر جملہ کمالات کے ساتھ پیدا کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۹۵، آیت ۴) [ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے] فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المومنون ۲۳، آیت ۱۴) [پس کیسی بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے]۔

انسان واحد مخلوق ہے جو مستقیم القامت ہے۔ پاؤں پر چلتا اور ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ حیوانات چار پاؤں پر چلتے اور منہ سے کھاتے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ و مفید بنانا بھی انسان ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمام جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں مثلاً کچا گوشت، پھل اور گھاس وغیرہ۔ افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔ گفتگو، اشارات اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچا دینا بھی انسان ہی کی خصوصیت ہے۔ سب سے بڑا شرف عقل و فہم اور حواس کا عطا ہونا ہے جن سے جہاز و کشتیاں وغیرہ بنا کر فضاؤں اور سمندروں میں سفر کرتا ہے۔ خشکی پر سفر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو اس کی سواری کیلئے مسخر کر دیا۔

حیاتِ انسانی کا مقصد

چنانچہ تخلیقِ آدم اور پھر اس کو تمام خلائق پر تشریف و تکریم اور بے حساب انعامات و امتیازات بے مقصد عطا نہیں کئے گئے ورنہ دنیا میں انسان کا وجود جانوروں، درختوں اور نباتات وجمادات کی مانند ہے کہ پیدا ہوئے، بڑھے پلے اور

مرکر ختم ہو گئے بلکہ حیاتِ انسانی کا ایک خاص مقصد ہے، اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، ہلنا جلنا، سونا جاگنا حتیٰ کہ مرنا جینا اور زندگی کا ہر شعبہ اسی خاص مقصدِ حیات کے تابع ہے۔ اگر انسان اپنے افعال و اعمال کی بجا آوری میں اپنے مقصدِ حقیقی سے ہٹ جائے تو اس کے تمام افعال باطل ہو جائیں۔ اسی مقصدِ حقیقی کو اللہ جل شانہ کی "رضا" سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان تمام نعمتوں اور امتیازات و اکرامات کے شکریہ کے طور پر حق تعالیٰ جل شانہ کے فرمان وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنفقون ۶۳، آیت ۸) [اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مومنوں ہی کے لئے عزت ہے] کو اپنی عملی زندگی کا رہنما اصول قرار دیتے ہوئے شعائرِ اسلامی کی پوری پوری حفاظت کرے احکامِ دین کی اس طرح کامل اطاعت کرے کہ اس کے تمام اعمال و اخلاق، اس کی معاشرت، لباس اور طور و طریق سب مجموعی طور پر اسلام کی ترجمانی کرتے ہوں۔ اسلام جو ایک کامل دین اور جامع ترین ہدایت ہے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے ماننے والے ناقص اور منسوخ ملتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ قرآن کریم نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام، آیت ۱۶۲) [آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے]۔

جس شخص کی زندگی، اطاعتِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے حصول کے تابع ہو تو گویا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ (بخاری و مسلم) [جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ کیا پس اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا]

ایمان کامل اور اخلاص کامل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر حال و ہر کام میں اس بات کو پیشِ نظر رکھے کہ میرا اور تمام جہانوں کا ایک رب ہے، میں اس کا بندہ ہوں اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں، میرا دل و دماغ، آنکھ، کان، ہاتھ پیر اور قدم اس کی مرضی کے خلاف نہیں اٹھنا چاہیے۔ اگر ہر شخص اپنے دل و دماغ میں یہ تصور پختہ اور مستحضر کر لے تو وہ صحیح معنوں میں انسان کامل ہو جائے اور گناہ و معصیت اور جرائم کا اس کے پاس سے بھی گزر نہ ہو۔

اطاعتِ رسولؐ

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام صراحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں ان کی مزید توضیح و تفصیل کی ضرورت نہیں مثلاً خدا کا ایک ہونا، شرک و کفر کا سنگین جرم

ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، قیامت پر یقین رکھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آخری
نبی ماننا، نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو فرائض سمجھنا یہ تمام احکامات خداوندی ہیں جن کی تعمیل
بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جو احکام قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ نہیں آئے ان کی تشریح و
تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل (احادیث) کے ذریعہ فرمائی جو وحیٔ الٰہی کی ایک
قسم ہے۔ قرآن کریم کی آیت مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم۵۳، آیت ۳،۴)
[وہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی مرضی سے نہیں کہتے بلکہ وہ وہی کہتے ہیں جو ان کو وحی کیا جاتا ہے]
میں وحی الٰہی کی اسی قسم کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے تمام احکام کی پیروی بھی اگرچہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ
کی اطاعت ہے لیکن ظاہری اعتبار سے چونکہ یہ احکامات صریح طور پر قرآن کریم میں نہیں ہیں بلکہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک اور آپ کے عمل سے امت کو پہنچے ہیں اس لئے ان کی اطاعت
ظاہری طور پر اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے۔

قرآن کریم میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کا مطلب و مفہوم اللہ جل شانہ نے کسی مصلحت
سے واضح نہیں فرمایا اسی لئے خود صحابہ کرامؓ بھی اہلِ زبان ہونے کے باوجود ان کے صحیح مفہوم اور
اللہ جل شانہ کی منشا کو نہ پا سکے، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و اعمال سے ایسی تمام
آیات کا صحیح مفہوم واضح فرما دیا کیونکہ بعثتِ نبویؐ کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد تعلیم کتاب تھا
جس کو آپ نے بطریقِ احسن انجام دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل۱۶، آیت ۴۴) [اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر
اس کی تشریح کر دیں جو خدا کی طرف سے ان کیلئے احکام ہیں]۔ اس آیتِ کریمہ میں جس ذمہ داری کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا دوسرا نام سنت اور حدیث ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث، کتاب اللہ کے بیان کردہ احکامات کے لئے تفسیر و تشریح کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ قرآنی
آیات کے سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ توضیحات پر عمل کرنا خود قرآن کریم پر عمل
کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکامات کے بارے میں جو کچھ
فرمایا ہے وہ عین منشاء الٰہی کے مطابق تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
الْاَقَاوِيْلِ ٥ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ٥ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ٥ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ
عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ٥ (الحاقہ۶۹، آیات ۴۴ تا ۴۷) [اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے تو ہم
ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ضرور ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ان کو اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔]

اس آیت مبارکہ میں جو نبلیہ مذکور ہے اس کی روشنی میں تمام شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں اور صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی تشریح وتوضیح وحئ الٰہی کی رہنمائی میں فرمائی ہے اپنی خواہش سے نہیں فرمائی۔

آپ کی ذات مقدسہ کو اللہ جل شانہ نے تمام عالم کے لئے بہترین نمونہ بنا کر بھیجا تھا لہٰذا آپ کے اقوال وافعال امت کے لئے حجت اور مشعل راہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (النور، آیت ۵۴) [اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے]۔ نیز ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء، آیت ۶۴) [اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی لئے بھیجا کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے]۔

ذیل میں قرآن کریم کی ایسی چند آیات بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں جن کا صحیح مفہوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ بیان فرمایا:۔

(۱) روزے کے احکام کے ضمن میں سحری کے وقت کا تعین، آیت کریمہ كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ آیت ۱۸۷)۔ [کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید دھاگہ یعنی صبح صادق کی روشنی ممتاز ہو جائے سیاہ دھاگے یعنی رات کی تاریکی سے] کے ذریعہ کیا گیا۔ یہاں سفید اور سیاہ دھاگوں کا ذکر ہے، ان سے اللہ جل شانہ کی کیا مراد تھی اس کو اہل زبان ہونے کے باوجود بہت سے صحابہ کرامؓ نہ سمجھ سکے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتمؓ نے دو دھاگے ایک سیاہ اور ایک سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے، سحری کے وقت ان دونوں دھاگوں کو دیکھتے رہے اور کھانا کھاتے رہے۔ جب دونوں دھاگوں میں فرق ظاہر ہونے لگا (سیاہ دھاگے سے سفید دھاگہ جدا ظاہر ہوا) تو انھوں نے سحری کھانا بند کر دی۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضرت عدی اول وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سحری میں جو کچھ کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ "عدی تمہارے تکیے میں بہت وسعت ہے، رات اور دن دونوں کو سمائے ہوتے ہے" پھر آپ نے اس کی تشریح فرمائی اور بتایا کہ سفید دھاگے سے مراد دن کی روشنی اور کالے دھاگے سے مراد رات کی تاریکی ہے یعنی صبح کی روشنی کا رات کی تاریکی سے ظاہر ہونا۔

(۲) قرآن کریم میں چوری کی سزا سے متعلق آیا ہے: اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ (المائدہ آیت ۳۸) [چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی

عورت دونوں کے داہنے) ہاتھ (پہونچے) سے کاٹ ڈالو، اُن کے کئے کی سزا کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے]۔ــــ یہاں قرآن کریم نے چوری کی سزا کے طور پر ہاتھوں کا کاٹنا بیان فرمایا ہے اور یہ وضاحت نہیں کی کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، کلائی، کہنی یا کسی اور حصے سے، نیز یہ سزا کتنی مالیت کی چوری پر ہے یہ تمام تفصیلات وتشریحات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔

چُرائے ہوئے مال کی مقدار خواہ قلیل ہو یا کثیر، لغت میں لفظ سرقہ سب پر صادق آتا ہے۔ لیکن شرع شریف میں سرقہ کی وہ مقدار جس کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹا جائے گا وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس درم یا اتنے مال کا ہے۔ اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ نیز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلی بار چوری کرنے پر داہنا ہاتھ اور دوسری بار چوری کرنے پر بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اگر چور اس کے بعد بھی باز نہ آئے اور تیسری بار چوری کرے تو تعزیر دی جائے گی۔ ہاتھ کاٹنے کی حد چاروں اماموں کے نزدیک کلائی یعنی پہونچے تک ہے۔

(۳) قرآن مجید میں ایک اور آیت آئی ہے: وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿الحجر، آیت ۸۷﴾ [اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں، اور قرآن عظیم دیا]ــــ اس آیت میں جو لفظ "سبع مثانی" آیا ہے اس کا مطلب ومفہوم صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا حالانکہ وہ سب اہلِ زبان تھے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔

یہاں طوالت کے خوف سے چند آیات پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن کی تشریح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول وعمل سے نہ فرماتے تو ان کا صحیح مفہوم امت سے پوشیدہ رہتا اور لوگ اللہ جل شانہٗ کے منشا ومراد کو نہ پاتے۔ لہٰذا حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم قرآنی احکام کے لئے تفسیر وشرح کا درجہ رکھتی ہے۔

محبتِ الٰہی کی کسوٹی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم متعدد آیات میں مذکور ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴿آل عمران، آیت ۳۱﴾ [آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے سب گناہ معاف کر دے گا۔]ــــ اس آیت کریمہ کے شانِ نزول کے سلسلہ میں ابن جریر اور حاتم وغیرہ نے کئی طرق سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے کہ چند قوموں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے پروردگار سے محبت رکھتے ہیں پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کفار و مشرکین میں سے بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا دعوی کیا حالانکہ وہ بتوں کو پوجا کرتے تھے۔ ان کے دعوے کے جواب میں اور ان کے امتحان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ جل شانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنی محبت کے لئے علامت قرار دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لیکر آیا ہوں۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ مبارکہ ایسے شخص پر سچا و جھوٹا ہونے کا حکم دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعوی کرتا ہے اور اسوۂ محمدیؐ کی پیروی نہیں کرتا۔

محبت ایک پوشیدہ کیفیت ہے۔ کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں، یا اگر ہے تو کسقدر ہے، کم ہے یا زیادہ اس کا کوئی پیمانہ نہیں، سوائے اس کے کہ اس کے حالات و معاملات کی روشنی میں اندازہ کیا جائے اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی محبت کا معیار بتادیا ہے جو اس سے محبت کے دعویدار ہیں اور وہ معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہے۔ اس کسوٹی پر کسنے سے سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص اپنے دعوے میں جسقدر سچا ہوگا اسی قدر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور بتائے ہوئے طریقے کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں مشعل راہ بنائے گا اور ان کی پیروی کریگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا اور اس کے سابقہ گناہ معاف کر دے گا، اور آئندہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور توجہ کا مستحق ہوگا۔

یہود و نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں (نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ) چنانچہ اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا منکر خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ قرآن کریم نے بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء، آیت)

[جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی]

اللہ تعالیٰ کے خاص انعام یافتہ بندے

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنے والے قیامت کے روز اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور مقبول ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ٥ (النساء آیت ٦٩)

[اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ اور کتنی اچھی ہے ان کی رفاقت]۔

یہ آیتِ کریمہ ایک خاص واقعہ کی بنا پر نازل ہوئی ہے جس کو امام المفسرین حافظ ابن کثیرؒ نے متعدد اسانید سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی، اپنی اولاد سے بھی۔ بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کر لوں تو سکون ملتا ہے۔ اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے گی اور مجھے بھی موت آجائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ درجاتِ عالیہ میں ہوں گے اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں، اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ سے بہت نیچے ہوگا، میں وہاں آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو مجھے صبر کیسے آئے گا؟۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت دی کہ اطاعت گذاروں کو جنت میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قال بعض الصحابۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف نراک فی الجنۃ وانت فی الدرجات العلی ونحن اسفل منکم [یعنی بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو جنت میں کیونکر دیکھیں گے کیونکہ آپ تو اعلیٰ درجات میں ہوں گے اور ہم آپ سے نیچے ہوں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان جلیل القدر بندوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کے خاص

انعام یافتہ ہیں اور جن پر اس کے انعام واکرام کی خاص بارشیں ہوتی ہیں۔ انسانوں کے یہ چار گروہ سب سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت و فوقیت عطا کی ہے۔ جو لوگ ان تمام چیزوں پر عمل کریں جن کے کرنے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کریں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ تو عمل کے اعتبار سے ان بزرگوں کے چار مختلف درجات ہوں گے۔

(الف) اول درجہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت کے مقاماتِ عالیہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ النبیین، نبی کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ برگزیدہ بندے ہیں جو دنیا میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجے گئے۔ یہ پیغام ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کے ذریعہ بھیجا جاتا تھا جسے وہ بلا کم و کاست بندوں تک پہنچاتے تھے۔

(ب) دوسرے درجے کے لوگوں کو صدیقین کے ساتھ جگہ عطا فرمائیں گے۔ صدیقین جمع ہے صدیق کی۔ صدیق اس کو کہتے ہیں جس کا دل اللہ تعالیٰ کے رسول کو بغیر کسی دلیل کے از خود سچا مانتا ہے اپنے نبی کی امت میں صدیقین سب سے بلند مرتبے پر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امتِ مسلمہ کے صدیق اکبر تھے۔ آپ نے بلا تامل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔

تحقیق یہ ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر پیغمبر کی امت میں صدیقین ہوئے ہیں اور جس طرح انبیاء علیہم السلام میں مراتب ہیں اسی طرح صدیقین میں بھی مراتب ہیں۔ انبیاء میں سب سے افضل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقین میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہر زمانے میں صدیق ہوں گے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی جھوٹ بولتا ہے اور اسی کا قصد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو کذاب لکھ لیا جاتا ہے اور آدمی سچ بولتا ہے اور برابر اسی کا قصد کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔

(ج) تیسرے درجے کے حضرات شہداء کے ساتھ ہوں گے۔ شہداء شہید کی جمع ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دیں۔

(د) چوتھے درجے کے لوگ صلحاء کے ساتھ ہوں گے۔ صلحاء جمع ہے صالح کی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ظاہر و باطن میں اعمالِ صالحہ کے پابند ہوں اور شریعتِ مطہرہ کے پوری طرح متبع ہوں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ چار قسمیں علم و عمل کے اعتبار سے ہیں یعنی انبیاء تو کمال علم و عمل سے

تجاوز کرکے دوسروں کی تکمیل کے درجے تک پہنچے اور صدیقین نے عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ کر اشیاء کے حقائق سے آگاہ کیا اور شہداء نے اظہارِ حق اور باطل کی نفی میں جان دی اور صالحین نے اپنی عمر عبادت میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں مال صرف کرکے نیک نامی حاصل کی۔

امام ابن جریرؒ نے بروایت ربیعؒ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ اونچے درجات والے نیچے کے درجات کی طرف اُتر کر آیا کریں گے اور ان کے ساتھ مجالست اور ملاقات کیا کریں گے۔ بخاری شریف میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا درجہ کیا ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" یعنی قیامت کے روز ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دنیا میں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس حدیث سے کیونکہ اس حدیث نے ان کو بشارت دیدی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے والے آخرت میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے ـــــ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء" یعنی اپنے معاملہ میں سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء صدیقین شہداء کے ساتھ جگہ پائیگا۔ (ترمذی)۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری اتباع کرو نیک کاموں میں، تقویٰ میں، تواضع میں اور اپنے نفس کو ذلیل سمجھنے میں ـــــ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اتباعِ سنت اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے ـــــ حضرت عرباض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ آنکھیں بہہ پڑیں اور قلوب دہل گئے۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ایسا ہے جیسے رخصتی وعظ ہو لہذا ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور دین میں نئی باتوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

خلاصہ یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے

وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور آگے ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ فرما کر اس کی صراحت کر دی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں کو جو یہ شرف و کرامت حاصل ہو گا یہ ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں ہو گا بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی بدولت ہو گا البتہ اطاعتِ رسول ہی نے ان کو اس کا مستحق بنایا۔

اتباعِ سنت کی اہمیت کے بارے میں حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ العزیز اپنے مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۱۰ میں فرماتے ہیں:۔

"دونوں جہان کی سعادت کی متاع سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر موقوف ہے، اگر دوزخ سے نجات مقصود ہے تو وہ بھی سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہے اور اگر دار القرار یعنی جنت میں داخل ہونا ہے تو وہ بھی پیشوائے صالحین کے اتباع پر منحصر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا حاصل ہونا ہے تو وہ بھی رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے۔ توبہ و زہد و توکل اور دنیا سے قطع تعلق کرنا آپ کی متابعت کے بغیر مقبول نہیں ہے اور آپ کے توسل کے بغیر اذکار و افکار و اشواق و اذواق کی امید نہیں کی جا سکتی۔ انبیاء علیہم السلام آپ کے سرچشمۂ آب حیات کے ایک پیالہ سے سیراب و مستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع اور منتفع ہیں۔ فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے، وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک اور ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے اور کائنات کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ان کی رضا کا طالب ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے انا اطلب رضاك یا محمد (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تیری رضا چاہتا ہوں)۔

پس سعادت مند جوانوں اور ہوشمند طالبوں پر لازم ہے کہ ظاہر و باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کوشش کریں اور جو چیز اس دولت (اتباعِ رسول) کے منافی ہے اس سے ظاہر و باطن کی آنکھ بند کر لیں اور یقینی طور پر جان لیں کہ اگر کوئی شخص ہزارہا فضائل و خوارق رکھتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سستی کرتا ہو تو اس شخص کی صحبت و محبت زہر قاتل ہے اور جو شخص کہ ان خوارق و فضائل میں سے کچھ بھی نہ رکھتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ثابت قدم ہو اس کی صحبت و محبت نفع دینے والی ہے تریاق ہے۔"

آمدم برسرِ مطلب

اس تمہیدی بیان کے بعد اب ہم ان واقعات کی روشنی میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ کے ہر شعبہ پر طائرانہ نظر ڈالیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کس قدر سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ کا ہر فعل و عمل کس درجہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہوتا تھا اور آپ وضع قطع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست، اکل و شرب لباس و پوشش، تعلیم و تربیت، نظافت و نفاست، غرض ہر فعل اور ہر چیز میں اتباعِ شریعت کا کامل اہتمام فرماتے تھے۔ عبادات و معاملات میں اعتدال پسند تھے۔ جو شخص آپ کی نورانی شخصیت کو دیکھتا آپ کی مجلس میں بیٹھتا اور آپ کی گفتگو سنتا اس کا دل و دماغ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ غرض آپ کی ذاتِ گرامی اس دور میں طریقت کے اسرار و حکم کا بے مثال منبع اور اتباعِ سنت کا پیکرِ مجسم تھی۔ آپ کا چھوڑا ہوا خلا اس دورِ انحطاط میں شاید پُر نہ ہو سکے۔

علومِ ظاہری سے تو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں کتنے ہی لوگوں کو سرفراز فرمایا مگر ایسے لوگ ہر دور میں خال خال ہی نظر آتے ہیں جو علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ علمِ باطنی سے بھی کمال درجہ آراستہ ہوں حضرت کی ذاتِ گرامی کا شمار اسی دوسرے گروہ میں ہوتا تھا۔ آپ اپنے زمانے میں علم و عمل کا ایسا روشن چراغ تھے جس سے خلقِ خدا علم و ہدایت کی روشنی حاصل کرتی تھی۔ آپ ان اہل اللہ اور مقربین بارگاہِ رب العالمین میں سے تھے جو شعائر اللہ کی مانند ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے (اذا رُؤوا ذُکِرَ اللہ) اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تر توانائی اور صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ تمام زندگی دین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ کی تصانیف کو جو قبولِ عام حاصل ہے وہ بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کی علامت ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی اور انتہائی محرومی ہے کہ ایسی مجموعۂ کمالاتِ ظاہری و باطنی شخصیت کے فیوض و برکات اور تعلیمات و تربیات سے پوری طرح مستفید بھی نہ ہو سکے تھے کہ وہ عظیم ہستی ہماری نظروں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گئی ؎

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

آپ کا اہتمامِ سنت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی تعلق رکھنے والے اور اکثر خدمت میں حاضر رہنے والے بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ سے کوئی ادنیٰ فعل بھی خلافِ سنت ادا ہوا ہو کسی بات یا عمل کا خلافِ شریعت ہونے کا تو سوال ہی کیا۔ ہر وقت اور ہر حال میں آپ اتباعِ سنت کا خاص خیال رکھتے تھے خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی اپنے قول و عمل سے اس کی ترغیب دیتے۔

خواتین سے گفتگو نہ فرماتے آپ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ پیرِ طریقت ہونے کے باوجود ہر قول و فعل میں شریعتِ مطہرہ پر سختی سے کاربند تھے۔ اگر خواتین بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوتیں تو آپ پردے کے پیچھے سے کوئی کپڑا یا رومال وغیرہ پکڑوا کر بیعت فرماتے اور اگر اپنی پریشانیاں سنا کر دعا و تعویذ حاصل کرنا چاہتیں تو بھی براہِ راست گفتگو نہ کرتے بلکہ محترمہ والدہ صاحبہ کے ذریعے حالات سنا کر جواب اور تعویذ حاصل کرتیں۔ اور اگر بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے اصرار کرتیں تو آپ محترمہ والدہ صاحبہ کے ذریعے سختی سے منع فرما دیتے۔

رفتار نیچی نگاہیں، نپے تُلے اور تیز تیز قدم۔ پیدل چلنے میں کوئی ہمراہی ساتھ نہ دے سکتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے زمین آپ کے قدموں کے نیچے سمٹی جا رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے خدوخال، وضع قطع اور چال ڈھال یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب و دلکش سراپا نقشہ نگاہوں میں گھوم جاتا ہے۔

کم گوئی کم گوئی آپ کی خاص عادت تھی۔ اکثر اوقات آپ خاموش رہتے۔ بلا ضرورت کلام نہ فرماتے کوئی ملاقات کے لیے آتا تو اس سے اس کی اور اہل و عیال کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے بعد آپ خاموش رہتے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ آنے والا از خود بات شروع کرتا تو آپ بھی گفتگو فرماتے ورنہ آپ خاموش ہی رہتے اور ذکر میں مشغول رہتے۔ اگر کوئی شخص فقہ و تصوف سے متعلق سوال کرتا تو آپ پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتے اور گھنٹوں بے تکان بولتے۔ کبھی کبھی مضمون کی تکرار بھی کرتے تاکہ سوال کرنے والے کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ تحریر کی طرح آپ کی گفتگو بھی نہایت پُر مغز، مربوط، عام فہم اور جامع ہوتی۔

اندازِ گفتگو عموماً درمیانی آواز سے گفتگو فرماتے یعنی گفتگو کے دوران آپ کی آواز نہ زیادہ تند ہوتی اور نہ ایسی پست کہ سننے میں دشواری ہو۔ گفتگو فرماتے وقت آپ مخاطب کے ذہن کا خاص طور پر خیال رکھتے اور اس کے ذہن کے مطابق اور جہاں تک ممکن ہوتا اسی کی زبان میں گفتگو فرماتے۔ پیچیدہ مسائل انتہائی سہل انداز میں بیان فرماتے، بات کو مثالوں اور حکایتوں سے واضح کرتے۔ اشعار بھی (اردو و فارسی) بکثرت یاد تھے جو موقع و محل کے اعتبار سے برجستہ استعمال فرماتے۔

جب کسی کی اصلاح کے لیے کوئی بات فرماتے تو کسی کا نام لئے بغیر ایسے انداز سے گفتگو فرماتے کہ کسی کو اندازہ بھی نہ ہوتا کہ یہ بات کس کے لئے کہی گئی ہے اور صاحبِ معاملہ سمجھ جاتا۔

افشائے سلام آپ افشائے سلام میں ہمیشہ سبقت فرمانے کی کوشش کرتے۔ بعض لوگ مصافحہ کے وقت آپ کے ہاتھوں کا بوسہ لینے کی کوشش کرتے تو آپ اپنے ہاتھ کھینچ لیتے اور بوسہ لینے والے کو منع فرماتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاَھُمْ بِالسَّلَامِ۔ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے)۔ نیز ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ مومن نہیں بنتے اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی تدبیر نہ بتاؤں کہ اگر اس کو کرو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

خوش مزاجی آپ مزاج کے اعتبار سے نہ زیادہ خشک تھے اور نہ ایسے خوش طبع و شگفتہ مزاج کہ ذرا سی بات پر مجلس قہقہوں سے گونج اٹھے، بلکہ آپ کا طرز عمل درمیانہ تھا (خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا میانہ روی سب سے بہتر ہے) سنجیدہ باتوں اور علمی گفتگو کو چھوڑ کر باقی ہر قسم کی گفتگو ہمیشہ تبسم کے ساتھ فرماتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "عبداللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا" آپ سب کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔

بچوں پر شفقت بچوں پر بہت شفقت فرماتے، محبت سے پیش آتے، ان کو پیار کرتے، گود میں لیتے، شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے، لیٹے ہوتے ہوتے تو بچوں کو بھی ساتھ لٹا لیتے کبھی سینے پر بٹھاتے نومولود بچوں کو اپنے منہ سے کھجور کو چبا کر نرم کر کے کھلاتے۔

راقم الحروف کے بچوں سے حضرت کو بڑی محبت تھی۔ کسی وقت بچوں کو ضد آجاتی اور رونے لگتے تو حضرت اپنے کمرہ سے اٹھ کر آتے اور بچوں کو اپنے کمرہ میں لے جاتے، عینک کا کیس یا قلم، پنسل وغیرہ دیکر بہلا دیتے، اور بچے دیر تک آپ کے پاس کھیلتے رہتے اور آپ اپنے تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے۔ کبھی کبھی بچے کتابوں اور کاغذات وغیرہ سے چھیڑ چھاڑ کرتے تو آپ کو غصہ نہ آتا۔ ایک مرتبہ رقیہ سلمہا نے (جب وہ بہت چھوٹی تھی) عمدۃ الفقہ کتاب الحج کے مسودہ کا ایک ورق جلدی سے اٹھالیا اور پھاڑ دیا۔ آپ کے منہ سے مسکراتے ہوئے صرف یہ الفاظ نکلے "اوہ! کام خراب کر دیا" اس کے بعد پھٹے ہوئے ورق کو بچی سے لیکر دوسرے کاغذ پر نقل کیا۔

اہل خانہ سے برتاؤ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہے اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں"۔ اس حدیث مبارکہ پر حضرت کا پوری طرح عمل تھا۔

آپ گھر والوں کے ساتھ انتہائی خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ ایسی باتوں سے احتراز فرماتے جو کسی کی ناگواری و ناراضگی کا باعث بنیں۔ ضرورت کے وقت گھر کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹاتے۔

گھر کے ہر فرد کی ضروریات اہتمام کے ساتھ پوری فرماتے، اور ہر ایک کی صحت و آرام کا پورا پورا لحاظ رکھتے۔ گھر کا کوئی فرد بیمار ہو جاتا تو اپنے معمولات و مصروفیات مختصر کر کے مریض کی تیمارداری اور علاج کا پورا خیال رکھتے۔ خود بیمار ہوتے تو کسی کو نہ بتاتے کہ دوسرے لوگ تشویش و پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ جب تکلیف شدت اختیار کرتی اور خود بخود ظاہر ہونے لگتی تو اہلِ خانہ کو خبر ہوتی۔ یونانی انگریزی اور ہومیوپیتھک ادویات کے بارے میں خاصی معلومات تھیں۔ عام امراض کی ادویات خاص طور پر ہومیوپیتھک اور یونانی مرکبات اپنے پاس رکھتے اور ضرورت کے وقت خود بھی استعمال فرماتے اور اہلِ خانہ کو بھی استعمال کراتے۔

گھر کے تمام افراد کا معمول جلد سونے کا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمولات تصنیف و تالیف اور عقیدتمندوں کی آمد کے سبب تاخیر سے سوتے تھے۔ جب کوئی ایک فرد یا سب افراد سو جاتے تو حضرت صاحب ایسی آہستگی سے چلتے اور اپنے کام کرتے کہ سونے والوں کی نیند میں ذرا بھی خلل واقع نہ ہوتا۔ حضرتؒ کی اس عادت کو گھر کے تقریباً ہر فرد نے اپنایا ہوا ہے خواہ دن کا وقت ہو یا رات کا کسی ایک فرد کے سونے پر باقی افرادِ خانہ اس بات کا بطورِ خاص اہتمام کرتے ہیں کہ سونے والے کی نیند میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔

نفاست پسندی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی طبیعت میں نفاست بہت زیادہ تھی ہمیشہ سفید براق جیسے کپڑے زیب تن کرتے۔ سر پر سفید ململ کا صافہ، کندھے پر عمدہ قسم کا خانہ دار رومال عجیب بہار دیتا۔ ایک لباس ہی کیا ہر چیز اور ہر کام میں نفاست کا یہی عالم تھا۔ آپ ہر چیز کو ایسا سلیقہ اور قرینہ سے استعمال فرماتے کہ طویل عرصہ گذرنے کے باوجود یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ چیز پرانی ہے۔ ہر وقت استعمال میں رہنے والی چیزوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس چیزیں بہت دنوں تک چلتی ہیں۔ مزاج میں ایسی لطافت کہ غلط چیز دیکھنا یا غلط بات سننا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اگر کسی چیز کی بناوٹ میں کچھ کمی یا کجی رہ جاتی تھی تو اس کا استعمال بارِ خاطر ہوتا۔ کوئی ناگوار بو فوراً طبیعت کو مکدر کر دیتی، کبھی کبھی اس سے نزلہ و زکام کی شکایت بھی ہو جاتی۔

کتابیں بڑے قرینے سے رکھتے، برسوں زیرِ استعمال رہنے والی کتابیں ایسی صاف ستھری ہوتی تھیں گویا نئی ہیں ابھی استعمال ہی نہیں ہوئیں۔ مطالعہ کے دوران کتاب کے کسی صفحہ پر کہیں کوئی داغ دھبہ نہ آنے دیتے، قلم یا پنسل سے کوئی نشان نہ لگاتے، کتاب کی کسی عبارت کو خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو خط کشیدہ نہ کرتے جیسا کہ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ کو یہ بات

سخت ناپسند تھی، کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو منع فرماتے۔ کتاب کا ورق بھی نہ موڑتے۔ آپ کی کتابیں برسوں گذر جانے پر بھی نئی کی نئی رہتیں۔

تقوی اپنے معاملات میں آپ کا تقویٰ اور احتیاط اس درجہ کا تھا کہ اختلافی مسائل میں راجح قول اور احتیاط کو اختیار فرماتے ضرورت کے باوجود رخصت کو اختیار نہ فرماتے۔ انتہائی شدید بیماری میں بھی کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک ممکن ہوسکا کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے حتی کہ بیماری کی شدت اور ہاتھوں پیروں اور تمام جسم پر شدید ورم کے باوجود نماز تراویح ترک نہ فرمائی اور راقم الحروف کا قرآن مجید بیسویں شب تک پابندی اور پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ سنا۔ آخری دو تراویح یعنی اکیسویں اور بائیسویں شب کو جب مرض نے ایسی شدت اختیار کی کہ چلنا پھرنا اور کھڑا ہونا ممکن نہ رہا تو تراویح کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حضرتؒ جب کسی کو بیعت کرتے تو کثرتِ ذکر اور اتباعِ سنت کی خاص طور پر تاکید فرماتے۔

تواضع حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ میں تواضع وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہزاروں آدمی آپ سے بیعت تھے مگر معروف پیروں کا سا انداز آپ کو چھو کر بھی نہیں گیا۔ ہدایت ورہنمائی کی غرض سے آپ کی خدمت میں آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، ان میں ہر طبقے کے لوگ ہوتے تھے آپ سب کو ان کے حسب حال ہدایت ورہنمائی فرماتے تھے۔ آپ ہر خورد وکلاں، عالم وجاہل اور امیر وغریب سب سے نہایت خندہ پیشانی اور عجز وانکساری سے پیش آتے اور نہایت توجہ سے مزاج پرسی فرماتے جس کی وجہ سے ہر شخص کو یہ خیال ہوتا کہ حضرت کی زیادہ توجہ اسی کی طرف ہے۔ کسی کو آپ کی علمی وروحانی عظمت وکمالات کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ محفل میں کبھی اپنی شخصیت کو دوسروں سے نمایاں نہ کرتے اور نہ کبھی اپنے کشف وکرامات اور کمالات کا تذکرہ فرماتے، کوئی پوچھتا بھی تو انتہائی سادگی سے یہ کہہ کر بات ختم فرما دیتے کہ ہمیں تو یہ چیزیں نہیں ہوتیں۔

آپ اتباعِ شریعت کا کامل نمونہ اور طریقت کے اسرار وحکم کا بے مثال خزینہ تھے۔ آپ ہمیشہ ایسی باتوں اور افعال سے اجتناب فرماتے جن سے شہرت کا پہلو نکلتا ہو۔ آپ میں اخفائے حال اور سادگی بدرجۂ اتم تھیں۔

جمعہ وعیدین کے آداب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نمازِ جمعہ وعیدین کی تیاری میں خاص اہتمام فرماتے۔ نماز سے قبل غسل فرماتے، نیا لباس پہنتے۔ سر اور ریش مبارک میں تیل لگاتے، کنگھی کرتے آنکھوں میں سرمہ لگاتے، نہایت لطیف خوشبو لگاتے۔

نمازِ جمعہ جامع مسجد اور نمازِ عیدین عیدگاہ میں ادا فرماتے۔ عید الفطر پر عیدگاہ جانے سے قبل شیر خرمہ، یا خرمہ یا کھجور، یا کوئی اور میٹھی چیز تناول فرماتے۔ آپ عیدگاہ تک پیدل تشریف لے جاتے کیونکہ ایسا کرنا سنت ہے اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے، ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس آتے، راستے میں درمیانی آواز سے تکبیریں کہتے جاتے۔

ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی ادا ہونے تک بال یا ناخن نہ کتروانا مستحب ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہتمام کے ساتھ ۲۹ ذی قعدہ کو بال اور ناخن کترواتے بعد ازاں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی ادا ہونے تک بال و ناخن نہ کترواتے۔ نیز عید الاضحیٰ کی نماز سے قبل کوئی چیز تناول نہ فرماتے۔ نماز کے بعد اگر قربانی جلد ہو جاتی یا قدرے تاخیر سے ہوتی تو دونوں صورتوں میں قربانی کا گوشت پک کر تیار ہونے تک انتظار فرماتے اور قربانی کے گوشت ہی سے کھانا تناول فرماتے۔ اگر قربانی میں زیادہ تاخیر ہوتی تو گھر میں جو کچھ تیار ہوتا تناول فرما لیتے۔

نماز باجماعت حالتِ سفر میں بھی جہاں تک ممکن ہوتا آپ نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے اور عام طور پر ریل ٹھہرنے پر نیچے اتر کر نماز ادا فرماتے اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو ریل کے ڈبہ میں ہی جماعت کراتے اگر دورانِ سفر کوئی ہمراہی نہ ہوتا تو پھر تنہا اپنی نماز ادا فرما لیتے۔ نماز انتہائی خشوع و خضوع اور اطمینان و سکون قلب سے ادا فرماتے اور آپ کی کیفیت گویا کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا مصداق ہوتی۔

مسجد میں دخول و خروج مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکالنا سنت ہے اور داہنے پاؤں میں جوتا پہننا سنت ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان دونوں حدیثوں پر پوری طرح عمل تھا۔ چنانچہ آپ مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکال کر بائیں جوتے کے اوپر رکھتے اور دایاں پاؤں باہر نکال کر اس میں جوتا پہنتے، آخر میں بائیں پاؤں میں جوتا پہنتے جو پہلے سے جوتے کے اوپر رکھا ہوا ہوتا۔

سفر کے آداب آپ عموماً جمعرات کو سفر پر روانہ ہوتے اچانک اور فوری سفر درپیش ہوتا تو کسی بھی دن سفر پر روانہ ہو جاتے۔ اگر سفر میں کچھ لوگ ہمراہ ہوتے تو آپ اپنا سامان عموماً خود اٹھاتے اور ہمراہیوں سے نہ اٹھواتے اور ساتھیوں کو بھی اپنا اپنا سامان خود اٹھانے کی تلقین فرماتے تاہم اگر کوئی ساتھی آپ کا سامان اٹھانے کے لئے اصرار کرتا تو آپ اپنا سامان اس کو دیدیتے۔

سفر کا سامان سفر کے دوران حسب ذیل گیارہ چیزیں ساتھ رکھنا مستحب ہے حضرت شاہ صاحبؒ دیگر ضروری چیزوں کے علاوہ ان گیارہ چیزوں کو خاص طور پر سفر کے سامان میں شامل فرماتے:-

(۱) سرمہ دانی مع سلائی۔ (۲) آئینہ۔ (۳) کنگھی (۴) سوئی (۵) دھاگہ (۶) مسواک (۷) قینچی (۸) چھری یا چاقو (۹) استرا (۱۰) عصا (۱۱) وضو کا برتن یعنی لوٹا وغیرہ۔

سونے کے آداب سونے سے قبل درود شریف، سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کرکے دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سفر میں کسی جگہ اترتے یعنی قیام کرتے تو آپ سونے کے لئے دائیں کروٹ پر لیٹتے اور اگر صبح کے وقت کسی جگہ اُترتے یعنی قیام کرتے تو اپنا بازو کھڑا کرکے سر مبارک ہتھیلی پر رکھ لیتے۔ ایک اور حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح چت یعنی پیٹھ پر لیٹنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوندھا لیٹنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ یہ جہنمی لوگوں کا انداز ہے یعنی جہنم میں لوگوں کو اوندھے (پیٹ کے بل) لٹایا جائے گا۔

غرض سونے کا ادب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر سوئے۔ اگر ایسے وقت سوئے کہ نماز کا وقت قریب ہے تو اپنا دایاں بازو کھڑا کرکے اپنا سر ہتھیلی پر رکھے تاکہ غفلت کی نیند نہ آئے اور نماز نہ جاتی رہے۔

سرمہ لگانا رات کو سوتے وقت سرمہ لگاتے اور عام طور پر آنکھ میں تین تین سلائیاں لگاتے کبھی دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں لگاتے۔

کھانے کے آداب آپ کی طبیعت میں فطرۃً نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی دل شکنی نہ کرتے خود تکلیف اٹھا لیتے لیکن دوسروں کو تکلیف نہ دیتے، آپ بہت کم کھاتے، بہت کم سوتے اور بہت کم بولتے تھے۔ کھانے کا وقت ہو جاتے پر عموماً کھانا لانے کی فرمائش نہ کرتے، گھر میں سے کسی نے از خود لاکر سامنے رکھ دیا تو کھا لیا ورنہ خاموش رہتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مَاعَابَ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَہَاہُ اَکَلَہٗ وَاِنْ کَرِہَہٗ تَرَکَہٗ (متفق علیہ) [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا اگر خواہش ہوئی تو کھا لیا اور اگر پسند نہ ہوا تو اس کو ترک کر دیا" یعنی تناول نہ فرماتے۔ اس حدیث مبارک پر آپ کا پوری طرح عمل تھا اور آپ بھی جیسا کھانا

سامنے آتا تناول فرمالیتے، اس میں عیب نہ نکالتے۔

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے پھر بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کرتے۔ سالن ضرورت کے مطابق نکالتے۔ کھانا کھاتے وقت داہنا گھٹنا کھڑا کر لیتے اور بایاں گھٹنا لٹا لیتے کھانا تین یا چار انگلیوں سے تناول فرماتے۔ اگر انگلیوں پر کھانا لگ جاتا تو انگلیوں کو چاٹ لیتے۔ برتن کو ایسا صاف کرتے جیسے دھلا ہوا ہو۔ جب چائے پیتے تو پیالی میں ایک قطرہ تک نہ بچاتے۔ آجکل پیالی میں چائے کی خاصی مقدار فیشن کے طور پر چھوڑ دی جاتی ہے اس سے بچنا چاہئے، یہ خلافِ سنت ہے۔ چائے کے ساتھ اگر بسکٹ یا اور کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو اس کو پیالی کے اوپر کر کے اس طرح توڑتے کہ ذرات اِدھر اُدھر گر کر ضائع نہ ہوں بلکہ پیالی کے اندر گریں اور چائے کے ساتھ نوش کئے جاسکیں۔

سرکہ سے رغبت حدیث شریف میں سرکہ کی بہت تعریف آئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہترین سالن فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی سرکہ سے خاص رغبت فرماتے تھے سرکہ اور دیگر چیزوں کی آمیزش سے کھجور کی چٹنی بھی بناتے تھے اور کھانے کے ساتھ استعمال فرماتے تھے۔

دعوت قبول کرنا اگر کوئی شخص حضرت شاہ صاحبؒ کی دعوت کرتا تو آپ منظور فرمالیتے۔ کھانے سے فراغت پانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور عام طور پر یہ مسنون دعائیں پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ مَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے اللہ! آپ نے جو رزق ہمیں عطا فرمایا ہے اس میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)۔

جب کسی دعوت میں جاتے تو کھانا کھانے کے بعد صاحبِ خانہ کے لئے دعا فرماتے، اور مذکورہ بالا دعاؤں کے علاوہ یہ دعا بھی پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِصَاحِبِ الطَّعَامِ وَلِاٰکِلِہٖ (اے اللہ! کھانا کھلانے والے اور کھانے والے دونوں کی مغفرت فرما)۔

احباب سے مشورہ کرنا ہر کام میں احباب سے مشورہ کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابۂ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

وفات حسرت آیات

(از جناب ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بقا صاحب فاضل دیوبند، ایم اے، پی ایچ ڈی)

راقم الحروف تعطیلات کے دوران مکہ مکرمہ سے کراچی آیا ہوا ہے، مشیت ایزدی میں یہ بھی تھا کہ چند سال قبل ملفوظات کے جس باب کا افتتاح کیا تھا آج بروز منگل ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۸۰ء دکھے دل ٹپکتی آنکھوں اور لرزتے قلم سے اس کا اختتام بھی اپنے ہی ہاتھوں کروں۔ ہائے افسوس آج وہ چراغِ علم وہدایت گل ہوگیا جس کی روشنی سے نہ صرف اس کے متوسلین بلکہ دوسرے ہزاروں افراد مستفید ہوتے تھے۔ آج وہ پیکرِ اخلاق ہم سے بچھڑ گیا جس کی نظرِ التفات کو ہر خادم یہ سمجھتا تھا کہ وہ صرف اسی کے لئے وقف ہے۔ آج وہ ہستی ہم سے رخصت ہوگئی جسے بیک وقت فقہ وتصوف دونوں میں بصیرت تامہ حاصل تھی ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

علم ووقار کا کوہِ گراں، اتباعِ سنت کا پیکرِ مجسم، ہزاروں طالبانِ حق کا مرشدِ طریقت، تقریباً تیئس ۲۳ ضخیم مجلدات کا مصنف، اے اللہ! علم ظاہر وباطن کی ایسی جامع شخصیت کو اب آنکھیں کہاں دیکھ سکیں گی۔

آج سے تقریباً سات ماہ قبل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں اور جسم پر ورم آنا شروع ہوا۔ اپریل ۱۹۸۰ء کے اواخر میں جب راقم الحروف مکہ مکرمہ سے پاکستان آیا تو حکیم محمود احمد صاحب برکاتی سے حضرت کے اس ورم کا ذکر کیا، حکیم صاحب موصوف نے تشویشناک انداز میں فرمایا کہ گردوں کا فعل متاثر ہوگیا ہے اور یہ ورم بہت خطرناک علامت ہے۔

شروع میں حکیم یونس صاحب کا علاج ہوا پھر حکیم جمالی صاحب کے زیر علاج رہے اور ورم اتر گیا چند دن بعد مارچ کے دوسرے ہفتہ میں دوبارہ ورم شروع ہوا۔ اس مرتبہ ڈاکٹر گاندھی صاحب اور ڈاکٹر منظور احمد صاحب قریشی دونوں کا مشترکہ علاج رہا اور انہی کے مشورہ سے ایکسرے وغیرہ کرائے گئے تو معلوم ہوا کہ السر بھی ہوگیا ہے۔ پھر ڈاکٹری علاج کے ساتھ ساتھ حکیم جمشید صاحب کا علاج بھی شروع کردیا گیا۔ اس مرتبہ ورم بہت تیزی سے اتر گیا اور بظاہر صحت حاصل ہوگئی۔ لیکن چند روز بعد انہی دواؤں کے استعمال کے دوران جون کے تیسرے ہفتہ میں تیسری بار ورم پھر تیزی سے بڑھا، مسلسل علالت کی وجہ سے حد درجہ نقاہت ہوگئی تھی اس لئے حکیم اور ڈاکٹر دونوں نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کو منع کردیا تھا لیکن

اس ضعف کے باوجود آپ تراویح کھڑے ہو کر ہی پڑھتے رہے اور صاحبزادہ حافظ فضل الرحمٰن صاحب سلمہ کے سامع کے طور پر قرآن کریم سنتے رہے۔ ۲۰ رمضان المبارک کو تراویح بیٹھ کر پڑھیں۔ تراویح کے بعد قے ہو گئی۔ پھر سحری میں بھی قے ہوئی اور اس کے بعد دست اور قے ہوتی رہیں حالانکہ ابتدا مرض سے ہر قسم کی چکنائی بالکل بند تھی صرف اُبلی ہوئی سبزی وہ بھی لوکی یا پالک جس میں معمولی نمک ہوتا دو ایک چپاتی تناول فرماتے تھے، چائے تک بند تھی۔ قے اور دست کی وجہ سے پیٹ میں درد شروع ہو گیا، اس کی دوا دی گئی تو درد کو تو کچھ افاقہ ہو گیا لیکن پیٹ اور کمر کا تمام حصہ پھوڑے کی طرح دکھنے لگا حتیٰ کہ ہاتھ لگانے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔

بروز پیر ۲۱ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۰ھ کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے دوپہر راقم الحروف اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ اندر بلا لیا گیا۔ حضرت انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن چہرۂ مبارک سے عیاں تھا کہ تکلیف کا کیا عالم ہوگا۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ لیٹ جائیے فرمایا کہ نہ لیٹے چین ہے نہ بیٹھے، آواز میں بے انتہا نقاہت تھی۔ اس وقت حاجی محمد اعلیٰ نے یہ فرماتے سنا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں زہر پھیل گیا۔ بعد میں حاجی محمد حسین کاپڑیا صاحب نے بھی بتایا کہ یہی بات دوسری مجلس میں میرے سننے میں بھی آئی تھی۔ جب ہم نے یہ حالت دیکھی تو یہ ناچیز اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب فوراً ڈاکٹر گاندھی صاحب کے پاس اُن کے مطب میں پہنچے ابھی ہم تینوں گفتگو ہی کر رہے تھے کہ کیا کرنا چاہئے اتنے میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی اور حاجی محمد حسین صاحب کاپڑیا آ گئے اور طے پایا کہ فوراً ہسپتال میں داخل کر دینا چاہئے حالانکہ حضرت صاحب ہسپتال میں داخل ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ بہر حال ڈاکٹر گاندھی صاحب نے فرمایا کہ میں مطب سے فارغ ہوتے ہی حضرت صاحب کے ہاں پہنچتا ہوں چنانچہ حسب پروگرام ہم چاروں سوسائٹی کے ہسپتال میڈی کیر پہنچے وہاں دو سو روپے یومیہ کا ایک کمرہ تجویز کیا گیا۔ حضرت کے مکان پر پہنچے تو ڈاکٹر گاندھی صاحب بھی تشریف لے آئے پھر ابراہیم قاضی بھی آ گئے۔ مزید یہ طے پایا کہ پہلے گھر پر ہی سرجن کو دکھایا جائے، چنانچہ تقریباً چار بجے شام سرجن مشتاق کو لیکر آئے دو سو روپے فیس کے دیئے۔ انھوں نے دیکھ کر کہا کہ یہ کیس میرا نہیں ہے فزیشن کو دکھایا جائے۔ چونکہ رمضان کا مہینہ اور روزہ کی افطار کا وقت قریب ہو گیا تھا کسی ڈاکٹر کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لئے یہ طے پایا کہ صبح ڈاکٹر گاندھی صاحب اور ابراہیم قاضی، دونوں ڈاکٹر عباسی کو لیکر آئیں اور اس کے مشورہ سے ہسپتال میں داخل کیا جائے تاکہ اس کی نگرانی میں علاج ہو سکے۔ پھر سب حضرات اپنے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

حضرت صاحبؒ کے مرض اور تکلیف میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ رات کے ۹ بجے حاجی سراج الدین صاحب میڈیکون ہسپتال سے ڈاکٹر عتیق الرحمٰن کو لیکر آئے اور ان کو بتایا گیا کہ پیشاب دوپہر سے بالکل بند ہے تو انھوں نے کہا کہ پیشاب بن ہی نہیں رہا اس لئے اس کے نکالنے کا سوال ہی نہیں۔ لہذا فوری طور پر کولھے میں لائسیکس کے دو انجکشن لگائے جائیں اور صبح کو میڈیکون یا ضیاء الدین ہسپتال میں داخل کر دیا جائے اور میں بھی موجود رہوں گا اس دوران اگر میری ضرورت پڑے تو مجھے بلا لیجئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عتیق الرحمٰن چلے گئے۔ مزید مشورہ کے لئے ڈاکٹر گاندھی صاحب کو ٹیلیفون کیا گیا وہ اس وقت نماز تراویح میں مصروف تھے اس لئے ان سے مشورہ نہ ہو سکا۔ بعد نماز تراویح تقریباً گیارہ بجے دوبارہ ڈاکٹر گاندھی صاحب کو ٹیلیفون کیا گیا اور تمام کیفیت اور ڈاکٹر عتیق الرحمٰن کی رائے سے مطلع کیا گیا۔ ڈاکٹر گاندھی صاحب نے بھی ڈاکٹر عتیق الرحمٰن کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لائسیکس کے انجکشن کولھے میں خوب گہرائی میں لگانے کا مشورہ دیا چنانچہ اسی وقت لائسیکس کے دو انجکشن کولھے میں لگا دیئے گئے۔ اس کے بیس منٹ بعد طبیعت میں یکایک بے چینی بڑھ گئی۔ ڈاکٹر گاندھی صاحب کو ٹیلیفون پر کیفیت بتائی گئی۔ انھوں نے کہا کہ یہ انجکشن کا ری ایکشن ہے۔ گلوکوز پانی میں گھول کر پلا دیں۔ چنانچہ آدھے آدھے گھنٹے کے بعد دو مرتبہ گلوکوز دیا گیا۔ اس سے بھی کچھ افاقہ نہ ہوا۔

پھر رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے محترمہ اماں جی صاحبہ اور محترمہ بہن صاحبہ جو حضرت کے کمرہ میں تشریف فرما تھیں دیکھا کہ ایک دم ایک روشنی کی لاٹ جو تقریباً ایک فٹ چوڑی یا موٹی اور اور کمرہ کی لمبائی جتنی جو تقریباً بارہ فٹ ہوگی کمرہ کی ایک جانب سے ظاہر ہوئی اور دوسری طرف کو نکل گئی۔ اس روشنی پر حضرت صاحبؒ نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا البتہ اس کے بعد محترم حافظ صاحب سے فرمایا کہ فلاں جگہ ایک لفافہ رکھا ہے وہ لے آؤ۔ جب وہ لفافہ لے کر آئے تو اس میں رکھی ہوئی رقم گنوائی اور فرمایا کہ یہ فلاں کی امانت ہے۔ بعد ازاں دوسرا تیسرا اور چوتھا لفافہ منگوایا اور رقم گنوا کر فرمایا کہ یہ فلاں فلاں کی امانت ہے دیدینا۔

چند دن قبل کی بات ہے کہ محترمہ اماں جی صاحبہ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کے روزوں کا فدیہ دیدیا جائے تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ روزوں کا فدیہ اس وقت دیا جاتا ہے جب مریض کی زندگی سے ناامیدی ہو جائے، کیا تم لوگ ناامید ہو چکے ہو۔ اگر ایسا ہے تو فدیہ دے دیں ورنہ بصورت دیگر مریض کی زندگی میں فدیہ دینا جائز نہیں۔ اس کے بعد فدیہ کے مسئلہ کو پوری وضاحت

کے ساتھ بیان فرمایا۔ پھر عمدۃ الفقہ جلد سوم لیکر آئے اور اس میں سے متعلقہ حصہ پڑھ کر سنایا۔

۲۲ رمضان کی شب کو تکلیف برابر بڑھتی رہی حتی کہ صبح ساڑھے چار بجے صاحبزادہ گرامی قدر حافظ فضل الرحمٰن صاحب نے حاجی کاپڑیا صاحب اور ڈاکٹر گاندھی صاحب کو ٹیلیفون کیا کہ پیشاب ابتک نہیں آیا اور حالت خراب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ محترم کاپڑیا صاحب اور ڈاکٹر گاندھی صاحب دونوں درِ دولت پر حاضر ہو گئے اور حضرت صاحب کی حالت دیکھکر یہ فیصلہ کیا کہ فوراً ہسپتال میں داخل کردیا جائے۔ حضرت صاحب علیہ الرحمہ اس کے لئے راضی نہ تھے اور خاصا پس وپیش کیا۔ بالآخران دونوں حضرات کے پیہم اصرار کے بعد حضرت صاحب بادلِ ناخواستہ ہسپتال جانے کے لئے رضامند ہو گئے اور کمرے سے دروازہ تک خود پیدل چل کر آئے البتہ زینہ سے کرسی پر بیٹھا کر اتارا گیا پھر زینہ کے بعد اور دروازہ سے کار تک پیدل چل کر کار میں بیٹھے اور تقریباً ساڑھے پانچ بجے ضیاء الدین میموریل ہسپتال نارتھ ناظم آباد پہنچے۔ ضیاء الدین میموریل ہسپتال کے ڈیوٹی ڈاکٹر نے بڑی لاپروائی سے کہا کہ اس مرحلہ پر ہم کچھ نہیں کرسکتے وغیرہ۔ آخر وہاں سے حضرت کو لیکر میڈیکون پہنچے وہاں کوئی ڈاکٹر نہ تھا۔ آخر مجبور ہو کر حاجی کاپڑیا صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ میرا مکان قریب ہے وہاں چلئے پھر سوچتے ہیں کہ کہاں لیجائیں چنانچہ یہ سب حضرات کاپڑیا صاحب کے ہاں پہنچ گئے اور حضرت لان میں بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد حضرت نے بتایا کہ زبان بھاری ہو رہی ہے جیسے فالج میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کاپڑیا صاحب کو گلوکوز لانے کے لئے کہا۔ کاپڑیا صاحب گلوکوز لیکر آئے تو آپ نے واپس کردیا (غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ زبان کے بھاری پن کو فالج کی وجہ سے سمجھ رہے ہوں گے اور گلوکوز ٹھنڈا ہوتا ہے لہذا خلاف پڑے گا) ڈاکٹر گاندھی صاحب کے اصرار کے باوجود آپ نے گلوکوز نہیں پیا۔ اس کے چند منٹ بعد حضرت کو کمرہ میں لے جایا گیا اور وہیں ڈاکٹر گاندھی صاحب نے حضرت کی نبض دیکھی تو پریشان ہو گئے اس لئے کہ نبض ڈوبنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ حکیم جمشید کے ہاں چلو۔ نیز حضرت نے حاجی سراج الدین صاحب کو ٹیلیفون کرنے کے لئے خود فرمایا چنانچہ کاپڑیا صاحب نے حاجی سراج صاحب کو فون کیا کہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب کو لیکر لودھی صاحب کے ہاں جاؤ اور ان کو لیکر حکیم جمشید صاحب کے ہاں پہنچ جاؤ۔ محترم کاپڑیا صاحب کا بیان ہے کہ حضرت صاحبؒ کار کی اگلی سیٹ پر تشریف فرما تھے اور گرومندر پہنچ کر حضرت خود کاپڑیا صاحب کو حکیم صاحب کے مطب کے راستہ کی ہدایت فرماتے رہے یہانتک کہ مطب پہنچ گئے۔ حکیم صاحب اندر تھے اور ان کے ملازم نے کہا کہ حکیم صاحب کی سخت ہدایت کے پیش نظر میں اندر اطلاع بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت صاحبؒ

بنچ پر بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرتؒ نے کئی بار کچھ فرمایا لیکن نقاہت کے باعث آواز اتنی پست ہو چکی تھی کہ منہ کے قریب کان لگا کر سننے کی کوشش کے باوجود حافظ صاحب، کاپڑیا صاحب اور ڈاکٹر گاندھی صاحب کچھ نہ سن سکے۔ حضرت نے اس وقت بالکل اسی انداز میں ذکر شروع کر دیا جس طرح کہ مراقبہ کے وقت آہستہ آواز سے ذکر فرمایا کرتے تھے اور اسی عالم میں تقریباً آٹھ بجے بوقت اشراق حضرت صاحب علیہ الرحمہ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعدازاں جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جسدِ خاکی کو اٹھا کر کار میں رکھنے لگے تو حکیم صاحب بھی اندر سے آ گئے اور حضرت کا حال دیکھ کر گھبرا گئے۔ فوراً دواخانہ میں گئے۔ دواخانہ کا آدمی اس وقت تک نہیں آیا تھا۔ خود دوا تلاش کرنے لگے۔ جب دوا نہ ملی تو ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگے کہ ڈرپ لگائی جائے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اب ڈرپ کا وقت بھی ختم ہو چکا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو گھر پر لایا گیا۔ حاجی سراج الدین، حاجی محمد اعلیٰ اور لودھی صاحبان بھی حکیم صاحب کے ہاں پہنچے اور وہاں سے فوراً حضرت صاحبؒ کے مکان پر پہنچے لیکن حضرت صاحبؒ پہلے ہی رحلت فرما چکے تھے۔ اس کے بعد غمگساروں کا تانتا بندھ گیا۔ تقریباً ڈھائی بجے دوپہر کو قاری ضیاء الدین صاحب نے غسل دیا اور کاپڑیا صاحب بھی شامل رہے۔ قاری ضیاء الدین صاحب کا بیان ہے کہ غسل کے وقت بھی حضرت کے ہاتھ پیر بالکل نرم تھے جسم میں قطعاً سختی نہ آئی تھی حتیٰ کہ ہاتھ کہنی پر سے مُڑ جاتا تھا۔ غسل سے فراغت کے بعد جب حضرت کو کمرے میں لٹایا گیا تو قاری صاحب اور کاپڑیا صاحب کا بیان ہے کہ حیرت کی بات یہ تھی کہ حضرت کا چہرہ مبارک خود بخود قبلہ کی جانب ہو گیا تھا۔ بعدازاں چہرہ مبارک کھول دیا گیا اور دیدار کی عام اجازت دیدی گئی تھی۔ لوگ اپنے اپنے تعلق کی مناسبت سے دیدار کرتے جاتے اور افسوس کرتے یا روتے جاتے تھے۔ عصر کی نماز سے قبل نعشِ مبارک کو نیچے لا کر چارپائی میں رکھا گیا اور اس میں بانس باندھ دیئے گئے۔ جنازہ مسجد خیر العمل لے جایا گیا اس وقت حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب بھی مع اپنی جماعت کے حیدرآباد سے تشریف لے آئے عصر کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے پیر صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد صادق صاحب احمد پوری مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

قبر کے بارے میں بعض حضرات کی رائے ہوئی کہ دولت خانہ کے عقبی حصہ میں دفن کیا جائے لیکن راقم الحروف اور حاجی محمد اعلیٰ اور صاحبزادہ گرامی قدر حافظ فضل الرحمٰن صاحب نے مخالفت کی چنانچہ پاپوش نگر کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

اے اللہ! تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مغفرت نامہ سے نواز، پسماندگان کو صبر جمیل اور عافیت نامہ نصیب فرما اور حضرت کے حلقۂ ذکر کو دائماً باقی رکھ، آپ کے سلسلہ کو قیامت تک دراز فرما اور آپ کے متوسلین کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے ہوئے اپنے قرب کے اعلیٰ ترین مراتب سے نواز۔ آمین یارب العالمین۔

مغرب کے بعد آٹھ بجے کی خبروں میں ریڈیو پاکستان نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر نشر کی جس کو سن کر دور دراز سے لوگ روانہ ہو گئے۔ چنانچہ ۲۳ رمضان کو حضرت کی ہمشیرہ صاحبہ (جن کے پاس حضرت صاحب کا بچپن گذرا) اور بھانجے سید ذوالفقار حسین صاحب اور دوسرے بھانجے و داماد حافظ محمد اسلم صاحب اور ملاں فضل الرحمٰن صاحب خیر پور ٹامیوالی سے اور صاحبزادہ گرامی قدر حافظ فضل الرحمٰن کے خسر صاحب اور خوشدامن صاحبہ نواب شاہ سے تعزیت کیلئے کراچی پہنچ گئے۔

۲۳ رمضان المبارک کو صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اور ظہر سے عصر تک مسجد خیر العمل میں قرآن خوانی ہوتی رہی، مستورات کے لئے گھر میں انتظام تھا۔

حضرت کے پسماندگان میں زوجۂ محترمہ اماں جی صاحبہ، صاحبزادہ گرامی قدر حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب جو ٹیلیفون انڈسٹری پاکستان میں انجینیر ہیں اور صاحبزادی کنیز فاطمہ صاحبہ جن کا عقد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے حافظ محمد اسلم صاحب کے ساتھ ہو چکا ہے۔

محترم ملاں فضل الرحمٰن صاحب خیر پور ٹامیوالے فرماتے ہیں کہ میں پیر کے دن ۲۱ رمضان کو صبح دس بجے کے قریب آرام کی غرض سے لیٹ گیا اور نیند آ گئی تو حضرت شاہ صاحب کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضرت عمامہ باندھے، شیروانی پہنے ہوئے بہت مطمئن ہشاش وبشاش نظر آتے۔ حضرت کے سامنے حضرت کی صاحبزادی بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں اور حضرت ان کو تسلی دے رہے ہیں اس کے بعد بھائی ذوالفقار حسین صاحب آگے بڑھ کر مصافحہ کر کے رونے لگے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو بھی تسلی دی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کوئی بات نہیں حوصلہ سے کام لو۔ اس کے بعد میں (یعنی خود ملاں جی) نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور رونے لگا اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی رونے لگے اس کے بعد آنکھ کھل گئی (یہ واقعہ خیر پور ٹامیوالی کا ہے)۔

عالی قدر مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کی چند تاریخیں نکالی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ (الطور آیت ۱۷) ———

۱۴۰۰ھ

حاجی زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۹۸۰ء

مکتوبات

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں مکتوبات رقم فرمائے ہوں گے لیکن چند مکتوبات جو دستیاب ہو سکے ہیں وہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ (مرتب)

(۱)

مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے خسر جناب پروفیسر مولانا محمد سلیم صاحب ظلہ کسی موقع پر کراچی تشریف لائے تو رشتہ داری کے تعلق سے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اتفاقاً تصوف سے متعلق گفتگو چھڑ گئی مولانا موصوف اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے بعد ازاں شاہ واپس پہنچ کر مزید سوالات تحریر فرمائے اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بجنسہٖ درج ذیل ہے

حامداً و مصلیاً

از کراچی ناظم آباد ۵/۲۔ ایچ۔
۷۹-۱۱-۳۔ بروز ہفتہ

مخدومی و مکرمی زاد الطافکم و عنایتکم و دام افضالکم و فیوضکم
بعد از السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ آنکہ

خیریت موجود و خیر و عافیتِ طرفین مدام مطلوب القلوب ہے۔ آپ کا ۱۰ اکتوبر کا گرامی نامہ موصول ہو کر کاشفِ احوال ہوا اور حالاتِ مندرجہ سے آگاہی ہو کر اطمینان ہو گیا تھا لیکن یہ عاجز کچھ خانگی و خارجی مصروفیات اور کچھ طبیعت کی کمزوری کے باعث تاحال اس کا جواب ارسالِ خدمت کرنے سے قاصر رہا ہے۔

آپ جب ۵ اکتوبر کو کراچی اس عاجز کے پاس تشریف لائے تھے تو اس مختصر سی ملاقات میں اتفاقیہ طور پر کچھ گفتگو تصوف کے بعض مسائل پر ہوئی تھی جس کو آپ نے پسند فرمایا اور اس گرامی نامہ کے ذریعہ اس عاجز کی ہمت افزائی فرمائی ہے جس کے لئے یہ عاجز بہت ممنون ہے ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں مسائلِ تصوف۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے عاجز کو مخاطب کرتے ہوئے اہلِ تصوف کو جن مسائل و امور کی طرف متوجہ کیا ہے حق بجانب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیشہ سے دنیا کا یہ دستور چلا آرہا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں کچھ لوگ حق کے ساتھ ناحق، صحیح کے ساتھ غلط اور جائز کے ساتھ ناجائز کو خلط ملط کرتے رہتے ہیں اور عوام الناس کو اس اندھی اور گمراہ کن تقلید میں پھنسا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہتے ہیں، تصوف بھی ایسے لوگوں کے غلط ہتھکنڈوں سے نہ بچ سکا، اور اس میں بھی مختلف ادوار میں خلط مبحث کا سلسلہ

جاری رہا لیکن جیسا کہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے ہر زمانہ میں اہلِ حق صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم حق و ناحق، صحیح و غلط اور جائز و ناجائز کو ایک دوسرے سے جدا کرتے اور عوام و خواص کی صحیح رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے ہیں جیسا کہ امام غزالی، شیخ شہاب الدین سہروردی، داتا گنج بخش علی الہجویری، خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری، شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ نظام الدین دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ محمد معصوم سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ غلام علی دہلوی وغیرہ حضرات قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم کی تصنیفات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے اور ہمارے قریب کے زمانے میں بھی مولانا رشید احمد گنگوہی و مولانا اشرف علی تھانوی قدس اسرارہم نے تصوف کے مسائل کو منقح و منقی کرنے میں کمال درجے کی محنت کی ہے اور آپ خوب واقف ہیں کہ فقہاء و محدثین کے شانہ بشانہ صوفیائے کرام نے بھی تصوف میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعامل کو بنیاد قرار دیکر اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر منفرد آراء کو رد کر دیا اور تصوف میں بھی مسلکِ جمہور قائم کیا اور اس کو اعتقاد و عمل کی بنیاد ٹھہرایا۔ آج بھی اہلِ حق صوفیہ کے ہاں تنقیح کا عمل مسلسل جاری ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانے میں رطب و یابس، صحیح و غلط اور حق و ناحق کو خلط ملط کرنے والوں کی کثرت ہے اس لئے تنقیح و تنقیہ کے عمل کی ضرورت فی زمانہ شدید تر ہو گئی ہے۔ تاہم اہلِ حق اب بھی موجود ہیں اور اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے اور یہ انتہائی انحطاط کا دور ہے لیکن حقیقت و اصلیت کے وجود سے اب بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اصل موجود ہے جبھی تو اہلِ نقل بھی نقلی چیز کو اصلی چیز کے مشابہ بنا کر اور اس کو اصلی کہہ کر دن رات اس کی ترویج میں لگے ہوئے ہیں اور عوام الناس اصل و نقل میں تمیز نہ کر سکنے کے باعث نقل پر فریفتہ رہتے ہیں۔ عام لوگ بلکہ بہت سے ایسے لوگ بھی جو خواص منصور ہوتے ہیں تصوف کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اور غلط مقصد متعین کر کے غلط چیزوں کو معیارِ تصوف و کمال قرار دیتے اور فضلوا و اضلوا کا مصداق ہوتے ہیں۔

ع   چوں ندانند حقیقت رہ افسانہ زدند

حالانکہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ محققین کے نزدیک تصوف احسان کا دوسرا نام ہے اور تحصیلِ احسان کا حکم مشہور حدیثِ جبرئیل علیہ السلام سے ثابت ہے، اس بارے میں علمائے کرام و صوفیائے عظام کا اتفاق ہے اور یہ دونوں گروہ اس بات کو مانتے ہیں کہ شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔ طریقت و حقیقت جن کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کی

تکمیل ہے نہ کہ شریعت کے سوا کوئی اور امر، احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں، مقصودِ اصلی اخلاص کی تکمیل ہے جو کہ مقامِ رضا کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے اخلاص کے متعلق یہ مضمون دفتر اول مکتوب ۳۶ از مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے مقتبس ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص شریعت کا جزوِ اعلیٰ ہے، صوفیائے کرام اخلاص کے حصول ہی کیلئے کوشش کرتے اور کراتے ہیں اور کمالِ اخلاص کا حصول کمالِ انسانی کا انتہائی درجہ ہے، اخلاص کے بہت سے درجے ہیں، سب سے کامل اخلاص وہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہے اس کمال کو کوئی غیر نبی نہیں پہنچ سکتا۔ مثال کے طور پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پیری کی اولاد اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ کے حکم سے اس کی راہ میں قربان کرنے کے لیے لٹایا اور چھری اُن کی گردن پر چلائی تو جس اخلاص کا مظاہرہ ان دونوں باپ بیٹے (علیہما السلام) سے ظہور میں آیا اس کی مثال کسی غیر نبی میں نہیں مل سکتی۔ اسی طرح اولیائے کرام کا اخلاص دوسرے لوگوں سے کامل ترین ہوتا ہے اور ان میں بھی صحابہ کرامؓ کا اخلاص خصوصاً خلفائے راشدین و عشرہ مبشرہ والسابقین الاولین کا اخلاص جس درجے کا تھا اس کی مثال کسی غیر صحابی ولی میں نہیں ملے گی، اسی اخلاص کے کمال کے اعتبار سے اولیائے کرام حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی فرقِ مراتب ہوتا ہے اور اسی کمالِ اخلاص کے حصول کے لئے صوفیائے کرام محنت کرتے اور کراتے ہیں، یہی تصوف کا مقصدِ اصلی ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے نفس کو شریعتِ مقدسہ کے احکامات کے مقابلے میں مٹا دیتا ہے یعنی اپنے نفس کو شریعتِ مقدسہ کے تابع بنا دیتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ ولنعم ما قیل ؎

ہیچ کس را تا نہ او گردد فنا   نیست رہ در بارگاہِ کبریا

نیز دیگرے چہ خوش گفت ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس   رَو در وگم شو وصال این ست و بس

کہنے کو تو فنائے نفس اور اخلاص کا حصول چند لفظی بات ہے لیکن اس میں کمال پیدا کرنا مشکل امر ہے اور صوفیائے محققین و علمائے راسخین کے طریقے پر چلے بغیر اس میں کمال پیدا کرنا نہایت مشکل امر ہے، اسی لئے مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎

نفس نتواں کشت الا ذاتِ پیر　　　　دامنِ آں نفس کش محکم بگیر

اصلاح و فنائے نفس سے پہلے نفل نماز و تلاوتِ قرآن مجید وغیرہ جو اعمال و اوراد کئے جائیں وہ ایک مؤمن کے حق میں ابرار کے اعمال تو ضرور ہیں اور ان پر ثواب ضرور مرتب ہوگا لیکن وہ مقربین کے اعمال میں سے نہیں ہیں اور قربِ الٰہی کا ثمرہ اُن پر مرتب نہیں ہوگا بلکہ ایسی حالت میں ذکرِ الٰہی اور وہ اعمال و اوراد جو کسی شیخ کامل سے اخذ کئے ہوں اور فنائے نفس کے حصول کا ذریعہ ہوں وہ مقربین کے اعمال میں شمار ہوں گے اور فنائے نفس کی تکمیل اور اس کے مطمئنہ ہو جانے کے بعد نفل نماز و تلاوتِ قرآن مجید و جملہ اوراد و اعمالِ حسنہ مقربین کے اعمال میں شمار ہوں گے اور قربِ الٰہی میں ترقی کا موجب ہوں گے۔ اس مضمون کی تفصیل مکتوب ۴۲ و ۲۵ دفتر سوم و دیگر مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ سے طلب کی جا سکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ ایک عامی آدمی صوفیاء کے ملفوظات اور تذکرے پڑھ کر الجھن میں پڑ جاتا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ صوفیاء کے تذکروں کو علومِ صوفیہ کی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا، جس طرح تاریخی روایات کا درجہ احادیث کے مقابلہ میں بہت ہی اسفل ہے، جو اہتمام محدثینِ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے روایت کرنے اور ان کی درجہ بندی میں فرمایا ہے مؤرخین سے اس کا عشرِ عشیر بھی ظہور میں نہیں آیا، تذکروں کا معاملہ تو تواریخ سے بھی اسفل ہے اور ان کی روایات کو تو کچھ بھی تاریخی حیثیت حاصل نہیں ہے اس لئے صوفیہ کے تذکروں کو علم تصوف کے لئے معیار قرار نہیں دیا جا سکتا، ان کی حیثیت ترغیب دلانے والی کتابوں سے زیادہ نہیں ہے اور وہ اس وقت اس مقصد کے لئے مفید ہو سکتے ہیں جبکہ صاحبِ مطالعہ کو صحیح اعتقادات اور دیگر شرعی ضروریات کا صحیح علم پہلے سے حاصل ہو یا اُن کے ایسے مقامات کو جن میں ذہن الجھتا ہو اور طبیعت صاف نہ ہوتی ہو اکابر سے حل کر لیا جائے، اور یہ بات تذکروں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ جملہ فنون میں ایسے مقامات بکثرت پیش آتے ہیں جن کا حل اساتذہ سے کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ البتہ ملفوظاتِ اکابر کے بارے میں یہ گمان اس عاجز کے نزدیک صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ عامی آدمی الجھن میں پڑ جاتا ہے کیونکہ کسی بزرگ کے ملفوظات اس بزرگ کا کوئی معتقد و ذی علم آدمی اس مجلس میں من و عن لکھتا رہتا ہے اور بعد میں ان کو کتابی شکل میں جمع کر کے شائع کر دیا جاتا ہے اور وہ ملفوظات حاضرینِ مجلس کے ذوق کے مطابق عام فہم زبان میں بیان ہوتے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر حاضرین کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہوتے ہیں اگر ان کی جمع و ترتیب کا اہتمام صحیح طریقے پر کیا گیا ہو اور بعد میں بھی تحریف و اضافے سے محفوظ رہے ہوں تو ان کے متعلق مذکورہ بالا رائے قائم کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مثال کے طور پر حضرت شاہ رؤف احمد صاحب بھوپال والے قدس سرہ العزیز نے اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کچھ مجالس کے تاریخ وار تحریر کئے ہیں اور فارسی زبان میں جمع فرما کر درالمعارف کے نام سے شائع کرائے ہیں۔ اس عاجز کے خیال میں ان ملفوظات کے پڑھنے سے شاہ صاحب موصوف کی مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور بہت سے اہم مسائل وامور کا حل ان میں مل جاتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ جامع کے ذوق کو بھی کچھ دخل پیدا ہو جائے لیکن اگر وہ کتاب مستند ہو تو مجموعی حیثیت سے اس کے مضامین مفید و مستند ہی ہوتے ہیں ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب،

لیکن اگر کسی بزرگ کے ملفوظات کا جمع ہونا مستند طریقے پر ثابت نہ ہو تو اور بات ہے۔ بات بہت طویل ہوگئی۔

ع لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اس عاجز کا یہ منصب ہرگز نہیں ہے کہ آپ جیسے ذی علم حضرات کی خدمت میں ایسی باتیں لکھنے کی گستاخی کا ارتکاب کروں، ماشاء اللہ آپ ان سب باتوں کو خوب اچھی طرح سمجھتے اور جانتے ہیں، آپ کا علم و مطالعہ نہایت وسیع ہے، اس عاجز کی معلومات تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں مگر آپ کی عزت افزائی نے اس خاکسار کو دلیر کر دیا اور "روبہ خویش خوان و شیری بیں" کا مصداق ہو گیا ہے اس لئے بے ساختہ یہ مضامین نوکِ قلم پر آگئے ہیں ورنہ بندہ باید کہ حدِ خود داند۔

آخر میں اس عاجز کو یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اکابر کی کوششوں اور کامرانیوں کے باوجود آج بھی اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مسائلِ تصوف کو اور زیادہ منقح و واضح کیا جائے تاکہ یہ علم عوام الناس تک نہایت سہل و واضح ہو کر پہنچے اور ان کو سمجھنے اور قبول کرنے میں کسی قسم کی کوئی الجھن باقی نہ رہے، اور مدعیانِ کاذب کو اس خلط ملط کے مواقع مفقود ہو جائیں۔ اب سائنس کی ترقی کا دور ہے تصوف کی سائنس کو بھی جدید طرز پر واضح الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہر سائنٹفک مزاج اس سے صحیح معنی میں استفادہ کر سکے اور اس سے متنفر ہونے اور راہِ فرار اختیار کرنے کی بجائے اس کا گرویدہ و فریفتہ ہو جائے، اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اور نہ ہی اس بات کا موقع ہے کہ ؎

با مدعی نگوئید اسرارِ جذب و مستی بگذار تا بمیرد در رنجِ خود پرستی

بلکہ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تصوف کے مسائل کی اصل روح کو صاف صاف بیان کیا جائے خدا کرے اہلِ حق علمائے راسخین اس خدمت کو انجام دیں، خاص طور پر اکابر صوفیائے کرام کی تصنیفات و

مکتوبات سے اُن کی صحیح و واضح تعلیمات کو منتخب فرماکر اور ابواب و عنوانات کے تحت مرتب فرماکر شائع کرائیں، اس عاجز نے بھی سوانح عمری حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ السامی میں تعلیمات کے باب میں اس کا التزام کیا ہے اور اکثر ناظرین نے اس کو پسند فرمایا ہے اور اب سوانح عمری حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (انوارِ معصومیہ) میں بھی تعلیمات کا باب ان کے مکتوباتِ شریفہ ہر سہ دفتر سے منتخب کرکے عنقریب شائع کرانے کا ارادہ ہے جو انشاء اللہ العزیز عوام و خواص سب ہی کے لئے مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بطریقِ احسن اس نیک ارادے کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور شرفِ قبولیتِ عامہ مرحمت فرمائے آمین۔

زیادہ کیا عرض کروں اپنی کوتاہیوں، نااہلیوں اور کم علمی و کم عملی کا ہر وقت احساس ہے اور سرندامت خم ہے، استغفار کرتا ہوں لیکن اس عاجز کا استغفار بھی محتاجِ استغفار ہے، ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین ۝ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ آپ کا قیمتی وقت اس کے پڑھنے میں ضائع ہونے کی معافی چاہتا ہوں اور دعائے خیر فی الدارین کا طالب ہوں، عاجز و سب اہلِ خانہ کی جانب سے آپ کو مع جملہ متعلقین سلام مسنون عرض ہے اور دعا کی درخواست ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

(۲)

(مدینہ منورہ سے ایک محترم بزرگ نے چند سوالات پر مشتمل ایک عریضہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا تھا جس کا جواب حضرتؒ نے بہت تفصیل دیا تھا وہو ہذا۔)

۷۸۶

خاکسار زوار حسین عفی عنہ　　　　حامداً و مصلیاً

بخدمت مکرمی و محترمی زاد عنایتکم ودام الطافکم

بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آنکہ

خیریت موجود و خیر و عافیت طرفین مدام مطلوب القلوب ہے۔ آپ کا ۶ ذیقعدہ کا تحریر کردہ گرامی نامہ اس عاجز کو یہاں کے حساب سے غالباً ۱۳ ذی قعدہ بتاریخ انگریزی ۶ $\frac{۱۱}{۱۹۷۹ء}$ موصول ہو چکا تھا لیکن کچھ تو طبیعت کی سستی کی وجہ سے جو ہمیشہ ہی حائل رہتی ہے اور کچھ ان دنوں میں طبیعت زیادہ علیل رہی جس کا علاج ابھی تک جاری ہے اور الحمد للہ پہلے سے بہت افاقہ ہے تاحال یہ عاجز جواب لکھنے سے قاصر رہا ہے آپ نے اپنے اس مکتوبِ گرامی میں چند سوال تحریر فرمائے اور ان کے جوابات اس عاجز سے طلب فرمائے ہیں، یہ عاجز سمجھتا ہے کہ آپ نے "تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے" کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا کیا ہے۔ یہ عاجز بھی

اسی تقریب سے کچھ لکھنے کی جرأت کرتا ہے ورنہ کجا رام رام کجا ٹائیں ٹائیں۔ آپ یہ سوالات کسی ایسے بزرگ عالم ظاہر و باطن سے دریافت کرتے جو دونوں قسم کے علوم کا ماہر ہو تو حق بجانب ہوتا اور کاش کہ آپ نے اپنے اس قسم کے اشکالات حضرت مولانا (عبدالغفور صاحب) مدنی قدس سرہ سے حل کئے ہوتے کہ وہ بیشک اس کے اہل تھے اور اب ان کے وصال کے بعد ہمارے علم کے مطابق ایسا شخص ملنا مشکل ہے اگرچہ دنیا خالی نہیں ہے اور کوشش کرنے والا کسی نہ کسی بزرگ کو پالے گا، بہرحال حسب توفیق چند باتیں لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ حق بات کی طرف رہنمائی فرمائے اور خطا و لغزش سے محفوظ رکھے اور اگر کوئی خطا و لغزش سرزد ہو جائے تو اس کو معاف فرمائے آمین وباللہ التوفیق۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "چند دن ہوئے اس عاجز کی نظر سے گذرا کہ فلاں بزرگ نے فلاں بزرگ کو ضمنیت کی بشارت دی، یہ ضمنیت کیا ہے اس کے آثار کیا ہیں اور کب متحقق ہوتی ہے۔" اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس عاجز نے بھی اس قسم کی عبارت بزرگانِ سلسلہ کی کتابوں میں پڑھی ہے لیکن اس کی تشریح اور امور مسئولہ کی بابت تفصیل کہیں نظر سے نہیں گذری، البتہ ہمارے سلسلۂ عالیہ کے ایک بزرگ حضرت خواجہ شاہ ابوسعید صاحب قدس سرہ العزیز جو نسباً و مشرباً مجددی ہیں اور حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز کے اجل خلفاء میں سے ہیں اپنی کتاب ہدایۃ الطالبین ص۱۳۰ پر ضمنیت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ص۱۳۱ پر اس طرح درج ہے "جاننا چاہئے کہ برسوں سے میری آرزو تھی کہ حضرت پیر دستگیرؒ اس بندے کو اپنی ضمنیت سے سرفراز فرمائیں کیونکہ آپ کی ضمنیت بعینہٖ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمنیت ہے، اس لئے کہ حضرت پیر دستگیرؒ کو حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید قبلہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ضمنیت کی بشارت دی تھی اور حضرت میرزا صاحب قبلہ کو حضرت شیخ الشیوخ خواجہ محمد عابد سنامی رضی اللہ عنہ سے ضمنیت حاصل ہوئی تھی اور انھوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمنیتِ کبریٰ کا امتیاز حاصل کیا تھا۔ حضرت پیر دستگیرؒ کی خدمت میں بارہا میں نے عرض کیا تب جا کر ۱۲۳۰ھ کے ماہِ صفر میں بندہ نے حضرتؒ کے روبرو اوابین کے نوافل میں پورا قرآن مجید ختم کیا۔ ختم قرآن مجید کے بعد حضرتؒ نے بندہ سے ارشاد فرمایا کہ ہم سے جو چیز مانگنی ہو مانگو۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کی ضمنیت کا امیدوار ہوں، اس پر آپ نے بڑی نوازش سے بندہ کو اپنے قریب بلا کر اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور دیر تک توجہ فرماتے رہے، اس وقت مجھ پر ایسے احوال وارد ہوئے کہ ان کا اظہار ناممکن ہے اور حضرت پیر دستگیر کے انوار مبارک میں ایسا استغراق ہوا کہ میں نے دیکھا کہ میرا باطن آئینہ کی مانند حضور کے باطن مبارک کے محاذی و مقابل ہوا اور جو کچھ بھی حضرتؒ کے باطن میں موجود ہے بعینہٖ میرے باطن میں اس طرح نمودار ہوا کہ ہر دو باطن میں کوئی فرق باقی نہ رہا الا ماشاء اللہ سبحانہ دیگر جو اللہ سبحانہٗ نے چاہا، الخ"

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ ضمنیت کا معاملہ سلسلۂ عالیہ کے مروجہ اسباق سے ماوراء ہے اور بعض خاص الخاص مریدوں کو ان کے مرشد اُس کی بشارت دیتے اور اس مقام کی توجہ دے کر اس مقام سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اس کے حصول کی علامت یہ ہے کہ وہ خاص الخاص مرید اپنے پیر کے تمام کمالات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، جو کچھ پیر کے باطن میں ہوتا ہے وہ اس مرید کے باطن میں بعینہٖ نمودار ہوتا ہے اور ہر دو باطن میں کچھ فرق نہیں رہتا اِلّا ماشاءاللہ۔ جب یہ کیفیت اس مرید میں پیدا ہو جاتی ہے اور قرار پکڑ لیتی ہے اور شیخ اپنے اُس مرید کو ضمنیت کے حصول کی بشارت دیدیتا ہے تو اس کے حق میں ضمنیت متحقق ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں مزید عرض یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی پارۂ عمّ میں ایک مقام پر توجہ کی تاثیر کی اقسام بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک قسم تاثیرِ اتحادی تحریر فرمائی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "تاثیر کی یہ قسم سب قسموں سے زیادہ طاقت رکھتی ہے کہ اس سے جو کمالات شیخ کی روح میں ہیں وہ طالب کی روح میں سما جاتے ہیں اور بار بار فائدہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی، اگر شیخ کی توجہ قوی الاثر ہو اور مرید بھی قوت قوی رکھتا ہو تو شروع میں بھی یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی یہ تاثیر توجہ ایک نانبائی کے حق میں ظہور پذیر ہوئی اور ابتدائے وحی کے وقت جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر بھینچا (دبوچا) تھا تو اس سے تاثیرِ اتحادی کا اظہار ہوا تھا" اس اقتباس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب سالک اپنے اندر اس قدر صلاحیت پیدا کر لیتا ہے کہ تاثیرِ اتحادی سے فیضیاب ہو سکے تو شیخ اس کو تاثیرِ اتحادی سے فیضیاب اور اپنی ضمنیت کی بشارت سے سرفراز فرماتا ہے اور یہ بات سالک کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کا رابطہ اپنے شیخ کے ساتھ اس درجہ قوی و اکمل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور اس شعر کے مصداق ہو جاتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی — تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تو وہ بزرگ اس شخص کو تاثیرِ اتحادی کی توجہ دیتا اور اپنی ضمنیت کی بشارت سے سرفراز فرماتا ہے، اس وقت وہ مرید اپنے مرشد کے تمام فیوضات و کمالاتِ ظاہری و باطنی، جلی و خفی کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، اگر کسی شخص کو کامل فنائے نفس، شرح صدر، اطمینان و اخلاص کامل حاصل ہونے کے بعد مذکورہ بالا کمالِ نسبتِ رابطہ و تاثیرِ اتحادی بھی حاصل ہو جائے تو اس شخص کو اپنے شیخ کی ضمنیت سے سرفراز سمجھا جا سکتا ہے خواہ شیخ نے بشارت دی ہو یا اس کا موقع نہ مل سکا ہو لیکن سالک کو ڈرتے رہنا چاہئے اور بشارتِ مرشد کے بغیر اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے گریز کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ نفس کی ملاوٹ اس کے شاملِ حال ہو گئی ہو اور وہ اس سے بے خبر ہو، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے ؎ ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد۔ ہرگز ز صفات خود نہ گردد۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

سوالِ دوم میں آپ نے "مکاشفاتِ عینیہ" کے اردو ترجمہ ص۸۸/۱۳ و ص۹۰/۱۴ و ص۹۵/۲۲ کے اقتباسات کے حوالے دینے کے بعد یہ اشکال تحریر فرمایا ہے کہ "ان عبارتوں کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ان سب بزرگوں سے اونچا تھا کہ سب کے "رگ و ریشہ" سے واقف تھے اور اپنے اکابرین کے مقامات کی بھی معرفتِ کاملہ حاصل تھی، حالانکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ ثانیاً شعر مشہور ہے ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اپنے بزرگوں کے مقامات کا جائزہ لینا اور ان کو پہچاننا خوردوں کے لئے کب مناسب ہے؟" ــــ آپ کے اس اشکال کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ عاجز یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی شان میں جو اندازِ تحریر آپ نے اختیار کیا ہے نامناسب معلوم ہوتا ہے بقول علامہ اقبال مرحوم

ع　شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

نیز آپ نے خود ہی لکھا ہے کہ "اپنے بزرگوں کے مقامات کا جائزہ لینا اور ان کو پہچاننا خوردوں کیلئے کب مناسب ہے" ہمیں خود بھی اس نصیحت پر عمل کرنا چاہئے اور ہم خوردوں کو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کی تحریروں پر ایسے بیباک الفاظ کے ساتھ خوردہ گیری کرنے سے گریز چاہئے البتہ افہام و تفہیم کا انداز اختیار کرنا ہمیشہ جائز ہے واللہ علم۔

اب یہ عاجز اپنی فہم ناقص کے مطابق اس کے جواب کی طرف آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کی ان عبارتوں یا کسی اور تحریر سے کبھی بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ حضرت مجددؒ اپنا مقام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اونچا سمجھتے تھے یا اپنے اکابر سے اونچا سمجھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ ترین امتی بھی اس قسم کی بات نہیں کہہ سکتا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ یا اکابر امت پر تفوق کا شائبہ پایا جائے تو پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جیسا کہ محدثؒ فقیہ اور علم کلام کا امام و مجتہد ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے یہ سب ہم جیسے ناقص العقل والفہم کے علم و فہم کا قصور ہے کہ ان عبارتوں سے ایسے شبہات ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس قسم کے شکوک و شبہات حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے زمانہ میں بھی بعض کم فہموں کے ذہنوں میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت موصوف نے بعض شکوک کے جوابات بہ نفسِ نفیس دیئے تھے۔ چنانچہ مکتوب ۲۰۲ دفتر اول میں تحریر فرماتے ہیں: "دوسرے یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جانے اس کا امر دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل ہے (چند سطروں کے بعد) وہ شخص جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہے اہلِ سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا

کیا حال ہے جو اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے، حالانکہ اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے۔" جن عبارتوں سے آپ نے یہ شک شبہ قائم کیا ہے وہ مکاشفات عینیہ کی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے مکاشفات ہیں جن کو آپ نے تحدیث نعمت اور طالبین کے استفادہ کے لئے تحریر فرمایا ہے اس راستہ میں ہر شخص کو کچھ نہ کچھ انکشافات پیش آتے ہیں اور وہ مرید اپنے پیر کو بیان کرتا ہے تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے اور بزرگان دین دوسروں کے استفادہ کے لئے تحریر فرماتے ہیں۔ ہر بزرگ اپنے اپنے مقام اور اپنی اپنی رسائی کے مطابق ان کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب موصوف نے اپنے مقام اور اپنی رسائی کے مطابق ان کو تحریر فرمایا ہے بلکہ وہ خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "ہم نے صرف وہ باتیں یا مقامات نقل کئے ہیں جن کی عام لوگوں تک رسائی ہو سکے ورنہ ایسے پوشیدہ راز بھی ہیں کہ اگر ان کو اشارۃً وکنایۃً ظاہر کیا جائے تو حلقوم کاٹ دینے کی نوبت آ جائے۔" یہی مضمون مشہور راوی احادیث صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کا علم حاصل کیا ایک وہ جو میں آپ لوگوں میں پھیلاتا ہوں دوسرا وہ ہے کہ اگر میں اس کو لوگوں میں بیان کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے (اوکما قال رضی اللہ عنہ)

کشف والہام کا سلسلہ صوفیہ بلکہ غیر صوفیہ اور علما و غیر علما سب کے نزدیک مسلم ہے اگرچہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دین کتاب وسنت کے ذریعہ کامل ہو گیا تو کمال کے بعد کشف والہام کی کیا ضرورت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ الہام دین کے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، اگرچہ اجتہاد والہام میں فرق واضح ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے اللہ جل شانہٗ کی طرف منسوب ہے پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔" اسی مکتوب میں کچھ پہلے فرماتے ہیں "الہام انہی کے لئے ہے اور کلام الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے ان کے اکابر علوم واسرار کو بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں اور جس طرح مجتہد اپنی رائے و اجتہاد کا تابع ہوتا ہے یہ حضرات بھی معارف ومواجید میں اپنی فراست والہام کے تابع ہیں۔" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ الہام کا حکم صاحب الہام کے حق میں مخصوص ہوتا ہے بخلاف اجتہاد مجتہد کے کہ وہ عامۃ المسلمین کے لئے عام ہوتا ہے چنانچہ اسی مضمون کو مکتوب ۳۱ دفتر اول میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں "حاصل کلام یہ ہے کہ خطائے کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ ملامت وعتاب اس سے دور کر دیا گیا ہے بلکہ ثواب کے

درجات میں سے ایک درجہ ثواب اس کے حق میں ثابت ہے البتہ ان دونوں میں اس قدر فرق ہے کہ مجتہد کی تقلید کرنے والے لوگ بھی (حصول ثواب کے بارے میں) مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور مجتہد کے خطا پر ہونے کی صورت میں بھی ثواب کے درجات میں سے ایک درجہ ثواب پا لیتے ہیں بخلاف اہلِ کشف کے مقلدین کے کہ وہ معذور نہیں ہیں اور کشف میں خطا ہو جانے کی صورت میں ثواب کے درجے سے محروم ہیں کیونکہ الہام اور کشف غیر حجت نہیں ہیں اور مجتہد کا قول غیر پر حجت ہے پہلی (اہل کشف کی) تقلید خطا کے احتمال کی بنا پر جائز نہیں ہے اور دوسری (مجتہد کی) تقلید خطا کے احتمال کی بنا پر جائز بلکہ واجب ہے"۔ ایک جگہ فرماتے ہیں" ان (صوفیہ) کے امور کے ساتھ ایمان لانا لازمی نہیں ہے ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق تعالیٰ کے اولیاء کے ساتھ بغض پیدا ہو جائے۔ علمائے اہلِ حق کے عقائد کے موافق عمل کرنا چاہئے اور صوفیہ کی کشفیہ باتوں سے حسنِ ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہئے اور لا و نعم پر جرأت نہیں کرنی چاہئے (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول) ——— مکاشفات و مشاہدات کے بارے میں مکتوب ۲۰۷ دفتر اول میں تحریر فرماتے ہیں "عجب کاروبار ہے کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت پوری طرح بیان کی جائے تو اس بات کا خوف ہے کہ اس راستے کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر علم کے باوجود کچھ بھی نہ کہے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا"۔ یہ چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ ؎

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اس عاجز کی ناقص رائے یہ ہے کہ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوباتِ شریفہ کا بکثرت مطالعہ کریں ان شاء اللہ العزیز تمام اشکال خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس عاجز نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں یہ چند سطور لکھدی ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔ امید ہے کہ دعائے خیر کی یاد سے حسبِ سابق یاد و شاد فرماتے رہیں گے جملہ احباب و متعلقین و پرسانِ حال کی خدمت میں سلام مسنون۔ نیز مواجہ شریف میں حسبِ توفیق سلام مسنون پیش کرنے کی درخواست ہے۔ منجانب جناب حاجی محمد اعلیٰ صاحب و دیگر احباب سلام مسنون و درخواستِ دعا عرض ہے۔ فقط والسلام

(۳)

جناب مولانا احمد عبد الرحمٰن صدیقی صاحب ناظم اعلیٰ انجمن خدام الدین نوشہرہ، دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجتماع کے موقع پر ہندوستان تشریف لے گئے تھے، جانے سے قبل زیارتِ قبور کے متعلق ایک عریضہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا، حضرتؒ نے ان کو سنت کے مطابق زیارتِ قبور کا طریقہ تحریر فرما دیا لیکن وہ

گرامی نامہ کہیں گم ہوگیا۔ آپ نے واپسی پر دوبارہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اس کی فرمائش کی چنانچہ مولانا کے عریضہ کا اور حضرت صاحبؒ کے گرامی نامہ کا صرف وہ حصہ جو زیارتِ قبور سے متعلق ہے پیش کیا جاتا ہے:۔

عریضہ: آداب واحترام کے بعد دست بستہ گذارش ہے کہ سیہ کار بحمدہ الکریم جشن صدسالہ دارالعلوم دیوبند اور پھر وہاں سے سہارنپور، دہلی، لکھنؤ وغیرہ ہوتے ہوئے بخیر وعافیت گذشتہ ماہ واپس پہنچا۔ ہر جگہ اولیائے کرام کے مزاراتِ مبارکہ پر آپ کے ارشاد فرمودہ مبارک طریقہ پر مراقبہ برائے فیوضاتِ روحانی حسب وقت وموقع کرتا رہا، اور بہت فائدہ محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے خزانۂ عامرہ سے از حد خوب مالامال فرمائے کہ مجھ جیسے نالائق وسیہ کار کو اپنی شفقت ومحبت بزرگانہ کریمانہ سے مشرف ہونے کا موقع وسعادۃ بخشتے ہیں۔ خاص کر سید الطائفہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مزار منور پر تو از حد دل لگا اور بہت سکون ومسرت نصیب ہوا۔ البتہ اس عظیم خوشی کے ساتھ بعد میں یہ افسوسناک صدمہ بھی مقدر میں تھا کہ آپ کا وہ پیارا ونفیس خط جو حرزِ جاں تھا اور اس مبارک جگہ میں نکال کر مکرر پڑھا بھی تھا۔ بعض ذی علم حضرات نے بھی دیکھ کر پسند کیا تھا وہ کہیں کھو گیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(دو تین سطروں کے بعد) بہزار ادب درجواب کرتا ہوں کہ "حصول فیوضاتِ روحانی از قبور اولیاء کرام" مع اجازت کریمانہ برائے سیہ کار دوبارہ زیب قرطاس فرما کر اس ذرہ نوازی سے بے کار کو نوازیں تو ہمیشہ ہمیشہ اس کے لئے بطور خاص ممنون ومتشکر رہے گا۔ الخ

جواب:۔ جب کسی بزرگ کی قبر کے پاس جائے تو عام زیارتِ قبور کے طریقے پر جوتا اتار دے اور پائنتی کی طرف سے جا کر میت کے منہ کے سامنے کھڑا ہو جائے اس طرح کہ زائر کی پیٹھ قبلہ کی سمت ہوگی اور اس کا منہ میت کی طرف ہو جائے گا۔ پائنتی کی طرف سے آنے کی گنجائش ہوتے ہوئے سرہانے کی جانب سے نہ آئے اور مجبوری کی صورت میں اس کا مضائقہ نہیں کہ کسی جانب سے بھی آئے۔ اسی طرح اگر قبلہ کی جانب کھڑا ہونے کی گنجائش نہ ہو تو جہاں اور جس طرف گنجائش ہو کھڑا ہو جائے اور سلام مسنون جو زیارتِ قبور کے لئے ماثور ہے پڑھے۔ اس کے بعد حسب توفیق قرآن شریف میں سے کچھ پڑھ کر اس کا ایصالِ ثواب اس بزرگ اور وہاں کے جملہ اہلِ قبور کی خدمت میں ہدیہ کرے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ شریف۔ الم تا مفلحون، آیۃ الکرسی، آمن الرسول تا آخر سورہ، الھکم التکاثر، ایک ایک بار، سورۃ اخلاص کم از کم تین بار، سورۃ فلق سورہ والناس، یا اور جو کچھ ہو سکے پڑھ کر اس کا ایصال ثواب پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو پیش کرے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام انبیائے کرام واولیائے عظام اور صاحب قبر و جملہ اہلِ قبور وعامۃ المسلمین والمسلمات کی ارواحِ مبارکہ کو ایصالِ ثواب کرے۔ یہاں تک عام زیارت کا

طریقہ ہے۔ اب اسی جگہ اس بزرگ صاحب قبر کے سامنے مراقبہ میں بیٹھ جائے اور اخذِ فیض اس طرح کرے کہ اپنے آپ کو تمام خیالات سے خالی کرے اور حضورِ قلب کے ساتھ صاحب قبر کی جانب متوجہ ہو جائے اور یہ خیال کرے کہ گویا اس بزرگ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس بزرگ کے سینے میں یعنی اس کے لطائف عالم امر و خلق میں فیض آرہا ہے اور اس کے سینے ولطائف سے میرے سینے ولطائف بلکہ جسم کے رونگٹے رونگٹے میں فیض وارد ہو رہا ہے اور میرے تمام لطائف اور رواں رواں اس فیض کو جذب کر رہا ہے جس طرح بارش جب ریت والی جگہ پر برستی ہے تو وہ ریت اس کو جذب کر لیتا ہے گویا کہ میرے لطائف بھی اس فیض کو اسی طرح جذب کر رہے ہیں۔ اس خیال میں جب تک طبیعت چاہے یا وقت کی گنجائش ہو بیٹھا ہوا فیض حاصل کرتا رہے اور اسی میں محو ہو جائے کسی اور طرف خیال نہ کرے اگر خود بخود کوئی وارد دل پر گذرے تو اس کو منجانب اللہ سمجھے اپنی طرف سے خیال کے ساتھ نہ تراشے خود بخود جو کچھ آئے وہ اس بزرگ کی طرف سے ہوگا اور وہ اس بزرگ کی نسبت ہوگی۔ اگر وقت کی گنجائش ہو تو اپنے تمام باطنی اسباق کا وہاں بیٹھ کر اعادہ کرے اور تھوڑی دیر تمام لطائف پر مراقبہ کر کے اخذِ فیض بطریق مذکور کرے انشاء اللہ صاحب مزار بزرگ کے فیض سے فیضیاب ہوگا۔

(۴)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے اپنے مجاز جناب ماسٹر عبدالکریم صاحبؒ کو جو مکتوبات تحریر فرمائے تھے ان میں سے چند دستیاب ہوئے ہیں جن کے اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

(الف) گرامی نامہ موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا۔ اللھم زد فزد۔ اللہ پاک اپنی محبت و معرفت بیش از بیش عنایت فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر ایمان پر نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔ مراقبہ جس قدر آسانی سے ہو سکے کر لیا کریں، زیادہ محنت برداشت کرنا جس سے بیماری لاحق ہونے کا خطرہ اور آئندہ رکاوٹ کا باعث ہو نامناسب ہے لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا، البتہ اگر بیٹھ کر نہ ہو سکے تو لیٹ کر بھی یا سہارا تکیہ وغیرہ کا لگا کر بھی مراقبہ و دیگر اشغال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے کہ مجھے قیام اور قعود کی حالت میں اور اپنی کروٹوں کے بل بھی یعنی ہر حالت میں یاد کیا کرو۔ نیند آجانے سے جو معمولات میں کمی ہو جاتی ہے اس کا خیال نہ کریں بلکہ باقی ماندہ معمولات دوسرے وقتوں میں پورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ نیند بُری نہیں ہے بلکہ استغراق کی ہے جو محمود ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

(ب) آپ حلقہ و مراقبہ وغیرہ میں اتنی ہی دیر بیٹھا کریں جتنی دیر با آسانی بغیر کسی تکلیف کے بیٹھ سکیں اس کے بعد دعا مانگ کر الگ ہو جایا کریں اور ریاح کو زیادہ دیر روکنے کی کوشش نہ کیا کریں کیونکہ اس سے آپ کی بیماری میں زیادتی ہوتی ہے، مراقبہ و ذکر وغیرہ کے لئے وضو شرط نہیں ہے البتہ مستحب اور بہتر ہے

اس لئے بغیر تکلیف کے جسقدر یہ سعادت نصیب ہو حاصل کریں اور مرض کی زیادتی کے خطرہ کے تحت جب وضو جاتا رہے تو بلا وضو ہی مراقبہ وغیرہ کر لیا کریں کوئی مضائقہ نہ سمجھیں البتہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جب حلقہ میں بیٹھتے ہیں تو زیادہ تکلیف دہ ہے کیونکہ مجلس میں ریاح کا خارج کرنا خلاف تہذیب و تکلیف دہ امر ہے پس جسقدر حلقہ بآسانی حاصل ہو سکے شامل ہو کر پھر دعا مانگ کر الگ ہو جایا کریں۔ اسی طرح مجالس وعظ وغیرہ کی شمولیت سے پرہیز کریں اور اس کی بجائے اپنے گھر پر مطالعہ کتب سے استفادہ کریں اور مواعظ کے سلسلہ میں حضرت مولنا مولوی اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ جو کتب خانہ اشرفیہ بندر روڈ وغیرہ سے مل سکتے ہیں زیر مطالعہ رکھنا کافی ہے۔ جوارش جالینوس اس مرض میں مفید ثابت ہوتی ہے اگر صحیح نسخہ بنوا کر استعمال کریں تو امید ہے کہ آپ کو بھی فائدہ دے یا اور جو ادویات آپ کو مفید ہوں ضرور جاری رکھیں تاکہ ریاح کا اخراج ہوتا رہے اور اس کا بننا کم ہو جائے۔ ذکر و دورۂ اسباق جسقدر ہو سکے ضرور کرتے رہیں۔

(ج) گرامی نامہ شرف صدور ہو کر کاشف حالات ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ آجکل سردی کا موسم ہے اس لئے آپ کو اگلے سبق ذکر نفی اثبات بہ حبس دم کی اجازت ہے۔ صوفی محمد احمد صاحب سے اس کی ترکیب سمجھ لیں اور شروع کر دیں کیونکہ اس ذکر سے حرارت قلبی کے ساتھ حرارت جسمی بڑھ جاتی ہے اس لئے سردی میں کیا جاتا ہے۔ اب موقع اچھا ہے پابندی سے کر لیا کریں مگر اس قدر کریں جسقدر طبیعت بآسانی برداشت کر سکے اور صحت پر کوئی مضر اثر نہ پڑے پھر آہستہ آہستہ اضافہ کریں اور روغن و مقوی و زود ہضم غذا بادام وغیرہ کا استعمال اس دوران میں کرتے رہیں انشاء اللہ العزیز بہتری ہوگی۔ حالات پیش آمدہ سے اطلاع دیتے رہیں۔

(د) گرامی نامہ موصول ہو کر کاشف حالات ہوا۔ پڑھ کر اطمینان و مسرت حاصل ہوئی ۔ ۔ ۔ ذکر نفی اثبات جبتک بآسانی برداشت ہو سکے کرتے رہیں کیونکہ اب گرمی کا موسم آتا جا رہا ہے جس وقت گرمی زیادہ بڑھ جائے اور طبیعت برداشت نہ کر سکے تو ترک کر دیں اور اس کے بعد نفی اثبات بہ تہلیل لسانی شروع کر دیں اور جسقدر زیادہ کر سکتے ہوں کریں ۔ ۔ ۔ تفصیلی ترکیب صوفی محمد احمد صاحب سے معلوم کر لیں اور جو حالات پیش آئیں اُن سے مطلع کرتے رہیں انشاء اللہ ترقی ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ عربی اسباق میں جو آپ شمولیت فرماتے رہے ہیں اس عاجز کا خیال ہے کہ اب آپ اسے ترک کر کے اشغال میں پابندی کے ساتھ وقت لگائیں کیونکہ توجہ ادھر بٹ جاتی ہے اور اسباق کی تکمیل میں حرج واقع ہوتا ہے۔ ماسٹر محمد احمد صاحب کے پاس جانے میں بھی پابندی فرمائیں بلکہ ہفتہ واری اجتماع کے علاوہ بھی تشریف لے جایا کریں تاکہ اسباق کی خامی دور ہو جائے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ۔ ۔ ۔ لطائف کے ذکر کا اعادہ روزانہ کر لیا کریں۔ آجکل رمضان المبارک میں تلاوت قرآن پاک و نوافل کی کثرت کریں لیکن صحت کی حفاظت لازمی چیز ہے اس لئے استطاعت سے زیادہ بوجھ طبیعت پر نہ ڈالیں۔

ان آیاتِ کریمہ میں شعر و شاعری کی جو مذمت آئی ہے اور شعراء کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ان کی پیروی میں بے راہوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو شاعر کے کلام کو دوسروں کے سامنے نقل کرتی پھرتی ہے۔ اس سے مراد شعر کہنے والے تمام شعراء نہیں بلکہ ہبیرہ بن وہب اور امیہ بن ابی الصلت جیسے شاعر ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے۔ نیز مذکورہ آیات کے آخر میں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کہہ کر ایسے شاعروں کو اس مذمت سے مستثنیٰ کر دیا گیا جن میں یہ چار شرطیں پائی جاتی ہیں۔

(الف) جو مومن ہوں۔

(ب) اعمال کے اعتبار سے وہ نیک و صالح ہوں۔ یعنی ان کے تمام اعمال و اقوال شریعت کے تابع ہوں۔

(ج) وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوں اشعار کے ذریعے بھی اور اپنے اقوال و افعال میں بھی۔

(د) وہ اپنے اوپر ظلم و زیادتی ہونے کے بعد بدلہ لیتے ہوں۔

شاعری احادیث کی روشنی میں شاعری دراصل خیالات کا تانا بانا ہے۔ اس کا عمل و تحقیق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں میں شاعری بڑے عروج پر تھی۔ عام طور پر اشعار کا مضمون لغو، نامعقول، جھوٹ اور مبالغہ آمیزی پر مبنی ہوتا تھا۔ ایسے اشعار کہنے والوں کے نہ تو اپنے اعمال و اخلاق اور عادات و اطوار درست ہوتے تھے اور نہ ان اشعار کو پڑھنے اور سننے والوں کی اصلاح ہوتی تھی۔ یہ شعراء اپنی تمام تر قوت و توانائی اور سارا زورِ بیان باہم ایک دوسرے کی ہجو کرنے، جھوٹی اور مبالغہ آمیز بندشیں باندھنے، طعن و تشنیع کرنے اور جو شخص لائق مدح نہ ہو اس کی مدح کرنے اور لائقِ مدح کی تنقیص و ہجو کرنے پر صرف کرتے تھے۔ ایسے ہی شعراء کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ شعر کو جوف (پیٹ) میں بھرنے سے کچلہو (پیپ) بھرنا بہتر ہے:

حدیث شریف: لَاَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ اَحَدِكُمْ قَيْحًا حَتّٰى يَرِيَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا۔ (الحکمۃ الانسانی) [اگر تم میں سے کسی کے پیٹ میں پیپ بھری ہو کہ وہ اس سے بگڑ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے پیٹ میں شعر بھرے ہوں] ـــــ خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر محمد بن فضلہ کو ان کے عہدے سے اس بنا پر برخاست کر دیا تھا کہ وہ فحش اشعار کہا کرتے تھے ـــــ اس کے برعکس اگر اشعار کا مضمون حمد و نعت، حکمت و دانائی، وعظ و نصیحت اور پاکیزہ و سچے خیالات پر مشتمل ہو تو وہ پسندیدہ اور ثواب کے حامل ہیں اور ایسے اشعار کی تائید میں بہت سی

روایات منقول ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" شعر اپنی ذات میں نہ اچھا ہے اور نہ برا بلکہ نثر کلام کی طرح اپنے مضمون اور مقصود کے اعتبار سے اچھا بھی ہو سکتا ہے برا بھی"۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "میری طرف سے (کفار کی ہجو کا) جواب دو۔ اے اللہ! اس (حسان) کی روح القدس کے ساتھ تائید کر"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" اچھا شعر اچھے کلام کی مانند ہے اور قبیح یعنی برا شعر برے کلام کی مانند ہے"۔

علامہ طبری نے کبار صحابہؓ اور کبار تابعین کے متعلق بیان کیا کہ وہ شعر کہتے اور لوگوں کو سنایا کرتے تھے اور لوگوں سے ان کے اشعار سنتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شعر کہا کرتی تھیں۔ فتح الباری میں ہے کہ ابویعلی نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ" شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور مضمون برا یا گناہ (کی رغبت دلانے) والا ہے تو شعر برا ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور اقوال صحابہؓ سے اس بات کی صراحت و وضاحت ہو جاتی ہے کہ شاعری فی نفسہٖ بری نہیں بلکہ جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا، یا ناحق کسی انسان کی مذمت یا توہین کرتا ہو، یا اس میں فحش خیالات ہوں تو ایسا شعر مذموم ہے اور جو اشعار ایسی خرافات اور فاسد خیالات سے پاک ہوں وہ مذموم نہیں اور جو اشعار اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہوں، یا وعظ و نصیحت اور حکیمانہ مضامین پر مشتمل ہوں، یا قوم و ملت کی اصلاح کی غرض سے کہے گئے ہوں وہ طاعت و ثواب میں داخل ہیں۔ یہی حکم نثر کلام کا ہے۔ نیز شرعی اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم و فن مذموم ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی شاعری حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا تجزیہ تو مشہور شاعر محترم جناب ڈاکٹر حنیف احمد اسدی صاحب کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شعر و سخن کا بہت صاف ستھرا اور فطری ذوق ودیعت ہوا تھا۔ آپ ایک خوش الحان اور پُر درد شاعر تھے۔ آواز میں ایک خاص سوز تھا شعر گوئی کی ابتدا اسکول کے زمانہ ہی سے ہو گئی تھی اور اسکول ہی کے زمانہ میں اس فن میں ایسی دسترس

شاہ صاحبؒ بہ حیثیت شاعر

(از جناب ڈاکٹر حنیف احمد اسدی صاحب بی اے (علیگ)

حضرت شاہ صاحبؒ کی سوانح عمری لکھی جانے لگی تو اُن کے حلقہ بگوشوں کو اس امر کا بھی احساس ہوا کہ حضرتؒ کی زندگی کا ایک پہلو تو تشنہ رہا جاتا ہے۔ یوں تو اُن کے کمالات کی فہرست طویل ہے۔ وہ علوم دینی و دنیوی سے بہرہ ور شخصیت تھے۔ ایک کامل بزرگ اور قرآن و حدیث اور فقہ پر اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اُن کے روحانی ارتفاع کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ ان کے مرتبہ کو وہی جان سکتا ہے جو اُن کے برابر کا درجہ رکھتا ہو اور یا ان سے بھی زیادہ بلند مرتبت ہو۔ مجھ ہیچمداں کو اُن کی حیات کے کسی بھی پہلو پر قلم اٹھانے کی جرأت نہیں مگر احباب کے حکم کی تعمیل میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے ایک مخفی پہلو پر چند سطور لکھنے پر مجبور ہوا ہوں۔ سوائے ایک مخصوص حلقہ کے عام طور پر لوگوں کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ حضرت کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ وہ ایک اچھے سخن فہم ہی نہیں ایک بلند ذوق سخن گو بھی تھے۔ آپ زوّار تخلص فرماتے تھے۔ نثر نگاری میں تو وہ ایک صاحبِ مقام اور نمایاں شخصیت کا درجہ رکھتے ہیں اور متعدد تصانیف اُن سے یادگار ہیں مگر شاعر کے لحاظ سے حضرت پر گو ضرور تھے مگر کم گو تھے۔ مجھے آپ کی خدمت میں حاضری کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت نے مجھ سے میرا نعتیہ کلام بھی سنا ہے اور ہمیشہ داد و تحسین سے بھی نوازا ہے۔ میں نے اُن کو بڑا سخن شناس پایا مگر یہ بات میرے علم میں بھی نہ تھی کہ خود حضرت بھی مشقِ سخن فرماتے ہیں۔

میرے سامنے اُن کا بڑا مختصر سا کلام ہے۔ ایک حمد ایک نعت، دو منقبتیں اور ایک کسی خاص موقع پر لکھی ہوئی الوداعی نظم۔ ان چند نظموں سے دو باتیں سامنے آتی ہیں: اول یہ کہ شاہ صاحب قبلہ شعر بھی کہتے تھے اور اس بارے میں بھی بڑے ستھرے مذاق کے مالک تھے۔ دوسرے یہ کہ دوسرے شعراء کی طرح حضرت نے اپنا زیادہ وقت شاعری کو نہیں دیا ورنہ ان کے یہاں بھی غزلیات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہوتا۔ شاعری کارِ بے کاراں ہے، عام طور پر تسکینِ نفس اور لطف و لذت کے لئے شعر کہے جاتے ہیں اور اکثر شعرا کا کلام لہو و لعب کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر اللہ والوں نے اس بے مصرف صنعت سے بھی بڑا پاکیزہ کام لیا ہے۔ ان کی شاعری کا ایک مقصد ہوتا ہے اور سچے جذبات کی ترجمانی کے لئے اُسے استعمال کیا جاتا ہے۔ تبلیغ دین اور اصلاح نفس جیسے اہم مقاصد کے لئے شعر کہنے والوں کی

ادا ہی جدا ہے۔ ہمارے شاہ صاحبؒ کی شاعری بھی انہی حدود کے دائرہ میں سفر کرتی ہے۔ اُن کے خیالات پاکیزہ، مضامین پاکیزہ تر، بیان سلجھا ہوا، زبان سلیس اور فکر محتاط و متوازن ہے۔ اور ان کی شاعری دوسرے ثقہ شعراء کی طرح صرف حمد، نعت اور منقبت تک محدود ہے۔

حمد، نعت اور منقبت تینوں علیحدہ علیحدہ اصنافِ سخن ہیں۔ حمد خدائے واحد کی تعریف و ثنا کا نام ہے۔ نعت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں دلی جذبات کے اظہار کو کہتے ہیں۔ اور منقبت کسی بھی بندۂ خدا کی حیات و صفات پر رائے زنی کے لئے لکھی جاتی ہے۔ ان تینوں اصنافِ سخن کا اپنا اپنا مقام ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ثنا آسان ہے۔ انسان نے خدائے بزرگ و برتر کی شان میں اپنے علم و شعور اور وجدان کی حد تک جو چاہا لکھ دیا۔ اس کے لئے نہ کوئی حد ہے اور نہ کسی مبالغہ یا افترا کا امکان۔ اللہ جل جلالہٗ کے لئے جو کچھ بھی کہا جائے وہ اس کی ذات بے حد کے لئے کم ہے۔ مگر نعت کا عجیب معاملہ ہے حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ بابرکات کو نہ ہم بڑھا سکتے ہیں کہ نعت، حمد کی حدود کو چھو لے، اور نہ کم کر سکتے ہیں کہ اس عمل سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی تنقیص کا خطرہ لاحق ہے۔ ان حدود میں رہ کر نعت کہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ نعت کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو عام شعرائے کرام کے علاوہ بعض ثقہ شعرا نے بھی عجیب عجیب باتیں کی ہیں اور خدا اور رسولؐ کے مناصب و مناقب کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ اسی طرح منقبت میں مبالغہ آمیزی اس صنفِ سخن کو یا تو حمد کے قریب لے جاتی ہے یا نعت کی حدود میں داخل کر دیتی ہے اور شاعر اپنی لاعلمی میں کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ حمد، نعت اور منقبت کی صحیح درجہ بندی کے لئے دین کا حقیقی شعور درکار ہے۔ اس روشنی میں جب ہم حضرت زوار شاہ صاحبؒ قبلہ کی شاعری کو دیکھتے ہیں تو ہمیں واضح طور پہ محسوس ہوتا ہے کہ اس ضمن میں اُن کا بڑا محتاط رویہ ہے، اُن کی فکر محتاط اور متوازن ہے اور اُن کے اظہارِ بیان میں پاکیزگی اور نظافت پائی جاتی ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی عظمت و بزرگی بیان کرتے ہوئے وہ ایک عاجز بندہ کی طرح مقامِ عبدیت پر فائز نظر آتے ہیں ؎

آب و گِل کو تن دیا اور تن کو بخشی جانِ پاک
رُتبہ انسان کو دیا فِیۡۤ اَحۡسَنِ التَّقۡوِیۡم کا

اور جب وہ نعت کی طرف تشریف لاتے ہیں تو اُن کو اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور وہ حسنِ عقیدت سے سرشار ہو کر اس طرح فرماتے ہیں ؎

کس زباں سے میں کروں نعتِ محمدؐ مصطفٰے
میری گویائی ہے عاجز اور تخیل نا رسا

اُن کو اپنے مرشد سے والہانہ عشق ہے۔ شیخ کی محبت میں کہے ہوئے اشعار ان کی قلبی کیفیت کے آئینہ دار ہیں لیکن وہاں بھی جس احتیاط اور قدر مراتب کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ عام شعراء تو کیا بہت سے ثقہ شعراء کے یہاں بھی نہیں ملتا ؎

نگاہِ فیض پڑ جاتی تھی جس پر میرے مرشد کی
محبت اس میں گھر کرتی تھی اللہ اور محمدؐ کی

آپ نے دیکھا کہ مرشد سے اس والہانہ عقیدت کی توجیہ کتنی سچی اور اچھی ہے۔ مرشد کی عظمت ان کی نگاہ میں اس سبب سے ہے کہ وہ اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر شاعری اپنے جذب وکیف، نظافت و پاکیزگی اور احتیاط و توازن کے اعتبار سے حضرت کی روحانیت اور باطنی کیف کا پتہ دیتی ہے اور دوسرے شعراء کے لئے اسبابِ ہدایت فراہم کرتی ہے۔ یہ ان کا فیضِ جاریہ ہے۔ اللہ رب العزت ہم کو بھی اس فیض سے مستفیض فرمائے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ آمین ثم آمین۔

مزید عرض

اب ہم محترم ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب کی بیاض سے شاعری کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی معلومات اور اُن کی اعلیٰ قابلیت کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

کل بروز اتوار ۲۳ نومبر ۱۹۷۵ء کو حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مکتوباتِ معصومیہ کے ایک شعر کے بارے میں غور ہوا کہ یہ کس طرح ہے۔ شعر اس طرح لکھا ہوا ہے ؎

روم بدوزرخ وشکر بہشت باید گفت　　　که ایں بہ نزدِ مکافاتِ من بہشتِ من است

مُزد (یہ تصحیح ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب کی ہے)

میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب کی تصحیح درست معلوم ہوتی ہے "مزد" کو "مکافات" کی طرف اضافت کے

بغیر پڑھنا پڑے گا تب معنی درست ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر وزن کے مطابق نہ رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ زحاف شمار کیا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اضافت میں زحاف جائز نہیں۔

پھر اس پر گفتگو ہوئی کہ دوسرے مصرعہ میں یہ لفظ "کہ این" ہے یا "کیں"۔ میں نے عرض کیا کہ یہ پہلے مصرعہ کے "روم" کے وزن پر "کہ این" ہے۔ فرمایا کہ ہاں "دند مجبوع" ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو علم عروض بھی کتنا مستحضر ہے۔

۳۰ ۵ ۱۱ ء بروز اتوار۔ تقریباً سوا تین بجے حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ مغرب کے تھوڑی دیر بعد تک "مکتوبات معصومیہ" اور "طریقہ حج اور زیارات کی جامع اور مفصل دعائیں" پر علمی گفتگو رہی۔

گزشتہ اتوار کو اس شعر پر گفتگو ہوئی تھی کہ اس میں کیا کمی ہے۔ یہ شعر مکتوبات معصومیہ میں ہے ؎

ازاں روے کہ چشم تست احول   معبود تو پیر تست اول

میں نے عرض کیا تھا کہ بظاہر دوسرے مصرعہ میں لفظ "کہ" لگا دیا جائے تو وزن پورا ہو جائے گا اور اس کا مطلب لینے میں پہلے مصرعہ کا مفہوم مقدم ہوگا یعنی یہ بات کہ تیرا پیر تیرا معبود اول ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تیری آنکھ بھینگی ہے۔"

آج حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ دراصل مثنوی کا وزن ہے اور مثنوی کے وزن متعدد ہوتے ہیں مثلاً "مثنوی گلزار نسیم" کا وزن یہ ہے۔ یہ کہہ کر مثنوی گلزار نسیم کے دس بارہ شعر پڑھ دیئے۔ پھر فرمایا کہ یہ شعر بھی مثنوی کے وزن میں اور دوسرے مصرعہ میں کسی اضافے کی بجائے پہلے مصرعہ میں "ازاں" کے بجائے "زاں" ہے۔

مکتوبات معصومیہ کے ایک اور شعر پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شعر یہ تھا :-

لا و ہو در سرائے روز بہی   بازگشتند و جیب و کیسہ تہی

اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک وقت وہ آتا ہے جب ذکر خواہ وہ نفی و اثبات ہو مفید نہیں رہتا بلکہ وہ فکر کی منزل ہوتی ہے اور اس وقت ابتدائے قرب بالنوافل حاصل ہوتا ہے اور اس مرحلہ پر تلاوت قرآن، کثرت نوافل، قرآن و حدیث کی تدریس، تبلیغ اور تصنیف و تالیف سے فائدہ ہوتا ہے۔ پھر قرب بالفرائض کا درجہ آتا ہے جس میں فرائض کی بدرجۂ اتم ادائیگی خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقررہ ہوں یا بندوں کے، یا اور کوئی فرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کیا گیا ہو، مفید ہوتی ہے ——— حضرت شاہ صاحبؒ کا شغلہ تصنیف و تالیف ہے اور اس موقع پر مجھے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی یہ بات یاد آرہی ہے کہ عالم کا اصل کام تدریس نہیں بلکہ تصنیف و تالیف ہے۔

اب ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ نظموں کے چند نمونے پیش کرتے ہیں :-

حضرت شاہ صاحبؒ کی چند نظمیں

(مندرجہ ذیل "حمد و نعت" حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ابتدائی دور کی یادگار ہیں کیونکہ یہ دونوں اس "عمدۃ السلوک" حصہ دوم کے آغاز میں درج ہیں

حمدِ باری عز اسمہ

حمد کے لائق ہے یارب تیری ذاتِ کبریا
امرِ کُن میں رازِ تخلیقِ جہاں مضمر کیا

گنبدِ گردوں کو بخشے انجم و شمس و قمر
انجم و شمس و قمر کو دے دیا نور و ضیا

ابر کو باراں عطا کی خاک کو روئیدگی
گل کو بخشا رنگ و بُو اور شاخِ تر کو پھل دیا

کر دیا مٹی کو تو نے لعل و گوہر سیم و زر
قطرۂ باراں کو تو نے لؤلوئے لالہ کیا

آب و گِل کو تن دیا اور تن کو بخشی جانِ پاک
رتبہ انساں کو دیا فِیٓ اَحۡسَنِ التَّقۡوِیۡم کا

انبیاءؑ و مرسلینؑ بھیجے ہدایت کے لئے
چار سو عالم میں پھر توحید کا چرچا ہوا

خیر امت میں کیا مبعوث ختم المرسلینؐ
معجزہ اس فخرِ عالمؐ کو دیا قرآن کا

بھیج یارب سرورِ دیں پر ہزاروں رحمتیں
آلؓ اور اصحابؓ پر بھی روز و شب صبح و مسا

نعتِ سرورِ کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات

کس زباں سے میں کروں نعتِ محمدؐ مصطفٰے
میری گویائی ہے عاجز اور تخیل نارسا

آپؐ کی مدحت سرا توریت و انجیل و زبور
آپ کی تعریف میں رطب اللساں فرقانِ نور

ذرہ ذرہ آپؐ کی ختمِ رسالت پر شہید
قطرہ قطرہ آپ کے دستِ سخاوت کی چکید

باعثِ تخلیقِ عالم رحمۃٌ للعالمینؐ
سرورِ دیں فخرِ موجودات ختم المرسلینؐ

کحلِ مَازَاغَ الۡبَصَرُ سے چشمِ باطن کی کشود
اسوۂ حسنہ سراجِ سالکِ ربِّ ودود

ہے سراپا نور ہی نور آپؐ کی ذاتِ کریم
ہے مجسم جود ہی جود آپؐ کا خلقِ عظیم

آپؐ کی ذاتِ گرامی محرمِ ربِّ العُلیٰ
آپؐ کے ذکرِ شرف کا ہے خود رافع خدا

میں ہوں شیدائے محمدؐ غم مجھے زوّار کیا
ہیں محمدؐ مصطفٰے جب شافعِ روزِ جزا

(مندرجہ ذیل "الوداعی نظم" حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی غیر مطبوعہ نظموں میں سے ہے جو بالکل ابتدائی عمر کی نظم ہے جو کسی اسکول میں پڑھی گئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے ابتدا میں شمسی تخلص اختیار فرمایا تھا۔

الوداعی نظم

کس فصل کی رخصت پہ چمن خاک بسر ہے — کس رنج والم کا رخِ گل چیں پہ اثر ہے
کس گُل کی جدائی سے پریشان ہے بُلبل — گلشن ہے کہ صد حسرت و آلام کا گھر ہے
کس کے غمِ فرقت میں ہے گل چاک گریباں — کیوں داغ سے پُر لالہ و نرگس کا جگر ہے
طوطی ہے کہیں نوحہ کناں اور کہیں قمری — طائرِ بے غم غم و آلام اثر ہے
سنبل ہے پراگندہ تو ہے سرو بھی حیراں — حسرت کا مرقع یہاں ہر ایک شجر ہے
کس غم میں ہوئی دیدۂ پر آب ہے شبنم — کیوں آہ کشِ رنج والم بادِ سحر ہے

گلشن سے وداع ہوتے ہیں نہالانِ چمن آج
افسوس جدا ہوتے ہیں یارانِ چمن آج

اک وقت وہ تھا باغ تھا سرسبز سراسر — پودے کہیں شاداب کہیں گل تھے معطّر
ہم غم سے تھے واقف نہ الم سے تھے خبردار — رنج اور خوشی اپنے لئے سب تھے برابر
گہ روٹھتے تھے لڑکے کبھی مِلتے تھے باہم — گہ ہوتے تھے دشمن کبھی بنتے تھے برادر
اجلاس میں میدان میں اور سیر گہوں میں — بارونق و پُر شور تھا ہر ایک ہی منظر
لیکن یہ گیا وقت گذر چشمِ زدن میں — یہ عیش یہ آرام ہوئے آج مکدّر

رہنے نہ دیا چین سے اس چرخِ کہن نے
یاروں سے جُدا کر دیا دورانِ زمن نے

اے دوستو! گو ہم کو گوارا نہیں فرقت — لیکن ہے تمہارے لئے غربت ہی میں عزّت
تکلیف اٹھاؤ عمل و علم کماؤ — محنت سے ہی دنیا میں ہے انسان کو راحت
غفلت سے گذارو نہ کوئی دم بھی عزیزو — بربادئ اقوام کا باعث ہے یہ غفلت
عزّت ہے یہی عشرت و راحت ہے اسی میں — پڑھ لکھ کے کرو ملک کی اور قوم کی خدمت
داناؤں کا یہ قول ہو معمول ہمارا — اے دوستو! یہ فرصت اندک ہے غنیمت
شمسی کی دعا ہے کہ رہو پھولتے پھلتے — ہو شاملِ احوال سدا رحمت و برکت

یہ اوجِ ترقی ہو مبارک تمہیں بچو
اور یاد دعا خیر میں رکھنا ہمیں بچو

یادِ مرشد، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری علیہ الرحمۃ کے حالات میں "حیاتِ سعیدیہ" کے نام سے ایک مفصل سوانح مرتب فرمائی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے شیخ کی یاد میں ایک بڑی پرسوز اور درد انگیز نظم بھی درج کی ہے جس میں آپ کے جذبات و عقیدت کی عکاسی اور حضرت شیخ کی عظمت و بزرگی کی شان نمایاں ہے، نیز اس نظم سے آپ کی بلند پایہ شاعری کا بھی اندازہ ہوتا ہے:-

مجھے پھر آج وہ دورِ گذشتہ یاد آتا ہے
خیالِ یادِ مرشد میرے دل کو گدگداتا ہے

وہ شمسِ معرفت شیخِ طریقت عارفِ کامل
وہ دانائے شریعت رہبرِ حق، واقفِ منزل

مرے مولا مرے مرشد سعیدِ ہاشمی قرشی
وہ حنفی نقشبندی سہروردی قادری چشتی

مجازِ خواجۂ فضلِ علیؒ شاہ، غوثِ صمدانی
مجددِ الفِ ثانیؒ کی محبت میں جو تھے فانی

کروں توصیفِ مرشد یہ کہاں تاب و تواں میری
تخیل میرا ناقص نامکمل ہے زباں میری

جمیل و صائب الرائے، حسنِ سیرت جمیل صورت
وہ زاہد متقی، صاحب نظر، صاحب دل و اُلفت

توکل صبر و تسلیم و رضا و شکرِ ربانی
تواضع بندگی بندہ نوازی خندہ پیشانی

تبسم ہی تبسم تھی سراسر گفتگو اُن کی
محمدؐ کی غلامی تھی ہمیشہ آرزو اُن کی

لطافت میں نظافت میں وہ تقوی اور طہارت میں
وہ عفت میں شرافت میں سخاوت میں شجاعت میں

چلن میں سادگی میں وضع میں الطاف و رحمت میں
عمل میں حلم میں عفو و کرم میں اور طاعت میں

وہ اخلاقِ محمدؐ کا سراپا اک نمونہ تھا
کہ آغوشِ شریعت میں اُسے فطرت نے پالا تھا

بہاول پور میں ہے شہرِ احمد پور شرقیہ
وہی تھا مولد و مسکن ہمارے پیر و مرشد کا

وہ دہلی، پانی پت، کرنال، رہتک اور گوہانہ
وہ کیتھل، گڑگانوہ کا ندھلہ، انبالہ، کیرانہ

وہ اِن شہروں میں جب تبلیغ کو تشریف لاتے تھے
ہزاروں اُن کی صحبت سے مسلماں فیض پاتے تھے

عجب پُرکیف تھا پُرجذب تھا اُس وقت کا منظر
کہ اللہ اور نبیؐ کے ذکر کا چرچا ہوا گھر گھر

نگاہِ فیض پڑ جاتی تھی جس پر میرے مرشد کی
محبت اس میں گھر کرتی تھی اللہ کی محمدؐ کی

وہ جب اک بار تھے کرنال میں تبلیغ کو آئے
اُنھیں اسلام کی خدمات کے جذبات تھے لائے

ہوئے بیمار اُٹھا دردِ گردہ سخت شدت کا
اُنھیں لے آئے پانی پت نہ جب آرام جاں آیا

دوا کرتے رہے جوں جوں مرض بڑھتا ہی جاتا تھا
بالآخر آ گئی اَجلِ مسمّیٰ درد نے چھوڑا

کٹائے بال اور پوشاک بدلی ہاتھ منہ دھویا
ہوئی رحلت کی تیاری بسوئے عالمِ بالا

رہی اک روز تک حالت پھر استغراق کی طاری
مگر قلب و زباں پر ذکر تھا اللہ کا جاری

ربیع الثانی تیرہ سو تریسٹھ سالِ ہجری تھا | بروزِ جمعہ تھی انیسویں رختِ سفر باندھا
تیمم سے نمازِ ظہر اداکی نزع تھا طاری | ہوئی پھر روح کی پرواز سوئے حضرتِ باری
بنااس سرزمینِ اولیا میں آپ کا مرقد | بنا حکمِ خدا سے پانی پت میں آپ کا مشہد
کہاں تک اب سناؤں داستانِ غم مرے بھائی | نہیں باقی ہے اب میری زباں میں تابِ گویائی
تمنا ہے ترے زوّار کی، مولا عطا کر دے | مرے قلب و جگر کو حُبِّ مرشد میں فنا کر دے
ہمیں سنت کا تابع کر شریعت کی محبت دے | اور اس پر تا دمِ آخر خدایا استقامت دے
عطا کر دے مرے مولا ہمیں اوصافِ عرفانی | دلوں میں سب مسلمانوں کے بھر دے نورِ ایمانی

ہمارا خاتمہ بالخیر ہو ایمانِ کامل پر
بحقِ مصطفٰےؐ آلِ نبیؐ اصحابِ پیغمبرؐ

ایک اور نظم بھی "یادِ مرشد" کے عنوان سے درج ہے ملاحظہ فرمائیں جو آپ کے جذبات کی ترجمانی اور شاعری کا بہترین شاہکار ہے جس کے ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ نظم حضرت پیر و مرشد قدس سرہ العزیز کے وصال کے بعد مسجد سالار گنج پانی پت میں منعقد ہونے والے سالانہ جلسہ میں خاکسار مؤلف نے پڑھی تھی اسوقت جلسہ میں شامل ہونے کیلئے دہلی سے جاتے ہوئے راستہ میں یہ نظم عجلت میں کہی گئی تھی اب کچھ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ "حیاتِ سعدیہ" کی اشاعتِ ثانی میں شامل کی جاتی ہے۔ (مؤلف)

خوشا اے شہرِ پانی پت کہ برکت کی گھڑی آئی | کہ پھر تیری فضاؤں پر ہے رحمت کی گھٹا چھائی
کہیں تیرے چمن میں غنچہ و گل مسکراتے ہیں | کہیں ہے بلبلِ رنگیں نوا کی نغمہ پیرائی
جوانانِ چمن ہیں آج مستِ بادۂ صافی | نسیمِ صبح نے اک بانکپن سی لی ہے انگڑائی
مجھے بھی آج ذوقِ سخن بیتاب کرتا ہے | مرے دل میں ہے پیدا آرزوئے محفل آرائی
وہ جن کے فیض سے ہر ذرہ مثلِ مہرِ تاباں ہے | اکابر ہستیاں اس شہر میں تشریف ہیں لائی

سنانے کو مسلمانوں کے احکاماتِ ربانی
مرے مرشد کی ہے یہ یادگارِ فیضِ روحانی

تبسم ہی تبسم تھی ادائے گفتگو جس کی | تلطف ہی تلطف جس کا ہر انداز ہوتا تھا
محمدؐ کی غلامی کی سعادت سے مشرف تھا | ولی اللہ تھا اللہ کے پیاروں کا پیارا تھا
شریعت میں وہ راسخ تھا طریقت میں وہ کامل تھا | حقیقت سے وہ واقف تھا فقیری کا سہارا تھا
رضائے حق کا طالب سنتِ نبویؐ پہ عامل تھا | عزیزوں کا دُلارا تھا مریدوں کا وہ پیارا تھا
بتاؤں کیا میں اے زوّار کیا کچھ تھا مرا مرشد | مری آنکھوں کا تارا تھا مرے دل کا سہارا تھا

بالآخر آیا پیغامِ اجل منجانبِ مولا
کہا لبیک اور رخصت ہوئے وہ حضرت والا

مبارک تجھ کو اے زوّار پھر روزِ سعید آیا — تجھے پھر بارِ مرشد نے ہے اس محفل میں بُلوایا
تری سوئی ہوئی تقدیر کے بیدار کرنے کو — محمدؐ کی محبت کا سُنگھانے لخلخہ آیا
خدا کی راہ میں مٹ جا خدا کے نام پر بک جا — یہی ایسی تجارت ہے کہ جس کو بے خطر پایا
مٹا کر اپنی ہستی جب ہوا اللہ سے واصل — تجھے ہر چیز میں اللہ کا جلوہ نظر آیا
شریعت کے یہ خادم ہیں طریقت بھی حقیقت بھی — مجدّد الفِ ثانیؒ نے ہے یہ ارشاد فرمایا

محمدؐ کی غلامی سے سرِ مُو ہو نہ تو باہر
یہی تعلیم دیتے تھے ہمارے مرشد و رہبر

ہزاروں رحمتیں نازل ہوں دائم میرے مرشد پر — اور اُن کے مرقدِ اطہر کو یارب پرضیا کر دے
مقامِ قرب میں یارب انھیں ہر دم ترقی دے — اُنھیں خلدِ بریں میں رتبۂ اعلیٰ عطا کر دے
خدایا دو جہاں میں ان کی اولاد و اقارب کو — سعادتمند کر دے بامراد و باصفا کر دے
اور اُن کے سب مریدوں کو سدا یارب ترقی دے — تو اُن کو کامیاب و کامراں روزِ جزا کر دے
ہمارے سینے تیرے فیض سے معمور ہو جائیں — ہمیں راہِ طریقت میں خداوندا فنا کر دے

ہمیں یارب تو اپنے راستہ پر استقامت دے
نبیؐ اور آل و اصحابِ نبیؐ کی ہم کو الفت دے

۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ زبدۃ الفقہ حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم مکمل ہو کر پریس بھیجنے کی نوبت آئی تو دیکھا کہ ایک صفحہ خالی ہے جب اُس کو پُر کرنے کے لئے کوئی مناسب چیز نہ ملی تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ اور روزہ کے فضائل میں مندرجہ ذیل علیحدہ علیحدہ دو قطعات موزوں فرما دیئے۔ قطعہ

ہے زکوٰۃ اموال کی بھی فرضِ عین و رکنِ دین — منکر اس کا کافر و تارک ہے فاسق بالیقین
جو مسلماں دیتے رہتے ہیں زکوٰۃ اموال کی — رہتے ہیں خوشحال اور بڑھتے ہیں ان کے مال بھی

دیگر

ہے صیامِ ماہِ رمضان فرضِ عین و رکنِ دین — اس کا منکر ہے بلاشک منکرِ شرعِ متین
کسقدر اقبال مندی ہے یہ روزہ دار کی — ہے یہ ارشادِ خداوندی أنا أجزي بہٖ

ملفوظات

(از جناب ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بقا صاحب فاضل دیوبند، ایم اے، پی ایچ ڈی)

[محترم جناب ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب مدظلہ العالی قبل ازیں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں استاذ تھے۔ اسی زمانے میں آپ نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کے ملفوظات جمع کئے تھے۔ آپ کی بیاض کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اس کام کی ابتدا یکم اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء سے کی اور آخری ملفوظ پر ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۷۴ء درج ہے۔ اس کے بعد آپ ماشاء اللہ جامعۃ الملک عبد العزیز کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ میں فقہ کی کتابوں کو اڈٹ کرنے کے اہم کام پر مامور ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ آپ نے جو ملفوظات حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے متعلق جمع کئے تھے وہ ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ (مرتب)]

غوث ہونے کا اشارہ

۵ اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء کو حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ سنہ ۱۹۵۳ء میں جب ہم اور حضرت شاہ صاحبؒ حج کیلئے گئے میرے والد صاحب نے خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے اپنے غوث کی زیارت کرا دے تو آواز آئی کہ غوث تو خود تمہارے ساتھ ہے۔ (یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف اشارہ تھا)

توجہ کا اثر

اسی مجلس میں صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے بھائی طفیل کو ذکر کی طرف رغبت نہ تھی۔ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا اور طفیل کو محفلِ مراقبہ میں لے گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے طفیل پر توجہ ڈالی تو وہ تڑپنے اور رونے چلانے لگا۔ اس کی آواز سنکر ہمسائے چھتوں پر آ گئے اور چلانے لگے کہ صوفی صاحب یہ کیا ظلم ہو رہا ہے اس طرح تو بھائی کو نہ مارو۔

تقویٰ کا اعلیٰ درجہ

۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء کو مسکین پور کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت حافظ غلام حبیب صاحب نے فرمایا کہ حضرت خواجہ فضل علی رح کی طبیعت میں اس درجہ احتیاط تھی کہ درخت کے نیچے پڑا پھل بھی مالک کی اجازت کے بغیر کھا لینا پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک صاحب نے جو عالم تھے حضرت کی بیری کا ایک بیر جو نیچے پڑا تھا اٹھا کر کھا لیا۔ حضرت اس وقت مراقبہ میں تھے۔ بعد میں حضرت نے پوچھا کہ آپ نے میری اجازت کے بغیر

پر کیوں کھایا؟ انھوں نے کہا کہ تبرک سمجھ کر۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو تبرک سمجھ کر میری سب چیزیں بغیر اجازت کے لے جاؤ۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ درخت کے نیچے پڑا ہوا پھل مالک کی اجازت کے بغیر کھا لینا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے پھر یہ بات کھٹکتی ہے کہ حضرت خواجہ فضل علیؒ اس سے کیوں منع فرماتے تھے یہ خلش حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان کردہ مندرجہ ذیل واقعہ سے دُور ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ حضرت خواجہ فضل علیؒ مباحات کے دائرہ کو بھی اپنے اوپر تنگ رکھتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مباحات میں توسع اس لئے نہیں کہ ہر شخص ہر مباح کو استعمال ہی کرے۔ توسع اس وجہ سے ہے کہ کیا معلوم کس کو کس وقت کس چیز کی ضرورت پیش آجائے۔ اس لئے حضرت کے مریدوں کی عام عادت یہ تھی کہ وہ تمبا کو کھانا یا پینا تو کیا، چائے تک سے پرہیز کرتے تھے"۔۔۔۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس واقعہ سے خلش اس لئے دور ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر اجازت گری ہوئی کھجور کھانا بحالتِ اضطرار تھا چنانچہ اسی روایت میں جو غالباً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کھاتے ہوئے فرمایا کہ آج چوتھا (یا تیسرا) روز ہے کہ کھانے کی کوئی چیز میرے پیٹ میں جارہی ہے۔ معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ فعل مباح ہے (چنانچہ شرعی مسئلہ یہی ہے) لیکن اس مباح کو بلا ضرورت عمل میں نہ لانا چاہیے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خواجہ فضل علیؒ کے ہاں جو احتیاطیں تھیں وہ ان کے دوسرے خلفا کے مقابلہ میں مولانا عبدالمالک صاحبؒ پسونڈہ والے۔ کے ہاں اب بھی کافی باقی ہیں۔

شبہات کا حل

۲۳ نومبر ۱۹۷۱ء۔ ظہر کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے ساتھ حاضر ہوا اور حج کے بعد کئی ماہ تک جو کیفیات تھیں ان کا انحطاط بیان کیا کہ اب وہ رقت بھی نہیں اور اخلاق پر بھی بُرا اثر ہے مثلاً پہلے غیبت سے بچتا تھا اور اب بعض لوگوں کی غیبت جن کی طرف سے میرے دل میں غم و غصہ ہے زبان پر آجاتی ہے اور پھر اس کا افسوس بھی ہوتا ہے کہ یہ غیبت کیوں کی۔۔۔۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ رقت وغیرہ کیفیات کا ختم ہونا تو کوئی فکر کی بات نہیں کیونکہ ان کیفیات کو دوام نہیں ہوتا اور اس سلسلہ میں سالک کیف سے بے کیفی کی طرف جاتا ہے، البتہ اگر خلافِ شرع امور صادر ہونے لگیں تو یہ ضرور موجبِ تشویش ہے مگر غیبت کا مرض بہت عام ہے اور بڑے بڑے لوگوں کی زبان پر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اور پھر غیبت کے بارے میں جو شرعی مسئلہ ہے اس کی پوری تفصیل بیان فرمائی کہ کن حالات میں جائز اور کن حالات میں حرام ہے۔۔۔۔ اس کے بعد میں نے اپنا خواب بیان کیا جس میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵ رمضان المبارک کو زیارت کی تھی۔ تو اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شکل و

صورت یا لباس میں دیکھنا منجملہ اور وجوہ کے اس تعبیر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے جو اس خواب کی ہوتی ہے یعنی اس خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ خواب دیکھنے والے کو جو کچھ بتانا چاہتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و لباس اس کے مناسب ہوتی ہے (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوجی وردی سے مشابہ لباس میں دیکھا تھا اور یہ زمانہ وہ ہے جبکہ پاکستان پر جنگ کے بادل چھائے ہوئے تھے اور پاک و ہند کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی تھیں)

حضرت شاہ صاحبؒ نے کیفیات کے انحطاط کی شکایت پر یہ بھی فرمایا کہ سالک کی مثال درخت کی سی ہے، ایک وقت آتا ہے کہ درخت میں کونپلیں پھوٹتی ہیں نئے پتے نکلتے ہیں، پھر نئے پتے نکلنا بند ہو جاتے ہیں نئے پتے نکلنا بند ہو جانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص سمجھے کہ درخت کی ترقی رک گئی ہے تو یہ صحیح نہیں۔ دراصل اس وقت درخت کی طبیعت اپنے تنے اور شاخوں کو موٹا اور مضبوط کرنے کی جانب مائل ہوتی ہے۔ پھر جب وقت آتا ہے تو پھر نئے پتے نکلنے لگتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جو بھی پہلی بار حاضر ہوتا ہے اس پر رقّت طاری ہوتی ہے، شاذ و نادر ہی اس کے خلاف ہوتا ہے لیکن چند روز وہاں رہے اور بار بار مواجہہ شریف پر حاضر ہوتا رہے تو وہ کیفیت نہیں رہتی —— فرمایا کہ یہ رقت اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی توجہ بھی اس کی طرف ہو جائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس روحانی عالم میں نہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کن امور پر مامور ہیں —— فرمایا کہ احادیث میں ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام پیش کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سُنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ سننا اور جواب دینا روحانی ہے اور انفرادی طور سے بھی ہو سکتا ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہو کہ اتنے لوگوں نے حاضر ہو کر سلام کیا اور آپ سب کو بیک وقت جواب دیدیں۔ جیسے بادشاہ مصروف ہو اور لوگ سلام کے لئے آئیں اور ملاقات نہ ہو سکے اور اس تک یہ بات پہنچادی جائے کہ فلاں فلاں لوگ آئے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ اور بادشاہ کہہ دے کہ اچھا وعلیکم السلام کہہ دو۔

اختلافِ مطالع معتبر ہونا چاہیئے۔

۱۹ ؍ ۱۲ ؍ ء: آج عید کے دوسرے دن حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں تقریباً سوا تین بجے حاضر ہوا مردانہ کمرے کے دروازے میں حاجی محمد اعلیٰ صاحب کھڑے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ اندر تھے۔ حاجی صاحب نے مجھے دیکھکر تبسم فرمایا اور کہا کہ ابھی ابھی حضرت شاہ صاحبؒ آپ ہی کا تذکرہ کر رہے تھے کہ ہم تو مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی کے یہاں جانے کا ارادہ کر رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مفتی صاحب (یعنی میں) آئیں اور واپس چلے جائیں وہ دُور سے آتے ہیں۔ میں نے حاجی صاحب سے کہا کہ میں بھی ساتھ چلا چلوں گا۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحبؒ

اندر سے تشریف لے آئے اور مسکراتے ہوئے حاجی صاحب سے کہا کہ ابھی انہی کا ذکر ہو رہا تھا اور یہ آگئے۔
بعد ازاں ہم تینوں مولانا نعمانی صاحب کے ہاں پہنچے۔ رویتِ ہلال اور اختلافِ مطالع کے اعتبار اور عدم اعتبار پر گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ ہو تو پھر مکہ مکرمہ کی رویت ہی کا سب جگہ کیوں نہ اعتبار کر لیا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا رجحان یہ تھا کہ اختلافِ مطالع معتبر ہونا چاہیئے۔

اتنے میں حاجی صاحب نے فرمایا کہ لفظ "مصراع" صحیح ہے یا "مصرع"۔ میں نے کہا کہ "مصراع" لغات کی کتابیں دیکھی گئیں، منجد میں صرف مصراع نکلا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے دونوں لغتیں ہوں، فرمایا غیاث اللغات دیکھو اس میں اس طرح کی تفصیل ملتی ہے۔ دیکھا تو غیاث میں دونوں کو صحیح لکھا ہے

حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدیہ

مغرب کے بعد مولانا نعمانی صاحب کے ہاں سے روانہ ہو کر حضرت پیر ہاشم جان صاحبؒ کے ہاں پہنچے، وہاں بھی پیر صاحبؒ نے رویتِ ہلال کی بحث چھیڑ دی۔ بعد ازاں پیر صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت مجدد صاحبؒ نے مکتوبات میں کہیں لکھا ہے کہ آخر میں حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدیہ ایک ہو جائیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جی ہاں لکھا ہے۔ اور توجیہ یہ فرمائی کہ کعبہ بھی تجلیاتِ ذاتی کا مرکز ہے اسی لئے مسجود الیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب بھی آخر میں دائمی طور سے تجلیات ذاتی کا مرکز ہو جائیگا۔

۲۰ ۴ ۱/۲ ۶ء:- آج میں سوا بارہ بجے حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی وہاں چند حضرات کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ عصر کے بعد تک نشست رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ کل جو حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدیہ کی گفتگو تھی اس پر میں نے مزید غور کیا۔ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ جس طرح کعبہ تجلیاتِ ذاتیہ کا مرکز ہے اسی طرح مؤمن کا قلب بھی تجلیاتِ ذاتیہ کا مرکز ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ویسعنی قلب عبد مومن۔ فرق یہ ہے کہ کعبہ پر یہ تجلیات دائمی ہیں اور قلبِ مومن پر کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں ہوتیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا اس کے بارے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ سجدہ تعظیمی تھا جو اُن کی شریعت میں تھا بعض کہتے ہیں کہ حقیقتہً سجدہ نہ تھا صورۃً سجدہ تھا۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ شاید اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے قلب پر تجلیاتِ ذاتیہ وارد ہو رہی ہوں جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو خود بھی پیغمبر تھے جان لیا اور سجدہ کیا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا بھی اسی قبیل سے ہو سکتا ہے اس سے بھی حضرت نے اتفاق فرمایا۔

آدابِ فرش

جس زمانہ میں میں چند روز کے لئے خیرپور ٹامیوالی گیا ہوا تھا وہاں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں ایک اور صاحب بھی مقیم تھے جن کی وضع قطع دیہاتیوں کی سی تھی وہ بھی حضرت صاحب سے بیعت تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرش سے دُور جوتے اتارے اور ننگے پاؤں زمین سے گذر کر فرش پر آبیٹھے تو حضرت نے انھیں ٹوکا کہ جوتا اسی لئے ہوتا ہے کہ پیر مٹی سے آلودہ نہ ہوں، پھر جُوتا اتار کر فرش پر پاؤں رکھنے کی بجائے زمین پر کیوں رکھے (یعنی جس سے پاؤں بھی خراب ہوں اور فرش بھی)۔

طہارت اور تطہیر کا مسئلہ۔

یہ بات بھی خیرپور ٹامیوالی ہی کی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب کو دیکھا کہ ان کی انگلیاں گلاس کے پانی میں ڈوبی ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ گلاس میں جب پانی لیا جائے تو احتیاط رکھنی چاہیے کہ اس میں ناخن یا انگلیاں نہ ڈوبیں کیونکہ اس طرح پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور مستعمل پانی میں خواہ طہارت کی صفت باقی رہے لیکن تطہیر کی صفت باقی نہیں رہتی۔

چھوٹی ڈاڑھی خلافِ سنت ہے۔

خیرپور ٹامیوالی میں حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کے قریب جو مسجد تھی حضرت صاحبؒ اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ جو مسجد قدرے فاصلہ پر تھی اس میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اُس مسجد کے امام صاحب ڈاڑھی کٹا کر چھوٹی کر دیتے ہیں جو سنت کے خلاف ہے اس لئے میں ان کی اقتدا سے احتیاط برتتا ہوں۔

مراقبات کے اثرات

حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں میں نے عرض کیا کہ اس صفاتِ ثبوتیہ کے سبق کی ابتدار کے بعد ایک روز رات بھر میں یہ دیکھتا رہا کہ مخلوقات کا وجود بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔ صبح ہوئی تو میں نے سوچا کہ وحدتِ وجود کا نظریہ علمی طور پر میرے دماغ میں پہلے سے موجود ہے یہ اسی کا اثر ہے لیکن صبح کو میں بہت فرحت اور اطمینانِ قلب محسوس کر رہا تھا جیسے میں نے کوئی حقیقت پالی۔ دوسرے روز پھر رات بھر میں دیکھتا رہا کہ خالق اور مخلوق کا وجود تو ایک ہی ہے لیکن فرق وہی ہے جو مادہ اور توانائی میں ہوتا ہے۔ صبح کو میں نے سوچا کہ علمی طور پر یہ بھی پہلے سے میرے ذہن میں موجود ہے لیکن فرحت اور اطمینان کی وہی کیفیت تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان مراقبوں اور اذکار کا یہ اثر بھی ہوتا ہے کہ استدلالی علم کشفی بن جاتا ہے۔

کی رسائی معراج میں اپنے مبدأ تعین یعنی مقامِ حب تک ہوئی اور یہ تعینِ اول ہے۔ اس سے اونچا مخلوقات کے لئے کوئی مقام ہی نہیں کیونکہ اس سے اوپر لاتعین کا مقام ہے —— فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اسقدر اونچا ہے کہ اس کے پیش نظر یہ کہنا گستاخی ہے کہ آپ بڑے بھائی کے برابر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بڑا بھائی کہنا تو ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ الی عاد اخاھم ھودا یا الی ثمود اخاھم صالحا۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے لئے فرمائیں تو مضائقہ نہیں لیکن دوسروں کی زبان سے گستاخی معلوم ہوتی ہے۔

دیوبندی اور بریلوی حضرات

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے دیوبندی اور بریلوی گروہ کے بارے میں بہت غور کیا، میں نے یہ پایا کہ دونوں گروہوں میں اولیاء اللہ گزرے ہیں لہذا ان میں سے کسی کو برسرِ باطل کہنا صحیح نہیں (واضح رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے عقائد کے اعتبار سے خالص دیوبندی مسلک ہیں) پھر فرمایا کہ دونوں گروہوں کا فرق ایک مرتبہ حضرت خواجہ فضل علیؒ کی مجلس میں سمجھ میں آیا۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ فضل علی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور میں پیر دبا رہا تھا۔ بہت لوگ بیٹھے تھے اور ان میں سے بعض پر وجد و حال کی کیفیت طاری تھی اور حضرت کی مجلس میں یہی ہوتا تھا کہ وہ گفتگو فرما رہے ہیں اور لوگوں پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہے، وہ سفر میں چل رہے ہیں اور لوگ وجد و حال میں ہیں۔ اسی لئے مسکین پور کے اطراف کے لوگوں میں آپ جذبہ والا سائیں کے نام سے مشہور تھے۔ بہر حال میں نے دو آدمیوں کو دیکھا کہ ان میں سے ایک جوان ہے دوسرا بوڑھا دونوں فاصلے پر بیٹھے تھے۔ وقفہ وقفہ سے ایک اٹھ کر دوسرے کے پاس جاتا تھا اور زور سے اس کی پیٹھ پر مکا مار کر اپنی جگہ آ کر بیٹھ جاتا تھا پھر دوسرا یہی کرتا تھا۔ اسی مجلس میں دوسرے دو آدمیوں کو دیکھا کہ دونوں باہم گلے میں ہاتھ ڈالے محبت میں گڈمڈ اور لوٹ پوٹ ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نے بعد میں حضرت خواجہ فضل علیؒ سے اس کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ جو گڈمڈ ہو رہے تھے ان دونوں پر ایک ہی نسبت پڑ رہی تھی اور اتحادِ نسبت کا اثر جسمانی اتحاد کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا اور جو ایک دوسرے کو مار رہے تھے ان پر مختلف نسبتیں پڑ رہی تھیں، ایک پر نسبتِ رسالت پڑ رہی تھی دوسرے پر نسبتِ توحید، اور یہ دونوں نسبتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس پر نسبتِ توحید پڑ رہی تھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف کیوں جا رہا ہے، اور جس پر نسبتِ رسالت پڑ رہی تھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملا ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر براہِ راست کیسے

اللہ تعالیٰ تک جارہا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اس واقعہ سے میرے ذہن نے یہ کام کیا کہ بریلویوں پر نسبتِ رسالت کا غلبہ ہے اور دیوبندیوں پر نسبتِ توحید کا۔ دیوبندیوں کا اصل مطمحِ نظر توحید کی حفاظت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بھی اتنا اونچا نہ اٹھایا جائے کہ توحید متاثر ہو۔ اور بریلوی حضرات پر محبتِ رسول کا غلبہ ہے کہ رسول کو نیچے نہ گرنے دیا جائے بلکہ دوسروں سے رسول کو بلند کیا جائے ان کی نظر اس پر نہیں کہ اس بلند کرنے میں کہیں توحید متاثر نہ ہو جائے۔

مسئلہ علمِ غیب۔

۳۰ جولائی ۱۹۷۶ء بروز جمعہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مسئلہ جب عوام میں آتا ہے تو زیادہ سنگین ہو جاتا ہے خواص کی حد تک رہے تو اتنا سنگین نہیں رہتا۔ فرمایا کہ دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر اتم مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عالم الغیب بھی ہے لہذا آپؐ اس کا بھی مظہر اتم ہوئے۔ اس میں کسی گروہ کا اختلاف نہیں، اور خواص کے درمیان اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور آپؐ کا علم محدود ہے۔ چنانچہ بہارِ شریعت میں مصنف نے لکھا ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر ذرہ کا علم ہے تو لوگ اعتراض کرتے ہیں حالانکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا غیر محدود ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ذرات بھی تو محدود ہیں ـــــ اس پر بھی دونوں گروہوں کا اتفاق ہے کہ غیب کا جتنا علم اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دیا اور کسی کو نہیں دیا ـــــ اس پر بھی سب متفق ہیں کہ جب آپ پر درود شریف بھیجا جاتا ہے تو وہ آپ کو پہنچتا ہے خواہ بلا واسطے پہنچے یا فرشتوں کے واسطے سے۔ جب روضۂ مبارک پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں اس پر بھی دونوں گروہ کا اتفاق ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی مٹی اور اتنی دیواروں کے حائل ہوتے ہوئے یہ سننا خرق کے طور پر ہے تو یہ خرق بُعدِ مسافت کے باوجود بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ دور سے بھی الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا جائز ہے۔ البتہ مطلقاً یارسول اللہ کہنا درست نہیں ـــــ میں نے عرض کیا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک گھنٹی کے ہزاروں بٹن ہوں اور جو بھی بٹن دبایا جائے اس سے گھنٹی بج جائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک کی پکار کو سن لیں ـــــ فرمایا کہ اس بٹن کو اس گھنٹی سے ملانے والا اڈاپٹر الصلوٰۃ والسلام علیک ہے کیونکہ اس کے پہنچنے کی گارنٹی ہے اور اس اڈاپٹر کے بغیر اگر

یارسول اللہؐ کہا جائے تو گھنٹی کنکٹ Conect نہیں ہوتی۔

فرمایا کہ بہت دن ہوئے میں نے حضرت قاری محمد طیب صاحب کا ایک رسالہ علم غیب سے متعلق پڑھا تھا، بہت اچھا رسالہ تھا اس کی جو بات ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ کہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عالم الغیب والشہادۃ فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے نزدیک جو غیب اور شہادۃ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور کہیں مطلقاً عالم الغیب فرمایا ہے مثلاً عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (سورۂ جن آیت ۲۶،۲۷) [غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو]۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے لقب کے طور پر ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے دل کی بات سوائے اپنے برگزیدہ رسولوں کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ یہاں دل کی بات کو غیب سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ دل کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں۔

فرمایا کہ میں نے بھی اس مسئلہ پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب بالقوہ ہیں جیسے کہ گٹھلی میں درخت بالقوہ موجود ہوتا ہے اور جیسے جیسے وقت آتا جاتا ہے وہ غیب کا علم قوت سے فعل میں آتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور قیامت میں بھی جاری رہے گا چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب لوگ میرے پاس شفاعت کے لئے آئیں گے تو میں شفاعت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کروں گا اور وہ الفاظ کیا ہوں گے یہ اس وقت مجھے بھی معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اُسی وقت مجھے سکھائے گا۔

انگوٹھے چومنا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بریلوں کے کچھ شعار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اشھد ان محمدؐ رسول اللہ پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر تو ایسا نہیں کرتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ محبتِ رسول کے غلبہ کا نتیجہ ہے لیکن انگوٹھے چومنا حدیث کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں البتہ صوفیہ کی روایت میں ملتا ہے اور صوفی مزاج فقہا مثلاً فتاوی صوفیہ، کوہستانی اور شامی میں اس کا ذکر ہے۔ شامی کے مزاج میں بھی تصوف ہے۔ اگرچہ شامی نے اس کی تصریح بھی کردی ہے کہ یہ روایت حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں۔ پھر اگر انگوٹھے چومنا کسی روایت میں ہو بھی تو زیادہ سے زیادہ مستحب ہوگا اس کو شعار بنالینا اور اتنی اہمیت دے لینا کہ جو نہ کرے اس پر نکیر کی جائے مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دینا ہے جو ناجائز ہے۔

پھر اس پر عقلی حیثیت سے غور کرو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نام پر اگر چومنا ہے تو

اس اذان یا اقامت کہنے والے کے منہ کو چومو جس سے یہ مبارک نام نکلا ہے یا چونکہ لوگ اذان و اقامت کا جواب بھی دیتے ہیں تو ایک دوسرے کے منہ کو چومو تاکہ اس کا مصداق ہو جائے کہ ؎

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں　　خوب تصویر بنائی مِرے بہلانے کو

لیکن انگوٹھوں نے کیا کیا کہ ان کو چوما جائے۔

قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بریلویوں کا ایک شعار یہ بھی ہے کہ سب لوگ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں عموماً یہ ہوتا تھا کہ صحابۂ کرامؓ صف بنا کر منتظر رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ سے برآمد ہوتے ہی اقامت شروع ہو جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے جیسے آگے آتے جاتے تھے لوگ کھڑے ہوتے جاتے تھے۔ آپؐ مصلے پر تقریباً اس وقت پہنچتے تھے جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ کہہ رہا ہوتا تھا۔ آپ آکر مصلے پر کھڑے ہو جاتے تھے اور اسی وقت سب صحابہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ لہذا قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت ہے۔ اب بھی اگر کوئی امام یہ کرے کہ حجرہ سے برآمد ہو اور تکبیر شروع کی جائے اور امام مصلے پر آکر کھڑا ہو جائے اور لوگ بھی قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہو جائیں تو یہ سنت کے مطابق ہوگا۔ لیکن کرتے یہ ہیں کہ امام پہلے سے آکر مصلے پر بیٹھ جاتا ہے اور پھر سب لوگ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہیں اور جو پہلے کھڑا ہو جائے اُسے بُرا سمجھتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو پہلے سے کھڑا کر کے صفیں سیدھی کر دیا کرتے تھے اور پھر اقامت شروع ہوتی تھی لہذا جو پہلے سے کھڑا ہو جائے اس پر نکیر نہیں کرنی چاہیئے۔

کاٹریا صاحب نے دریافت کیا کہ ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم جیسے کوتاہ لوگ اول تو پہلے سے مسجد میں پہنچتے ہی نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ اور کوئی رکعت تک فوت ہو جاتی ہے اور اگر کبھی پہلے سے پہنچ جائیں تو میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ ماحول کیسا ہے، جیسا سب کرتے ہیں میں بھی ویسا ہی کرتا ہوں کیونکہ علماء دیوبند بھی مسئلہ کی رو سے نہ ہو تو مصلحت کی رو سے ایسا کرنا درست کہتے ہیں۔ فتنہ کو دبانا بہ زیادہ اہم ہے کیونکہ اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔

مصلحت۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ رفع یدین کی احادیث اثبت و اقوی ہیں لیکن یہ چیز ایسی نہیں کہ اس کی وجہ سے کوئی شخص اہلِ بلد کے فتنہ کو اپنے خلاف ابھارے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ یہی ہے مصلحت پر عمل کرنا۔

مولانا منتخب الحق صاحب کا بیعت ہونا۔

یہ بات غالباً ۵۷ء یا ۵۸ء کی ہے جب میں ایس ایم کالج میں ملازم تھا اور سندھ مدرسہ میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا منتخب الحق صاحب کے ساتھ بس میں ان کے گھر جا رہا تھا۔ میں نے گفتگو کے دوران اُن سے کہا کہ "مولوی صاحب! اللہ جانتا ہے کہ میں نے بارہا آپ کے لئے نمازوں کے بعد دعا کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جیسا علم عطا فرمایا ہے ویسا ہی عمل بھی عطا فرمائے۔" یہ سُن کر مولانا بالکل خاموش ہوگئے اور ان کی خاموشی سے مجھے بھی احساس ہوا کہ میں نے سخت بات کہدی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ آپ کے پیر صاحب آئیں تو ان سے ملاقات کرانا۔ چنانچہ جب حضرت شاہ صاحبؒ کراچی تشریف لائے تو میں نے سوچا کہ مولانا صاحب کو ان سے ملاؤں۔ لیکن سوال یہ تھا کہ مولانا صاحب استاد تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ پیر۔ کسے کس کے پاس لے جاؤں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں کو اپنے گھر صبح ناشتہ پر مدعو کرلوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ان دنوں کالج کی تعطیلات تھیں، امتحانات ہو رہے تھے اور میں دونوں وقت انوجیلیشن کر رہا تھا۔ دونوں حضرات صبح تشریف لے آئے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر میں تو وہیں سندھ مدرسہ میں انوجیلیشن کے لئے چلا گیا اور یہ دونوں حضرات گھر پر ہی تشریف فرما رہے۔ دوپہر کو آیا تو دیکھا کہ دونوں حضرات موجود ہیں۔ اہلیہ نے کھانا تیار کرلیا تھا چنانچہ کھانا کھایا اور ظہر کے بعد میں پھر انوجیلیشن کے لئے چلا گیا، شام کو آیا تو دیکھا کہ دونوں حضرات موجود ہیں۔ چائے پی گئی اور مغرب سے قبل دونوں حضرات رخصت ہوئے۔ بعد میں مجھے حضرت صوفی صاحبؒ نے بتایا کہ اس روز مولانا نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت کرلی تھی۔ نہیں معلوم کہ مولانا صاحب حضرت شاہ صاحبؒ سے اتنے متاثر کیسے ہوئے یا پہلے سے ہی یہ سوچ رکھا تھا۔ بہرحال بعد میں مولانا صاحبؒ کا کوئی خاص ربط حضرت شاہ صاحبؒ سے قائم نہ رہا اور عزت دونوں ابتک ایک دوسرے کی کرتے ہیں۔

وضعداری

ایک بار میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت خیرپور سے تشریف لائیں تو میرے غریب خانہ پر سندھ مدرسہ میں قیام فرمایا کریں۔ فرمایا صوفی محمد احمد صاحبؒ کے یہاں قیام ہمیشہ کی وضع ہے اس وضع کو ترک کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

پردہ کی پابندی

حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں پردہ بہت سخت ہے اتنا کہ میری بڑی بچی نے ایک بار تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "عورتوں کے حق میں حضرت شاہ صاحبؒ کا گھر سونے کا پنجرہ ہے۔" اس میں راحت و قید دونوں کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن شریف کا جیب میں رکھنا۔

میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ میری جیب میں قرآن شریف رہتا ہے اور کبھی بدرجہ مجبوری شیروانی پہنے ہوئے پیشاب کے لئے جانا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ جیب کا حکم غلاف کا سا ہونا چاہیئے لیکن بہتر ہے کہ قرآن کریم کو کسی پلاسٹک وغیرہ کے غلاف میں رکھ کر جیب میں رکھا جائے۔

مراد اور مرید میں فرق

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مراد تو شاذونادر ہی ہوتے ہیں عام طور پر مرید ہی ہوا کرتے ہیں اور انھیں بغیر کئے کچھ نہیں ملتا۔ بعدازاں اس شعر پر گفتگو ہوئی ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِمغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

فرمایا کہ پیر صرف اس مرید سے "بمے سجادہ رنگیں کن" کی بات کہتا ہے جس کے متعلق وہ جان لیتا ہے کہ یہ مرید نہیں مراد ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ وہ خلاف شرع بات ہوتے ہی نہیں دیگا جس کا اسے حکم دیا جارہا ہے اور اس میں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے جسے پیر جانتا ہے۔

مرید کا پیر سے تعلق

ایک بار میں نے اس حدیث کا ذکر کیا: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ و الناس اجمعین (کتاب الایمان) [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو] حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "مرید کا تعلق بھی اپنے پیر سے ایسا ہی ہونا چاہیئے"۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ بات ایسی ہے گویا کہ اپنی پیری چمکانے والی بات ہے لیکن میرے لئے اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ اسے اظہارِ حقیقت پر محمول کروں کیونکہ پیری چمکانے والی کوئی بات میں نے اس اٹھارہ سال کی وابستگی میں آج تک دیکھی ہی نہیں۔ اور یہ بات بھی حضرتؒ نے مجھ سے اس طرح کہی کہ کسی دوسرے نے نہیں سنی۔

قلبِ انسانی شاہراہ کی مانند ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ انسان کا قلب سلطانی شاہراہ کی طرح ہے جس پر سے موٹریں بھی گذرتی ہیں اور گدھا گاڑیاں بھی، گدھے اور دوسرے جانور گذرتے وقت گندگی بھی کرتے جاتے ہیں، اسی طرح قلب پر رحمانی خیالات بھی گذرتے ہیں اور شیطانی بھی۔ ان کو گذرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ٹریفک کے سپاہی کا سا کام کرے یعنی ہر وسوسے کو پاس کرتا رہے (یعنی آگے

بڑھانا ہے) ورنہ اگر ٹریفک کا سپاہی ہاتھ دے کر گاڑیوں کو پاس ہونے کا اشارہ نہ کرے گا تو گاڑیوں کی لائن لگ جائیگی۔

کیفیات کو ضبط کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مراقبہ کے دوران اگر گریہ اور بے قراری کی کیفیت زیادہ ہو تو حتی الوسع ضبط کرنا چاہیئے یہی احسن طریقہ ہے اور اگر ضبط نہ ہو سکے اور . . . . برداشت سے باہر ہونے لگے تو اسے بمشکل ضبط کرنے سے جسم میں درد وغیرہ کی تکلیف ہو جاتی ہے اور جبتک وہ قابلِ برداشت ہو برداشت کرنا چاہیئے۔ مراقبہ کرانے والے کو بھی یہ چاہیئے کہ اگر کسی کی بیقراری حد سے زیادہ بڑھ جائے اور اسے کسی صورت قرار نہ آتا ہو تو فوراً مراقبہ ختم کر دے اور اسے باتوں میں لگا کر یا منھ پر پانی چھڑک کر یا کچھ کھلا پلا کر سکون میں لانے کی کوشش کرے۔

اتباعِ رسولؐ۔ ایک اور مناسب موقع پر میں نے ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے تو ان کے حالات پر رشک آتا ہے اور اپنی حالت پر افسوس ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہر شخص کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ یہ کیفیات صحیح بھی ہوتی ہیں اور ان میں قوتِ واہمہ کی خلاقی کا اثر بھی ہوتا ہے جو ہر شخص میں موجود ہے اس لئے کشف کا کوئی اعتبار نہیں اور ہو بھی تو وہ معیار نہیں — اصل معیار تو یہ ہے کہ اتباعِ رسول کی جانب کتنا میلان ہوتا ہے اور شریعت کی پابندی کا کتنا خیال رہتا ہے۔ اسی لئے خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تمام اذواق اور مواجید دے کر ہم سے اتباعِ رسولؐ لے لی جائے تو سراسر خسارہ ہے اور اگر اتباعِ رسول دے کر تمام اذواق و مواجید لے لئے جائیں تو کوئی خسارہ نہیں۔ فرمایا کہ اگر کشف ہو، اذواق و مواجید ہوں لیکن اتباعِ سنت و اتباعِ شریعت نہ ہو تو یہ کوئی محمود تبدیلی نہیں ہے۔

یادکرد ۔ نہ دل بدلا' نہ دل کی آرزو بدلی' نہ میں بدلا — تو کیونکر اعتبارِ انقلابِ آسماں کر لوں

فرمایا کہ ابتدا ء "یادکرد" کی منزل ہوتی ہے کہ دھیان کیا جائے تو اللہ یاد آتا ہے پھر کثرتِ ذکر سے "یادکرد" کی کیفیت یادداشت میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں، بظاہر قلب بھی ذاکر نہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کا دھیان تحت الشعور میں رہتا ہے —— میں نے عرض کیا کہ نہ زبان سے ذکر ہو

اورنہ دل سے کیا پھر بھی یادداشت کی منزل میں پہنچ کر انسان ذاکر رہتا ہے؟ ـــــ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہاں، قلبی ذکر تو اس وقت ہوتا ہے جب قلب کی طرف دماغ کی توجہ ہو لیکن دماغ دوسرے امور کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے اور ہمہ وقت قلب کی طرف متوجہ نہیں رہ سکتا، لیکن شعوری ذکر کی کثرت سے تحت الشعور میں ذکر رچ بس جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ہر کام کے وقت خود بخود شریعت اور سنت کی مطابقت کا خیال رہتا ہے۔ ایک شخص اگر گھر سے یہ سوچ کر روانہ ہو کہ مجھے فلاں مسجد میں نماز پڑھنی ہے تو راستہ میں وہ دوسروں سے باتیں بھی کرتا ہے، آدمیوں اور سواریوں کو بھی آتے جاتے دیکھتا ہے، راستے میں دوسری مشغولیتیں بھی ہو جاتی ہیں اور ہر ہر قدم پر یہ شعور نہیں ہوتا کہ مجھے مسجد جانا ہے مجھے مسجد جانا ہے پھر بھی گھر سے مسجد کے لئے روانگی کا ارادہ کرتے وقت دماغ نے جسم کو جو حکم دیدیا تھا لاشعور جسم سے اس کی متابعت کراتا ہے اور مسجد میں پہنچا دیتا ہے۔

یوم حساب کی مقدار

۱۱ ۲/۲ ء۔ مغرب سے ذرا قبل ترجمہ پر نظر ثانی ختم ہوئی تو فرمایا کہ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ (حج آیت ۴۷) [ایک دن آپ کے رب کے یہاں ہزار برس کی برابر ہے] اور فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (معارج آیت ۴) [اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی] کے درمیان مکتوباتِ معصومیہ میں تطبیق کی صورتیں گذر چکی ہیں اور وہیں یہ بھی گذرا ہے کہ نیک لوگوں کے لئے یہ وقفہ اتنا سا ہوگا جتنی دیر میں فرض نماز ادا کی جائے ـــــ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے ذہن میں ایک بات تو یہ آتی ہے کہ ازل سے ابد تک کا زمانہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تو آنِ واحد ہے، ماہ و سال کا اجراء اس پر نہیں ہوتا کیونکہ زمین، چاند اور سورج کی حرکت سے شب و روز اور ماہ و سال بنتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی تمام صفات ہر وقت فعال ہیں، محل اگر قابل ہو تو جس صفت کا قابل ہے اس کا اثر قبول کرتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً صفتِ احیاء و اماتت ـــــ دونوں بیک وقت ہر آن کام کر رہی ہیں اور ہر آن ہر چیز پر اماتت بھی واقع ہو رہی ہے اور احیاء بھی لیکن یہ اس طرح سرعت کے ساتھ علی التوالی واقع ہو رہی ہے کہ جس میں صفتِ احیاء کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے اس پر اصطلاحی موت طاری نہیں ہوتی لیکن جب اس میں صفتِ احیاء کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی تو اس پر صرف اماتت کا اثر واقع ہوتا ہے احیاء کا نہیں۔

اسی طرح یومِ حساب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حساب کی صفت کارفرما ہوگی۔ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کوئی تو صلوٰۃ مفروضہ کی ادائیگی کے عرصہ میں حساب سے فارغ ہو جائے گا کوئی ہزار سال کے

عرصے کے برابر ہیں اور کوئی پچاس ہزار سال کے عرصہ کے برابر ہیں ۔ (راقم الحروف کہتا ہے کہ ریاضی کا سوال جب مختلف لوگوں کو حل کرنے کے لئے دیا جائے اور تین گھنٹے کی مہلت دی جائے تو کوئی تو فوری طور پر حل کردے گا کوئی تین گھنٹے میں اور کوئی تین گھنٹے میں بھی حل نہیں کر پائیگا)

تعمیرِ جنت

عرصہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم میں جنت کے بارے میں یہ بھی ہے کہ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (وہ تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے) اور پھر روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جس نے فلاں عمل کیا اس نے جنت میں ایک گھر بنا لیا۔ تو اگر جنت بنی بنائی ہے تو اس تعمیر کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ غور کے بعد مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے شہروں میں کوئی بستی بسائی ہوتی ہے تو حکومت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پانی بجلی فراہم کر دیتی ہے اور سڑکیں بنا دیتی ہے۔ پلاٹوں کو بھی قطع کر دیتی ہے۔ اس کے بعد وہ پلاٹ مالکان کو دیدیئے جاتے ہیں کہ جس طرح کی چاہیں تعمیر کریں اور جس نقشہ کا چاہیں مکان بنائیں بشرطیکہ نقشہ گورنمنٹ منظور کرلے۔ یہی حال جنت کا ہے کہ پلاٹ مخصوص کر دیا ہے جس طرح چاہیں اپنے اعمال کے ذریعہ اس میں تعمیر کرتے رہیں۔ نہریں باغات اور عام آسائش کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے فراہم کر دی ہیں۔

حق کا معیار اتباعِ سنت ہے۔

۲۶ ۵ حضرت شاہ صاحبؒ کی طبیعت چونکہ خراب تھی اس لئے دل بہلانے کے لئے میں نے یوگا کا قصہ چھیڑ دیا اور بتایا کہ کس طرح یورپ اور امریکہ میں اس کا سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے اور یوگا کا جو چیف ہے اس نے کس طرح شکاگو میں بہت بڑا اسینٹر قائم کیا ہے۔ اور جو شخص اس سے ایک بار مل لیتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جب اہلِ باطل اس طرح کے جال پھیلا رہے ہیں تو اہلِ حق کو بھی اس طرح کی باتیں کرنی چاہئیں، جن سے لوگ حق کی طرف مائل ہوں ــــ حضرت نے فرمایا کہ پھر تو کرامات اور شعبدے ہی حق کا معیار بن جائیں گے، حالانکہ حق کا معیار اتباعِ سنت ہے، پھر یہ کہ کرامات اختیاری نہیں۔

عملیات۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت عملیات کے سلسلہ میں میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچے ان کے کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں جیسے تعویذ جھاڑ پھونک اور ایسے عملیات جن سے اپنے اندر کوئی خاص قوت پیدا کی جائے یا تسخیر وغیرہ کے عمل، یہ نہیں کرنے چاہئیں اگرچہ یہ نیت ہی کیوں نہ ہو کہ ہم ان کو دین کی خدمت کا ذریعہ بنائیں گے کیونکہ کوئی بھروسہ نہیں، ان سے نفس پروری کا کام بھی لیا جا سکتا ہے، اور اگر سلسلہ صحیح ہو تو اس طرح کی قوتیں انسان میں خود پیدا ہونی چاہئیں ــــ

حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک خیال ہے، آخر وہ جو ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی جوگی نے ہوا میں اُڑ کر بتایا اور ایک بزرگ نے اپنے جوتے کو حکم دیا کہ اُڑ کر اس کے سر پر پڑے اور اسے اتار کر لائے تو کیا ان بزرگ نے جوتوں کو ہوا میں اُڑنے کا کوئی عمل پہلے سے کیا تھا۔ جب انسان خلوص کے ساتھ اللہ اللہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بخود اس کی مدد فرماتا ہے اور بوقت ضرورت اس سے کرامات کا ظہور کرا دیتا ہے ــــ پھر فرمایا کہ لوگ ہمارے پاس کسی حاجت کے لئے کوئی عمل پوچھنے آتے ہیں اور ہم انھیں بتا دیتے ہیں کہ فلاں وظیفہ رات کے فلاں حصے میں اتنی بار پڑھو جس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے تو اس وظیفہ کو تو لوگ خوب دل لگا کر گھنٹوں پڑھ لیتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ روزانہ آدھ گھنٹے ذکر کر لیا کرو تو یہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ خلوص اور بے غرضی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا زیادہ مفید ہے۔

سسر اور داماد کا مرتبہ

میں نے عرض کیا کہ گزشتہ جمعرات کو حلقہ کے موقع پر جب ختم شریف پڑھا جا رہا تھا میں آنکھیں بند کئے ہوئے تھا دفعتہً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ سسر کا مرتبہ عزت و احترام کے لحاظ سے داماد سے بڑا ہوتا ہے۔ خلفائے اربعہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سسر ہیں اور دو داماد۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مقدم ہیں لہذا پہلے وہ خلیفہ ہوئے پھر دوسرے سسر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ پھر مقدم داماد حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ہوئے پھر حضرت علیؓ۔ بیٹیوں کے بعد بہنوں کا درجہ ہے (یا دامادوں کے بعد سالوں کا درجہ ہے) تو حضرت علیؓ کے بعد حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے جن کی ہمشیرہ حضرت ام حبیبہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں ــــ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو "واقعہ" کہتے ہیں۔

نماز روح کی غذا بن جائے۔

فرمایا کہ نماز ایک تو انسان اس لئے پڑھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، یہ ابتدائی حالت ہے لیکن نماز کا حقیقی لطف اس وقت آتا ہے جب یہ اس کی روح کی غذا بن جائے کہ کھانے کی طرح اس کی بھی رغبت ہو، اور وقت ہو جانے پر نماز کے لئے دل اسی طرح بیتاب ہو جس طرح معدہ کھانے کے لئے بیتاب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) نیز فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ مزید فرمایا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ گنج مرادآبادی فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو آخرت میں اللہ میاں سے کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں نماز پڑھنے کی اجازت تو عطا فرما ہی دے۔

اللہ کی نماز: حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے دریافت کیا کہ معراج میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر پہنچے تو آواز آئی کہ قف یا محمد فان ربک یصلی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہریئے ابھی آپ کا رب نماز میں ہے)

تو اللہ تعالیٰ کی نماز کی کیا صورت ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کی وضاحت حضرت مجدد صاحبؒ نے اور حضرت خواجہ محمد معصوم رح نے اپنے مکتوبات میں کی ہے۔ بیماری نے حافظہ بھی کمزور کر دیا ہے اور بولنے میں بھی تکان ہو جاتی ہے۔ جو کچھ مستحضر ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مراتب الٰہی میں ایک تو ذات بحت کا مرتبہ ہے جسے ہویت کہتے ہیں اور قل ھو اللہ احد میں ھو سے جس طرف اشارہ ہے۔ دوسرا مرتبہ صفات کا اور تعینات کا مرتبہ ہے، اور تعینات میں سب سے پہلا تعین مقام محمدی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ٹھہرو تمہارا رب ابھی نماز میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتبۂ ہویت میں ہے اور اس مرتبہ میں اس سے تمہاری ملاقات نہیں ہو سکتی۔ جب وہ تنزل فرمائے گا اس وقت ملاقات ہوگی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب تنزل فرمایا (اور یہ تنزل حقیقی نہیں صرف اعتباری ہے) تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا اسی لئے قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فرمایا گیا کہ اتنا فاصلہ تھا جتنا کہ کمان کا ہوتا ہے یا اس سے بھی کم . . . . .

اور اسی لئے یہ بھی درست ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عدم رویت کے بارے میں یہ استدلال منقول ہے کہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ (اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں) یعنی مرتبۂ ہویت میں اس کو نہیں دیکھا جا سکتا ـــــــ اس کے بعد حضرتؒ نے خلاصہ کے طور پر یہ بھی فرمایا کہ بندہ کی نماز یہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نماز یہ ہے۔ الفاظ مجھے یاد نہیں رہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بندہ کی توجہ، یہ بندہ کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کی توجہ اپنی ذات بحت کی طرف، اسے اللہ تعالیٰ کی نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک مجذوب ایک مرتبہ ماسٹر عبد الکریم صاحبؒ کے ہاں دعوت تھی۔ اس زمانہ میں ماسٹر صاحب مرحوم بندر روڈ پر مولوی مسافر خانہ کے مقابل رہتے تھے۔ ہیں، صوفی محمد احمد صاحب اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب وغیرہ پہلے پہنچے حضرت شاہ صاحبؒ بعد میں تشریف لائے۔ جب ہم پہنچے تو اس وقت ایک مجذوب وہاں موجود تھے جو مسلسل بولے جا رہے تھے۔ ہم لوگ بیٹھے سنتے رہے۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لے آئے اور مجذوب کے بالکل سامنے بیٹھ گئے اور ٹکٹکی لگا کر مجذوب کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ مجذوب ہم سب سے تو آنکھیں ملا کر گفتگو کر رہے تھے لیکن جب ان کی نظر حضرت شاہ صاحبؒ سے ٹکراتی تھی تو وہ نظریں ہٹا کر ہم لوگوں کی طرف کر لیتے تھے، دو تین بار ایسا ہی ہوا پھر ان کی گفتگو کا زور بھی آہستہ آہستہ ٹوٹا اور دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے کہ اب میں جاتا ہوں۔

مجذوب۔ اُن کے جانے کے بعد مجذوبوں کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجذوب اور دیوانے میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ لوگ تکوینی امور کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی عقل سلب فرما لیتا ہے تاکہ وہ امور شرعیہ کے مکلف نہ رہیں

اور تشریعی احکام کی بجائے صرف سپرد کردہ تکوینی امور میں مشغول رہیں کیونکہ وہی ان کی عبادت ہے۔
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجالِ تشریع اور رجالِ تکوین علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور بسا اوقات رجالِ تشریع کو رجالِ تکوین کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اپنے وقت کے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس زمانہ میں رجالِ تکوین کون ہیں ــــــ میرے دل میں اس موقع پر کچھ کھٹک ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ کیا فرمایا تو اس کے فوراً بعد فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام کا واقعہ مذکور ہے۔ حضرت خضرؑ رجالِ تکوین میں سے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو رجالِ تشریع میں سے ہیں خبر بھی نہیں۔ فرمایا کہ البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تکوین و تشریع ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتی ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضرؑ سے ہوئی اور انھوں نے ساتھ رہنے کی فرمائش کی تو حضرت خضرؑ نے کہا "انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت وانت علی علم علمکہ اللہ لا اعلمہ (کتاب العلم) [اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا علم مجھ کو دیا ہے جو تم کو نہیں ملا ہے اور تم کو ایک قسم کا علم دیا ہے جو مجھ کو نہیں ملا ہے]۔

کیفیاتِ کونیہ وعلمیہ

مغرب کے بعد میں اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں سے روانہ ہونے لگے تو کھڑے کھڑے حضرت صاحبؒ نے میری کیفیات دریافت فرمائیں۔ میں نے عرض کیا کہ خاص بات بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ عین نماز میں توجہ کے بغیر یکایک علمی نکات ذہن میں آتے ہیں۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ مُردوں کو ثواب نہیں پہنچتا اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (النجم آیت ۳۸) [کوئی شخص کسی کا بوجھ اپنے اوپر نہیں اٹھائے گا] حالانکہ اس میں "وزر" کی نفی ہے "اجر" کی نفی نہیں جو وزر کا مقابل ہے۔ پھر نماز کے بعد خیال آیا کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ آیت ۲۸۶) [اس کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا]۔ یعنی تو ہے (اسی طرح لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم آیت ۳۸) [انسان کو صرف وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا]) تو الجھن رہی یہاں تک کہ ابھی جب میں آپ کے ساتھ مغرب کے بعد نفل پڑھ رہا تھا تو خیال آیا کہ موخر الذکر میں اس کی اپنی زندگی کے اعمال ہیں۔ لیکن دوسروں کے اعمال سے کسی کو نفع و نقصان ہوگا یا نہیں، اس سلسلہ میں صرف نقصان کی نفی کی صراحت کی گئی ہے، نفع کی نفی کی نہیں ــــــ میں نے دیکھا کہ یہ سن کر حضرت کے چہرہ پر انبساط کی کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا کہ یہ واردات ہیں اور یہ کیفیت مجھ پر بھی طاری ہوتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی آیت یا کوئی عربی عبارت زبان پر از خود جاری ہو جاتی ہے

پھر فرمایا کہ اس طرح کی واردات دو قسم کی ہوتی ہیں، کونیہ (کہ ایسا ہوگا، ایسا نہ ہوگا) اور علمیہ۔ محمود دونوں ہیں، لیکن علمیہ، کونیہ سے اعلیٰ ہیں۔ اور علمیہ ہر شخص کو نہیں ہوتیں۔ "دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر"

مراقبہ اور خواب میں نے عرض کیا کہ دل میں ایک خلش ہے کہ مراقبہ میں جو عجیب اور غیر متوقع اشکال نظر آتی ہیں یہ از قبیل واردات ہیں یا دماغ کا عمل کیونکہ دماغ تو سوتے میں بھی کام کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح مثلاً مراقبہ میں بہت گھنے بہت طویل نہایت سرسبز دور تک درخت دفعتہً نظر آئے اور پھر خیال آیا کہ یہ جنت کے درخت ہیں، تو آیا درختوں کا نظر آنا اور ان کا جنت کے درخت ہونا یہ دونوں باتیں واردات کے قبیل سے ہیں یا دونوں دماغ کا عمل ہیں، یا درختوں کا دفعتہً نظر آنا واردات کے قبیل سے ہے اور ان کے بارے میں پھر یہ خیال آنا کہ یہ جنت کے درخت ہیں یہ دماغ کا عمل ہے؟ —— فرمایا کہ مراقبہ اور خواب میں فرق ہے۔ خواب میں دو طرح کی چیزیں نظر آتی ہیں یا تو ان کا تعلق لاشعور سے ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں جب شعور معطل ہو جاتا ہے تو لاشعور بیدار ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی چیزیں ماضی کے واقعات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور یا وہ چیزیں عالم مثال کی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کی تعبیر وہی بتا سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور بزرگوں کے احوال و اقوال سے زیادہ سے زیادہ واقف ہو، تاکہ اسے اس پر عبور ہو کہ کس چیز کی مثالی شکل کیا ہے، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج میں بعض دوزخیوں کی مخصوص حالت دیکھی تو یہ مثالی شکل تھی کیونکہ دوزخ تو ابھی دوزخیوں سے آباد نہیں ہوئی — اور مراقبہ میں جو چیز دفعتہً بلا توجہ پہلی بار آتی ہے وہ واردات کے قبیل سے ہوتی ہے، پھر اس کے متعلق مزید کوئی خیال آنا یہ واردات کے قبیل سے بھی ہو سکتا ہے اور دماغ کا عمل بھی اور اس کا فیصلہ خود صاحب واردات ہی کر سکتا ہے۔

مراقبہ کے دوران علمی نکات کا ذہن میں آنا۔

گزشتہ اتوار کو میں نے یہ عرض کیا تھا کہ نماز میں یکایک علمی نکات ذہن میں آتے ہیں اس کے حوالے سے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مراقباتِ مشارب میں لطیفۂ شیوناتِ ذاتیہ کا لطیفہ ہے اور علمی نکات کا ذہن میں آنا یہ شان العلم کا ظہور ہے —— فرمایا کہ ایک تو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، ایک ہیں صفات۔ مثلاً علم، سمع، بصر وغیرہ اور ایک ہیں شیونات یعنی علیم، سمیع، بصیر وغیرہ ہونا۔ یہ شیونات صرف اعتبارات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت جامع الصفات ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے تمام صفات کا جامع ہے۔ انسان کی طرح نہیں کہ اس کی آنکھ بصیر ہے کان سامع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تو پوری کی پوری ذات بصیر بھی ہے سمیع بھی۔ وغیرہ۔ ہر شخص کا مبدأ تعین اللہ تعالیٰ کی کوئی ایک صفت ہوتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کا جو فیض ملتا ہے وہ اس صفت کے واسطے سے ملتا ہے

جو اس کا مبدأ تعین ہے۔

موسوی مشرب میں نے عرض کیا کہ جب میں لطیفۂ سر کا سبق کر رہا تھا اس وقت خیر پور میں آپ کے ساتھ مراقبہ میں یہ کیفیت ہوئی تھی کہ گویا زمین اور آسمان میرے نیچے ہیں اور میں زمین کو گردش کرتے دیکھ رہا ہوں اور اب مشارب کے لطیفۂ سر میں بھی علمی نکات کی یہ کیفیت ہے اور اس طرح کی کیفیات دوسرے لطائف یا مراقبات میں نہیں ہوئی البتہ دوسری کیفیات ہوتی ہیں جو اتنی اہم نہیں، اور اس کے ساتھ جب میں اس چیز کو ملاتا ہوں کہ بچپن ہی میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا تو خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ موسوی مشرب کا اثر تو نہیں ——— فرمایا کہ ہر سالک کسی نہ کسی نبی کے زیر قدم ہوتا ہے لیکن کون کس نبی کے زیرِ قدم ہے اس کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا بسا اوقات یہ بات قیاسات سے معلوم ہوتی ہے اور آپ کا قیاس صحیح بھی ہو سکتا ہے۔

دیگر

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کون کس نبی کے زیر قدم ہے دوسرے بزرگ کو معلوم نہ ہوتا تھا تو دوسرے بزرگ نے اپنے مرید کو اپنا مشرب معلوم کرنے کے لئے پہلے بزرگ کے پاس بھیجا جب وہ پہنچا تو ان پہلے بزرگ نے ابتدائی گفتگو ہی میں فرمایا کہ کہو ہمارے یہودی کا کیا حال ہے جب مرید واپس آیا تو کہا کہ انھوں نے آپ کا مشرب تو بتایا نہیں البتہ یہ پوچھا تھا کہ کہو ہمارے یہودی کا کیا حال ہے۔ یہ سن کر وہ بزرگ وجد کرنے لگے کیونکہ یہ موسوی المشرب ہونے کا اشارہ تھا۔

انبیاءؑ سے فیض حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا کہ ہر نبی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے دو قسم کا ہے ایک براہِ راست اور ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں انبیاء علیہم السلام کے میثاق کا ذکر ہے وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پہلے ہے اور اسی لئے اول ما خلق اللہ نوری (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) کی تصدیق ہوتی ہے۔

فرمایا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (البقرہ آیت ۲۸۵) (مان لیا رسول نے جو کچھ نازل ہوا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی۔ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ اور کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اُس کے پیغمبروں میں سے) تو ہر نبی کا ہمیں فیض ملتا ہے اور یہ فیض وہ ہوتا ہے جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرتؐ کے واسطے سے ملا ہے۔

مکتوباتِ معصومیہ کا ترجمہ

۱۰ ۱۲/۷۵ء بروز بدھ — میں آج جمعرات کا دن سمجھ کر حلقہ میں شرکت کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں گیا اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے مکان پر اس وقت پہنچا جبکہ مغرب کی نماز مسجدوں میں شروع ہو چکی ہو گی۔ حاجی صاحب گھر پر نہ تھے۔ سوچا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کے قریب والی مسجد میں نماز پڑھوں چنانچہ روانہ ہوا لیکن آگے جانے پر گول مارکیٹ ناظم آباد کی مسجد کی طرف مڑ گیا۔ وہاں دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حاجی اعلیٰ صاحب دونوں موجود ہیں۔ نماز کے بعد حضرت کے مکان پر پہنچے تو میں حلقہ کے خیال سے اوپر کی منزل کی طرف جانے لگا لیکن وہ منزل بند تھی میں واپس ہوا اور حاجی صاحب سے پوچھا کہ کیا آج حلقہ نہ ہو گا۔ جواب دیا کہ آج تو بدھ ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو جمعرات سمجھ کر آیا تھا حاجی اعلیٰ صاحب نے فرمایا کہ آپ آئے نہیں بلکہ کھینچ کر لائے گئے ہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کو آپ سے ضروری کام ہے۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے بیٹھک کا کمرہ کھولا اور اس میں بیٹھ گئے اور مکتوباتِ معصومیہ کھول کر اس کے ترجمہ پر غور کرنے لگے۔ کیونکہ حاجی اعلیٰ صاحب اس کی کتابت شروع کر چکے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ چاہتے تھے کہ کم از کم چھ مکاتیب کے ترجمہ پر نظر ثانی ہو جائے باقاعدہ کام کے لئے جمعہ کو پھر بیٹھیں۔

قیومیت کے معنی کام سے فراغت کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ اور خواجہ محمد معصومؒ کی قیومیت کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عالم تجلیات صفات کا مظہر ہے لیکن تجلیاتِ ذات کا مظہر بھی کسی کو ہونا چاہئے اور وہی قیوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ قیوم اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور آپ کے بعد بھی ہر دور میں قیوم ہوتے رہے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے، قیوم کے بجائے ان کے لئے اور کوئی اصطلاح تھی اور اب مجدد صاحبؒ نے یہ اصطلاح اختیار فرمائی ——— فرمایا کہ میرے ذہن میں قیومیت کے یہ معنی آتے ہیں کہ عالم کا قیام مادی وسائل کی فراہمی سے نہیں بلکہ اصل میں ذکر اللہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب روئے زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا تو قیامت آجائے گی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ اور یہ لوگ چونکہ ذکر اللہ کرتے اور ذکر اللہ کے سلسلہ کو جاری کرتے ہیں اس لئے وجہ قیام عالم بنتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ایک قیوم کے بعد دوسرا قیوم اس کے فوراً بعد ہو بلکہ جب پہلے قیوم کا فیض کم ہونے لگتا ہے اور دوسرے قیوم کی ضرورت ہوتی ہے تب دوسرا قیوم مقرر کیا جاتا ہے۔

ذکر اور جنبشِ قلب

۲۸ ۱۲/۷۵ء بروز اتوار — حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مکتوباتِ معصومیہ کے ترجمہ پر

جو حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا ہے نظرثانی ہو رہی ہے اور اسی سلسلہ میں تقریباً ہر اتوار اور جمعرات کو بیٹھنا ہوتا ہے، دوسری باتیں شاذونادر ہی ہوتی ہیں ایک شعر پر جو مکتوباتِ معصومیہ میں ہے کچھ گفتگو ہوئی شعر یہ ہے

از جنبش غمزہ ہائے خونی   دارد نگرانی درونی

فرمایا کہ صوفیانہ رنگ میں اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ سالک قلب کی نگرانی کرتا رہتا ہے کہ وہ ہر وقت ذاکر رہے۔ قلب کی جنبش پر ہی ذکر کا دھیان کیا جاتا ہے اور اسی کو غمزہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور قلب کا کام چونکہ خون کو پھینکنا اور سمیٹنا ہی ہے اس لئے اس کے غمزوں (جنبشوں) کو خونی غمزے کہنا بھی درست ہے۔

اسی سلسلہ میں مزید بات چلی تو فرمایا کہ ذکر سالک کو فنائے نفس تک پہنچا تا ہے۔ اس سے آگے جو ترقی ہوتی ہے فکر سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ مرحلہ بھی آجاتا ہے جب نہ ذکر سے ترقی ہوتی ہے نہ فکر سے، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی ہوتی ہے جیسے کسی نے پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ داخل کیا تو اگر وہ پاس ہے تو یونیورسٹی سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ اسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملے یہ اس کا حق ہے۔ لیکن جس کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی جاتی ہے وہ اس کا ایسا حق نہیں جس کا وہ مطالبہ کر سکے۔ کوئی یونیورسٹی جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے۔

دستِ غیب

۲۱ ۔ مکتوباتِ معصومیہ کے ایک مکتوب میں سورۂ احد کے اسرار بیان کئے گئے ہیں، اُسے دیکھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ ہمارے وطن سرونج میں ایک ہندو سنار اللہ الصمد کا عامل تھا اور مشہور تھا کہ اسے دستِ غیب ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ سائیں توکل شاہؒ کی سوانح میں اسے فقراء کا کیمیا لکھا ہے اور سائیں صاحب اسے ہر روز بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ صحیح تعداد کیا لکھی ہے یاد نہیں۔ فرمایا کہ دستِ غیب کے لئے یہی ضروری نہیں کہ مصلے کے نیچے سے یا اسی طرح کسی اور طریقے سے کچھ مل جایا کرے، یہ بھی دستِ غیب ہی ہے کہ کوئی بلا توقع کچھ دیدے۔

قل ھو اللہ کی برکات

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دہلی میں کوچہ چیلاں میں ایک انجنیر تھے جنھوں نے اپنا گھر نہایت شاندار بنایا تھا اور اس میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے متعدد مقامات رکھے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہ ہو کہ یہاں کوئی چیز رکھی ہوگی۔ انھوں نے بیان کیا کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ تم روزانہ تین بار قل ھو اللہ پڑھ کر مجھے بخشدیا کرو۔ چنانچہ میں اس پر پابندی کرتا ہوں اور اس کا اثر یہ ہے کہ

جب بھی مجھے کوئی اہم کام پیش آتا ہے والد صاحب خواب میں میری رہنمائی فرمادیتے ہیں ۔۔۔۔
حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ارواح امداد ثواب بھی کرتی ہیں لیکن قلوب صاف نہ ہونے کی وجہ سے احساس نہیں ہوتا۔

مُردوں کو ثواب پہنچانا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مُردوں کو ثواب پہنچانے کے بارے میں علماء کی دو رائیں ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک کو ثواب پورا پورا ملتا ہے اور اکثریت کی یہی رائے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تقسیم ہو کر ملتا ہے۔ فرمایا کہ جن کو پہنچایا جائے ان کو تو ایک ایک ملتا ہے لیکن پہنچانے والے کو اپنا بھی ملتا ہے اور جن کو پہنچایا ہے ان میں سے ہر ایک کا ثواب بھی ملتا ہے۔ مثلاً ایک بار سورۂ احد پڑھ کر سو آدمیوں کو بخشی تو ہر ایک کو ایک ایک قل ہو اللہ کا ثواب ملے گا لیکن بخشنے والے کو ایک سو ایک قل ہو اللہ کا ثواب ملے گا۔ ایک پڑھنے کا اور سَو، سَو آدمیوں کو بخشنے کا۔

بزرگوں کے ختمات شریفہ

فرمایا کہ بعض بزرگ تو اپنی حیات ہی میں کوئی چیز مقرر فرمادیتے ہیں کہ اس پر ان کا ختم پڑھا جائے بعض مقرر نہیں فرماتے، ان کے متوسلین بعد میں مقرر کرلیتے ہیں جیسے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ نے جیسا کہ میرے علم میں ہے اپنے لئے کوئی ختم مقرر نہیں فرمایا تھا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے کچھ خلفا مزار پر مراقب تھے جن میں صوفی علی نواز صاحبؒ اور مولانا گوہاٹوی صاحبؒ بھی تھے مراقبہ میں کسی صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت کا ختم شریف اس آیت پر پڑھا جائے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا ختم شریف۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر گاندھی صاحب نے مجھ سے بھی دریافت کیا کہ آپ کا ختم کیا ہو، تو میں نے یہ سوچ کر کہ اچھا ہے ثواب جاری رہے کہدیا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا پڑھ لیا کریں۔ چنانچہ میں بھی اسے حلقہ کے روز پڑھتا ہوں۔

اسباق کے خواص

فرمایا کہ ہر سبق کے کچھ خواص ہیں اور ہر سبق سے کچھ رذائل کا ازالہ وابستہ ہے۔ پیر اس پر نظر رکھتا ہے کہ مرید سے رذائل دور ہوئے یا نہیں اور اسی سے وہ سبق میں پختگی کا اندازہ کرتا ہے۔ ہر پیر کو کشف نہیں ہوتا کہ مرید کی کیفیت معلوم کرلے۔ عام طور پر پیر مرید کے حالات پر نظر رکھتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ اس میں کونسی خرابیاں تھیں وہ زائل ہوئیں یا نہیں۔

قرب بالفرائض

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فنا کے ساتھ ساتھ بقا کا مرحلہ آتا جاتا ہے اور فنائے کامل کے بعد قرب بالنوافل سے ترقی ہوتی ہے اس کے بعد قرب بالفرائض کا مرحلہ آتا ہے یعنی پہلے تو وہ اپنی طرف سے جو چاہتا تھا نفل کے طور پر عبادت کرتا تھا اب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض امور پر مامور کر دیا جاتا ہے اور ان امور کی بجا آوری ہی سے اس کی ترقی ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر قرب بالفرائض والا فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے گرفت ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خلوت میں آدمیوں کو پہنچا کر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔ قرب بالفرائض کی صورت میں کسی کو تبلیغ، کسی کو تصنیف و تالیف، کسی کو کوئی اور کام سپرد ہوتا ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو نوافل کی کثرت کے بجائے ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مشغول بلکہ منہمک دیکھا گیا ہے۔ کیا یہ قرب بالفرائض کے قبیل سے ہے؟

آیتِ بے نقط۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی حافظ صاحب کے بارے میں فرمایا کہ ان سے دفعۃً کسی صاحب نے پوچھا کہ کوئی ایسی آیت بتائیے کہ جس میں کوئی نقطہ نہ ہو۔ انھوں نے فوری طور پر ایسی آیت بتا دی۔ فرمایا یہ تو مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے کون سی آیت بتائی تھی لیکن میرے ذہن میں بھی غور و فکر کے بعد یہ آیت آئی:

لاَ اِلیٰ ھٰؤلاءِ ولاَ اِلیٰ ھٰؤلاءِ۔

خواب، واقعہ اور مشاہدہ۔

۲۳ پ‍ ‍ ۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر کوئی باوضو ذکر کرتے ہوئے سو جائے اور خواب دیکھے اور دوسرا شخص مراقبہ کی حالت میں سو جائے اور کوئی چیز دیکھے تو کیا دونوں رویتوں کا ایک حکم یعنی خواب کا حکم نہ ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ خواب، واقعہ اور مشاہدہ یہ تینوں مختلف چیزیں ہیں۔ جب سونے کے ارادہ سے لیٹے تو سونا اصالۃً ہوگا، اور ذکر تبعاً اور جب مراقبہ میں بیٹھے اور نیند آجائے تو اس میں ذکر اصالۃً ہوگا اور نیند طبعاً۔ سونے کی حالت میں جو نظر آئے گا وہ خواب کہلائے گا اور وہ ضعیف ہوتا ہے اور مراقبہ میں نیند اور غفلت کی حالت میں جو نظر آئے وہ واقعہ کہلاتا ہے اور یہ خواب سے قوی ہوتا ہے۔ اور اگر مراقبہ اور ذکر کی حالت میں بیٹھے اور نیند اور غفلت نہ ہو اور پھر کچھ نظر آئے خواہ آنکھیں بند ہوں یا کھلی آنکھوں سے کچھ نظر آئے تو اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ بند آنکھوں کی طرح کھلی آنکھوں سے بھی نظر آتا ہے اور حواس پر حال کا غلبہ ہوتا ہے، جیسے

کہ انبیاء علیہم السلام کو سب کی موجودگی میں فرشتے نظر آتے ہیں اور دوسروں کو نظر نہیں آتے، یا جیسے قریب المرگ شخص کو ارواح اور فرشتے نظر آتے ہیں جبکہ پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتے۔ مشاہدہ، واقعہ سے بھی قوی ہوتا ہے۔

فنا فی الرسول

۲۵ ۱۱/۱۸ء بروز جمعرات۔ حلقہ کے بعد خلافِ معمول ڈاکٹر خان رشید صاحب، حاجی محمد اعلیٰ صاحب اور یہ ناچیز حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ کمرے میں بیٹھے۔ میں نے عرض کیا کہ مراقبہ میں گنبدِ خضراء تو بکثرت نظر آتا ہے کبھی خانہ کعبہ نظر نہیں آتا۔ فرمایا کہ یہ فنا فی الرسول کے مقام کا اثر ہے اور اس کے بعد فنا فی اللہ کا مرتبہ آتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ زندگی میں تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی کہ مثلاً محبتِ رسولؐ کا غلبہ ہو یا اتباعِ سنت کا غیر معمولی رجحان ہو۔ فرمایا کہ اس کے باوجود کچھ اثرات غیر محسوس بھی ہوتے ہیں جن کی سالک کو خبر نہیں ہوتی۔

فنائے قلب و فنائے نفس

میں نے عرض کیا کہ بعض مرتبہ قرآن کے حفظ کرنے میں اتنا دل لگتا ہے کہ ذکر و مراقبہ کو جی نہیں چاہتا تو کیا تلاوتِ قرآن ذکر و مراقبہ کا بدل ہو جائے گا؟ فرمایا کہ فنائے قلب اور فنائے نفس کے بعد تلاوتِ قرآن ترقیٔ درجات کا سبب ہوتی ہے لیکن اس سے پہلے ذکر و مراقبہ کا بدل نہیں ہوتی۔ ثواب اور فائدہ تو یقینی ہے لیکن اس سے اس درجہ کی فنائے قلب و نفس حاصل نہیں ہوتی جس درجہ کی اور جس تیزی سے ذکر و مراقبہ سے ہوتی ہے۔ فرمایا کہ دوسرے سلسلوں میں نفی و اثبات سے ابتداء کی جاتی ہے کہ ابتداءً فنائے قلب حاصل ہو اور آفاق سے تعلق حبی اور تعلق علمی منقطع ہو، اس کے بعد نفس کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور فنائے نفس حاصل ہوتی ہے لیکن نقشبندیہ سلسلہ میں ذکر سے ابتدا کی جاتی ہے، ذکر جذبہ پیدا کرتا ہے اور جذبہ سے اُچھل کود مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب میلان و کشش و اجتباء مراد ہے بمصداق اَللّٰہُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۳) [اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اسکو جو رجوع کرے] اور اسی ذکر و جذبہ کے ضمن میں اجمالی طور پر فنائے قلب حاصل ہوتی رہتی ہے، اس کے بعد نفی و اثبات کے ذریعہ تفصیلی فنا ہوتی ہے۔

اسباق کے اثرات

فرمایا کہ لوگ جب اپنے اندر وہ اثرات نہیں پاتے جو اثرات کہ مختلف اسباق کے کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں یا دوسرے بزرگوں کے حالات میں ملتے ہیں اور اس پر انھیں تعجب اور مایوسی ہوتی ہے۔ حالانکہ

اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اتنی محنت نہیں کرتے جتنی اگلے لوگ کرتے تھے، اتنی محنت کریں تو ہم بھی ویسے ہی اثرات دیکھیں ــــ فرمایا کہ ہم سے تو اتنی محنت بھی نہیں ہوتی جتنی محنت ہم نے اپنے بزرگوں کو کرتے دیکھا ہے، اور ہم نے اگرچہ ان کے برابر محنت نہیں کی لیکن جتنی کچھ کی ہے آج لوگ اتنی بھی نہیں کرتے پھر بھی ہم ان کے اسباق بڑھاتے رہتے ہیں محض اس لئے کہ کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اور مشاغل اتنے ہیں کہ جیسی چاہئے ویسی محنت مشکل ہے۔

فرمایا کہ ہمارے حضرت کے سفر کا معمول تو ہمارے سامنے ہے اور گھر کا بھی کم و بیش یہی معمول تھا کہ صبح کی اذان سے دو گھنٹے پیشتر اٹھکر نوافل سے فارغ ہو کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پھر فجر کی سنتیں پڑھ کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔ واپس آکر اپنے کمرے میں یا اگر خاص کمرہ نہیں ہے تو سب کی موجودگی ہی میں اپنے اسباق کے دہرانے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ عموماً کمرہ علیحدہ ہوتا تھا اس میں تشریف رکھتے تھے۔ اور اگر کسی کو کوئی سبق یا توجہ دینی ہوتی تھی تو اسے کمرہ میں بلا کر سبق یا توجہ دیتے تھے پھر اپنے اسباق دہرانے میں مشغول ہو جاتے تھے، سورج کے کافی بلند ہونے تک اس میں مشغول رہتے تھے۔ بعد ازاں اشراق سے فارغ ہو کر کمرہ سے برآمد ہوتے تھے اور باہر تشریف لا کر دہ تعویذ جو عموماً مانگے جاتے تھے لکھنا شروع کر دیتے تھے تاکہ جو مانگے اسے دیدیئے جائیں اور اگر کوئی شخص کوئی خاص تعویذ مانگتا تھا تو اسی وقت لکھدیتے تھے اور اسی اثنا میں لوگوں کے احوال اور کیفیات بھی دریافت فرماتے جاتے تھے۔ ساڑھے دس یا گیارہ تک یہ معمول رہتا تھا پھر کھانا کھاتے تھے اور قیلولہ کے لئے لیٹ جاتے تھے خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔ پھر ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر تلاوتِ قرآن مجید، دلائل الخیرات اور حزب البحر پڑھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ عصر سے کچھ قبل فارغ ہوتے تھے، لوگوں سے احوال و کیفیات دریافت کرتے ہوئے عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا تھا۔ عصر کے بعد مغرب تک حلقہ ہوتا تھا۔ مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو کر اگر کھانے میں دیر ہے تو کچھ دیر لیٹ جاتے تھے پھر کھانا کھاتے تھے اور اگر کھانا تیار ہوا تو کھانا کھا لیتے تھے عشا کی نماز سے فارغ ہو کر ختم شریف پڑھا جاتا تھا اور مراقبہ ہوتا تھا۔ پھر سونے کے لئے لیٹ جاتے تھے اور کچھ لوگ پیر دابنے لگتے تھے۔ رات کو نیند دیر سے اور کم آتی تھی پھر بھی فجر کی اذان سے دو گھنٹہ پیشتر اُٹھ جاتے تھے۔ گھر پر اس معمول میں اتنی ترمیم ہوتی تھی کہ جب تک بچے چھوٹے تھے گھر کا سودا خود لاتے تھے جب بچے بڑے ہو گئے تو وہ لانے لگے۔ اور کبھی حضرت کے بھائی لا دیتے تھے۔ اور فارغ وقت میں فقہ کی کسی کتاب یا بزرگوں کے تذکروں کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے باقی معمولات وہی تھے۔

فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحب ہندو کے یہاں کی کوئی چیز نہ کھاتے تھے۔ ہر شخص کی دعوت بھی

قبول نہ فرماتے تھے اگر کوئی باصرار دعوت کرتا تو یہ شرط ہوتی تھی کہ جو عورت کھانا پکائے وہ نمازی ہو اور باوضو پکائے ـــ جس کنوئیں سے ہندو بھی پانی بھرتے ہوتے اس کنوئیں کا پانی استعمال نہ کرتے تھے۔ایک مرتبہ شروع میں کرنال کی ایک مسجد کا پانی یہ سمجھ کر کہ اس سے ہندو پانی نہ بھرتے ہوں گے دو تین روز تک استعمال کرتے رہے جب معلوم ہوا کہ اس سے ہندو بھی پانی بھرتے ہیں تو کپڑوں کے وہ حصے دھوئے جن سے وضو کا پانی لگتا ہے اور اتنے دنوں کی نمازوں کا بھی اعادہ کیا ـــ اسی طرح بازار کی تیار شدہ چیزوں کو بھی نہ کھاتے تھے۔

فنائے قلب کے لئے کثرتِ ذکر ضروری ہے۔

فرمایا کہ ملتان اور کبیر والہ کے درمیان ایک قصبہ "قادر والا" ہے، اس میں عطا محمد صاحب ایک بزرگ رہتے ہیں جو مولانا غلام حسین صاحبؒ کے خلیفہ ہیں اور مولانا غلام حسینؒ صاحب حضرت خواجہ سراج الدینؒ صاحب کے خلیفہ ہیں۔ یہ عطا محمد صاحب ذکر و مراقبہ میں بہت مشغول رہتے ہیں۔میرا بھتیجا محمد مختار اُن کے پاس جاتا رہتا ہے۔ مختار سے انھوں نے دریافت کیا کہ تم ایک لطیفہ پر کتنا ذکر کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ دو چار ہزار بار۔ کہا کہ اس سے کیا ہوتا ہے، ہر لطیفہ پر کم از کم ایک لاکھ ذکر تو ہو، اس کے بغیر فنائے قلب حاصل نہیں ہوتی ـــــ ایک مرتبہ مختار نے رات ان کے پاس گذاری صبح کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تو اُٹھنے کا نام ہی نہیں۔ مختار کو کبیر والہ واپس جاکر دفتر پہنچنا تھا وہ بہت پس و پیش میں تھا اور عطا محمد صاحب مراقبہ ختم کرنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ آخر کافی دیر بعد انھوں نے مراقبہ ختم کیا اور فرمایا کہ آیا کرو تو چھٹی لے کر اطمینان سے آیا کرو تاکہ ٹھکانے سے ذکر و مراقبہ ہو، مراقبہ اِدھر کر رہے ہو اور دھیان دفتر جانے کی طرف لگا ہوا ہے اس سے کیا فائدہ ـــــ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ابتک ایسے لوگ موجود ہیں جو ذکر و مراقبہ میں اسقدر مشغول رہتے ہیں پھر اگر ہم اتنا وقت صرف نہ کریں تو ویسے ثمرات کیسے دیکھیں۔

عطا محمد صاحب کے ذکر پر ان کے پیر غلام حسین صاحب کا ذکر بھی آگیا کہ ان کے ہاتھ پر سینکڑوں ہندو مسلمان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں کچھ اثر اور کشش ہی ایسی رکھی تھی ـــ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا عبدالمالک صاحب بکر والے بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ملتان کے اسٹیشن پر مولانا غلام حسینؒ صاحب لوگوں سے ملنے کے لئے ڈبہ سے نیچے اُترے، ذرا فاصلہ پر ایک نہایت خوبصورت سکھ سبزہ آغاز کھڑا تھا جو اسٹیشن پر واچ میں تھا اور اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی چھڑی تھی۔ اس سکھ نے حضرت کو دیکھا تو ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ ہاتھ سے چھڑی گر گئی تو اسے اٹھانے جھکا لیکن اس طرح کہ نظریں حضرت ہی کی طرف رہیں حضرت کی نگاہ بھی اس پر پڑی اور دل میں کہا کہ خداوندا کیا تو اتنی اچھی صورت کو جہنم میں ڈال دیگا۔ دل میں

تابع ہونے سے بھی آزاد ہو گیا جسے فنائے نفس کہتے ہیں تو اب وہ جو کام بھی کرے گا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے گا اور اسے ہر کام سے ترقی حاصل ہوتی رہے گی۔

سلوک میں دفعۃً ترقی نہیں ہوتی۔

فرمایا کہ سلوک میں دفعۃً ترقی نہیں بلکہ تدریجی ترقی ہوتی ہے جو سالک کو بعض اوقات محسوس بھی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک شخص کی جیب میں سو روپے ہوں اور ان میں ایک کا اضافہ ہو جائے تو اس کی طرف کوئی اعتنا نہیں ہوتا اور اسی عدم اعتنا کی وجہ سے بعض مرتبہ وہ محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ اگر وہ بڑھتے بڑھتے دو سو ہو جائیں تو نمایاں طور پر اضافہ محسوس ہونے لگتا ہے فرمایا کہ سالک کو اگرچہ بعض اوقات اپنی ترقی کا احساس نہیں ہوتا لیکن اس کا شیخ اس کے مختلف آثار و قرائن سے اس ترقی کو محسوس کر لیتا ہے اور اسی لئے اس کے اسباق بڑھاتا رہتا ہے —— اس پر میں نے عرض کیا کہ دو کروڑ قطرے تدریجاً پتھر میں سوراخ کر دیتے ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سوراخ کرنے میں پہلے قطرے کو کوئی دخل نہیں بلکہ ہر ہر قطرے نے اثر کیا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہر قطرہ کا اثر محسوس نہیں ہوتا مجموعی قطرات کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن جو ارباب بصیرت ہیں وہ یہ تک محسوس کر لیتے ہیں کہ ایک ایک قطرہ کا اثر کیا ہوا —— فرمایا ہاں سلوک کی یہی کیفیت ہے۔

حقیقتاً قلب جاری ہونے کا مطلب۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قلب کا جاری ہونا اسے سمجھا جاتا ہے کہ قلب میں حرکت پیدا ہو جائے اور اس حرکت پر اللہ اللہ کا تصور جم جائے۔ اگرچہ یہ بھی محمود ہے، حالانکہ حقیقتاً قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ قلب جوارح پر جاری ہو جائے یعنی اعمال شریعت اور سنت کے مطابق ہونے لگیں۔

واردات و کیفیات ایک مرحلہ پر ختم ہو جاتی ہیں۔

۲۰ $\frac{۱۳}{۷۲}$ء بعد مغرب حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مکتوبات معصومیہ کا ترجمہ زیر غور تھا۔ اسی کے دوران فرمایا کہ سالک کو ابتداً واردات و کیفیات ہوتی ہیں اور پھر ایک مرحلہ پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر پیر سمجھتا ہے کہ شاید اس نے ذکر میں کمی کر دی اور سالک سمجھتا ہے کہ کثرت ذکر کے باوجود ان سابقہ کیفیات کا نہ ہونا کوئی بری حالت ہے اور شاید پیر صاحب کے پاس اب کچھ اور نہیں اور ان سے وابستگی میں اب کوئی فائدہ نہیں۔ یہ مقام پیر و مرید کے لئے مزلت اقدام ہے اور دونوں کو شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حالانکہ اگر ذکر و مراقبہ میں فتور نہ ہو تو یہ مقام آتا ہے کہ واردات و کیفیات ختم ہو جاتی ہیں یہ مصطلح جہل و نکارت کا دور ہوتا ہے اور یہ ترقی کی علامت ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ سالک میں دنیا سے

بے رغبتی اور آخرت کی رغبت بڑھ جاتی ہے جیسا کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے لکھا ہے۔

اسباق سے متعلق۔

کام ختم ہونے کے بعد جب روانہ ہوئے تو راستہ میں فرمایا کہ خواجہ محمد معصوم صاحبؒ اور ان کے مریدوں کے حالات جو مکتوبات سے معلوم ہوتے ہیں یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، اب نہ ویسے پیر ہیں، نہ ویسے مرید۔ اب تو پیر یہ کرتے ہیں کہ بزرگوں نے جو کورس پڑھا دیا ہے وہ دوسروں کو پڑھا دیتے ہیں اور ہر ہر سبق میں اس کمال کو مرید میں نہیں دیکھتے جو سابقہ بزرگوں کے حالات میں ملتے ہیں کیونکہ یہ ہمتوں کے فتور اور مشاغل کی کثرت کا زمانہ ہے۔ مرید کو جتنی محنت کرنی چاہیئے اس کے لئے اسے اتنا وقت ملتا ہی نہیں، اس لئے ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ مرید کو کسی سبق سے فی الجملہ نسبت پیدا ہوگئی تو سبق آگے بڑھا دیتے ہیں اور اس طرح پورے کورس سے اسے فی الجملہ نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

کیا ارواح آپس میں ملاقات کر سکتی ہیں۔

۲۷ر فروری ۱۹۷۷ء کو حضرت شاہ صاحبؒ دو بسوں میں بیاسی آدمیوں کے ساتھ ٹھٹھہ تشریف لے گئے یہ خادم بھی ساتھ تھا۔ اس سفر میں جامع مسجد ٹھٹھہ کی مشرقی دیوار کے سایہ میں بعد ظہر کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے میں نے عرض کیا کہ کیا مرنے کے بعد ارواح کے درمیان حجاب نہیں ہوتا، ہر روح ہر ایک کی روح سے ملاقات کر سکتی ہے اور کیا عالم ارواح میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب چاہیں ملاقات کر سکتے ہیں؟
—— فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ارواح اپنے اپنے علاقے کے لوگوں سے متعارف ہوتی ہیں اور جن سے دنیا میں تعارف نہیں ان سے وہاں کبھی کبھی ملاقات ہو سکے گی —— فرمایا کہ بزرگوں سے منقول ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کے رشتہ دار یا اس کے سلسلہ کے متعارف لوگ اس کی روح سے یہاں کے دوسرے لوگوں کے حالات پوچھتے ہیں کہ فلاں فلاں کیسے ہیں؟ اور جب کسی کے بارے میں وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے وفات پا چکا ہے تو پھر وہ اِنّا لِلّٰہِ پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب وہ ہم میں نہیں آیا تو بُری روحوں میں سے ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنے بزرگوں کی ارواح کے ساتھ نیاز حاصل ہو سکے گا۔

سماعِ موتی۔

ایک نوجوان عالم جو مدرسہ بنوری ٹاؤن کے فارغ التحصیل اور کسی مسجد میں امام ہیں اور جنہیں میں نے پہلی بار اس جماعت میں دیکھا انھوں نے سماعِ موتی کے بارے میں دریافت کیا اور یہ آیت پڑھی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل آیت) [تحقیق آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے] ۔ تو حضرت نے فرمایا کہ سماعِ موتی تو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ قلیب بدر کے مُردوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخاطب کر کے

فرمایا کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے سچ پالیا، کیا تم نے بھی وہ وعدہ سچ پالیا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ بعض صحابہؓ نے جب عرض کیا کہ حضور! آپ ان مُردوں سے کیا باتیں کر رہے تھے جو کچھ بھی نہیں سنتے تو آپ نے فرمایا کہ وہ اتنا سن رہے ہیں کہ تم بھی ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ پھر جب کوئی قبور پر پہنچے تو سلام کرنے کا حکم ہے۔ اگر وہ نہیں سنتے تو شارع کا یہ حکم عبث ہوگا۔ اس لئے اس آیت کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ براہ راست مردے کو کچھ سنا سکے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سنوا دیتا ہے۔

عصابہ کا حکم

مولوی سراج صاحب نے دریافت کیا کہ ایک شخص کا پاؤں ٹوٹ جانے کی وجہ سے ڈاکٹروں نے اچھا ہو جانے کے بعد بھی ایک پٹی سی چڑھا دی ہے اور اس سے پشت پا کی بھری ہوئی ہڈی اور ٹخنے چھپے ہوئے ہیں اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے تو اس صورت میں وہ کیا کرے؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ میں نے دیکھا ہے، اس کا حکم عصابہ کا ہے۔ اور سر اور چہرہ کے سوا عصابہ کسی اور جگہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اولیائے عزلت اور اولیائے ارشاد

آج ۷ رمارچ ۱۹۷۷ء کو ناظم آباد کے علاقہ میں کرفیو کی پابندیاں صبح ساڑھے چھ بجے سے شام کے چار بجے تک کے لئے نرم ہوئیں (بھٹو حکومت کے خلاف متحدہ محاذ کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کراچی کے مشرقی اور مغربی حصہ میں کئی روز سے کرفیو نافذ ہے) تو میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ناظم آباد پہنچا، وہاں حاجی محمد اعلیٰ صاحب، ڈاکٹر خان رشید صاحب اور دوسرے کئی حضرات موجود تھے۔ میں نے عرض کیا کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے بارے میں سنا ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ انگریزوں کی گرفت ملک پر مضبوط ہوتی جا رہی ہے اس سلسلہ میں کیا اولیاء اللہ کچھ نہیں کر سکتے؟ — انھوں نے فرمایا کہ صرف ایک تسبیح گھمانے میں تختہ الٹ سکتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ تسبیح گھمائے —— یہ واقعہ سنا کر میں نے عرض کیا کہ کیا واقعتہً اولیاء ایسے مواقع پر کچھ نہیں کر سکتے؟ —— حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ دو قسم کے ہوتے ہیں: اولیائے عزلت اور اولیائے ارشاد — اولیائے ارشاد کا کام تبلیغ و رشد و ہدایت ہے وہ عوام کے درمیان عوام ہی کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں جیسے کہ انبیاء علیہم السلام لوگوں کے درمیان انہی کی طرح رہتے ہیں اور اسی لئے ان پر اس طرح کا اعتراض ہوتا ہے کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان آیت)

(اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) — یہ اولیائے ارشاد ان عام

مصائب سے بھی دوچار ہوتے ہیں جو عوام کو درپیش ہوں، فرق یہ ہے کہ عوام کے مقابلے میں ان کے دل بے خوف ہوتے ہیں۔ اور اولیائے عزلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی امور پر مامور ہوتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں جیسے کہ حضرت خضرؑ کہ ان کا بیٹا بھی اگر ان کے سامنے بلکہ ان کے ہاتھوں قتل ہوتا ہے تو ہو جائے اور وہ دم نہیں مار سکتے۔ جیسے کہ پولیس کے سپاہی کہ حکم کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور اپنے ہی آدمیوں اور اپنے ہی بچوں پر لاٹھی اور گولی چلاتے ہیں۔ —— فرمایا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک شخص کو اگر اس خدمت پر مامور کر دیا جائے تو وہ ہمیشہ اس خدمت پر مامور رہے۔ جب خدمت اس کی برداشت سے باہر ہو جائے یا اس سے کوئی نافرمانی یا گستاخی ہو جائے تو اسے بدل دیا جاتا ہے۔ سنا ہے کہ کوئی صاحب سمندر کے کسی حصے پر مامور تھے، بارش ہونے لگی انھوں نے سوچا یا کہا کہ خداوندا یہاں تو پہلے سے پانی ہی پانی ہے اس پر پانی برسنے میں کیا مصلحت ہے۔ اسی گستاخی پر انھیں خدمت سے ہٹا دیا گیا —— فرمایا کہ عبدالوہاب شعرانی اور صاحب فتوحات مکیہ وغیرہ جیسے لوگ اس نظام کے قائل ہیں اور بہت سے ایسے واقعات بھی معتبر طریقے سے سنتے ہیں کہ اس نظام سے انکار کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی —— فرمایا کہ ہمارے ایک چچا جو شیعہ تھے۔ چونکہ ہمارے خاندان میں خود کاشت زمینداری تھی، چچا اس سے بددل ہو گئے اور پنجاب میں جا کر کسی ٹھیکیدار کے پاس مزدوروں کی نگرانی کے لئے میٹ کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ انھوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے کچھ مزدوروں کی ضرورت پیش آئی، میں تلاش کے لئے نکلا۔ جنگل میں لٹھ لئے ایک مجذوب ملے جنھیں اس اطراف کے لوگ جانتے تھے، انھوں نے مجھ سے پوچھا کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا مزدوروں کی تلاش میں۔ کہا کہ مزدور تجھے فلاں اسٹیشن پر ملیں گے وہاں چلا جا۔ پھر وہ میرے ساتھ بستی میں آئے، ایک بھٹیارن روٹیاں پکا رہی تھی اس سے کہا کہ چار روٹیاں دیدے، اس نے دیدیں، انھوں نے وہ روٹیاں مجھے دیں اور کہا کہ رکھ لے اب تجھے تیسرے وقت کھانا ملے گا اس لئے ان روٹیوں کو احتیاط سے صرف کرنا۔ پھر وہ میرے ساتھ اسٹیشن آئے۔ اسٹیشن ماسٹر انھیں دیکھ کر بھاگا، انھوں نے آواز دی کہ بھاگ مت، میری بات سن اس آدمی کو فلاں اسٹیشن جانے کے لئے گاڑی میں بٹھا دے، چنانچہ ایک گاڑی آئی اسٹیشن ماسٹر نے اس پر مجھے بٹھا دیا، میں اس اسٹیشن پر اترا تو جتنے مزدور مجھے درکار تھے اتنے ہی اسٹیشن سے باہر بیٹھے تھے —— فرمایا کہ چچا نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے ملتان جانا تھا میں اسٹیشن کے لئے روانہ ہوا تو جنگل میں پھر وہ مجذوب مل گئے ان کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ ملتان جانا ہے۔ کہا چل میں تجھے پہنچا دوں۔ میرا ہاتھ پکڑا، تھوڑی دور تک ایک دو ہوٹلے کرائے اور کہا کہ دیکھ وہ شہر نظر آ رہا ہے وہی ملتان ہے۔ میں ملتان پہنچ گیا۔

مجذوبوں کے ساتھ گستاخی سے پیش نہیں آنا چاہئے۔

میں نے عرض کیا کہ مجذوبوں کے پاس جانا چاہئے یا نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر مل جائیں تو خواہ وہ واقعتہً مجذوب ہوں یا نہ ہوں صرف مجذوبوں جیسی ظاہری حالت ہو بہر حال ان کے ساتھ گستاخی سے پیش نہ آنا چاہئے کیونکہ "تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد" لیکن ان کے پاس جانے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اگر روحانی ہدایت کے لئے جائیے تو وہ اس کے اہل نہیں کیونکہ وہ صاحب ارشاد نہیں اور اگر کسی حاجت کے لئے جائیں تو وہ تو وہی کرنے کے پابند ہیں جس کا انھیں حکم ہوا ہو۔ کسی کے جانے نہ جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

خواب ہر شخص سے بیان نہیں کرنا چاہئے۔

پھر میں نے دریافت کیا کہ خواب کو دوسروں سے بیان کرنا چاہئے یا نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض خواب تو اضغاثِ احلام ہوتے ہیں بعض حدیثِ نفس یا تحت الشعور کی باتیں اور بعض بشرات ہوتے ہیں پھر بشرات میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے دیکھے ویسی ہی تعبیر سامنے آجاتی ہے اور بعض تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں جو بشرات محتاجِ تعبیر ہوں انھیں ہر شخص سے بیان نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بزرگ کہتے ہیں کہ ایسا خواب معلق رہتا ہے اور جب اس کی تعبیر کوئی شخص بیان کردے تو جیسی تعبیر اس نے بیان کی ہے ویسا ہی ہوجاتا ہے (حدیث میں بھی یہی آتا ہے) اس لئے ایسے خواب کسی ایسے شخص کے سامنے بیان کرے جو اہل ہو، اور اہل دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو عالمِ مثال سے واقف ہوتے ہیں اور جنھیں قرآن وحدیث وغیرہ کے ذریعہ اس کا علم ہوتا ہے کہ عالم مثال میں کس چیز کی کیا شکل ہے، مثلاً عزیز مصر کا خواب کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتدائی سات سالوں میں شادابی اور بعد کے سات سالوں میں قحط سالی کی تعبیر بیان فرمائی اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ عالمِ مثال میں شادابی کی شکل موٹی گائے اور قحط سالی کی شکل دبلی گائے ہے۔ دوسرے حضرات وہ ہوتے ہیں کہ جب ان سے کوئی اس طرح کا خواب بیان کیا جائے تو اپنے دل کو ہر نسبت سے خالی کرکے اس میں دیکھتے ہیں اور پھر انھیں جو تعبیر معلوم ہوتی ہے بیان کردیتے ہیں —— فرمایا کہ میں حتی الوسع تعبیر خواب دینے سے پرہیز کرتا ہوں، ایک تو اس وجہ سے کہ میرا نہ ایسا علم ہے اور نہ ایسی حالت، دوسرے اس وجہ سے بھی کہ اگر تعبیر دی جائے اور وہ ویسی ہی واقع ہوجائے تو جس کو تعبیر دی جائے وہ سمجھتا ہے کہ یہ بزرگ آدمی ہیں اور پھر اپنے نفس میں بھی تکبر پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسے آدمی ہیں کہ جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوگیا۔

حکیم مولا بخش اور جن عورتیں۔

۲۷ ہیجی ء آج حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلے حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے پاس پہنچا انھوں نے بیان کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ حاصل پور (ریاست بھاولپور) کے ایک حکیم صاحب کے بارے میں ایک قصہ سنایا جو حکیم صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بیان کیا تھا کہ حکیم صاحب کے مطب میں ایک مرتبہ دو برقعہ پوش خواتین آئیں حکیم صاحب ان کی جانب متوجہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ آپ پہلے دوسرے مریضوں سے فارغ ہولیں۔ چنانچہ سب مریضوں سے فارغ ہوکر حکیم صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے اپنے نقاب اُلٹ دیئے۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ ان عورتوں نے بیان کیا کہ ہمیں علاج نہیں کرانا ہم تو ادھر سے گذر رہے تھے تو سوچا کہ آپ سے بھی ملتے جائیں۔ یہ عورتیں جنات میں سے تھیں اور حکیم صاحب جنات وغیرہ کے عمل بھی کرتے رہتے تھے، ان عورتوں نے حکیم صاحب سے یہ بھی بیان کیا کہ تقسیم ہند کے وقت جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں انتقالِ آبادی ہوا ہے اسی طرح ہمارے درمیان بھی مسلموں اور کافروں کی آبادی کا انتقال ہوا ہے اور ہم ہندوستان سے منتقل ہوکر آئے ہوئے ہیں۔ حاجی اعلیٰ صاحب کو حکیم صاحب کا نام یاد نہ تھا میں نے کہا کہ ابھی جب حضرت صاحب کے پاس چلیں گے تو ان کا نام دریافت کیجئے گا۔ چنانچہ جب ہم حضرت صاحبؒ کے پاس پہنچے تو حاجی صاحب نے ان کا نام دریافت کیا۔ فرمایا کہ وہی جن عورتوں والے حکیم صاحب، ان کا نام حکیم مولا بخش تھا اور اب ان کا انتقال ہوچکا ہے۔

کتبِ فقہ اور تجوید کا بیان

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عمدۃ الفقہ میں ہم نے تجوید کا جو بیان لکھا ہے اس پر بعض حضرات کو اعتراض ہے کہ فقہ کی کتابوں میں تجوید کا بیان نہیں ہوتا۔ حالانکہ میں نے دراصل انواع بارک اللہ کو دیکھ کر ایسا کیا تھا کیونکہ اس میں بھی تجوید کا بیان ہے اور ابتدا میں یہی خیال تھا کہ انواع بارک اللہ کا جو منظوم پنجابی میں فقہ کا مجموعہ ہے اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ لیکن اس کام نے بڑھ کر عمدۃ الفقہ کی موجودہ شکل اختیار کرلی۔

فرمایا کہ پنجابی میں دو انواع مشہور ہیں: ایک انواعِ بارک اللہ، دوسری بارہ انواع۔ بارہ انواع کی ترتیب اتنی اچھی نہیں جتنی بارک اللہ کی ہے۔ اس میں نہایت مستند مسائل ہیں اور اس میں مولوی بارک اللہؒ نے جو ضلع فیروزپور کے رہنے والے تھے، فتاویٰ عالمگیری کے مسائل کو پنجابی میں نظم کیا ہے، اس کے علاوہ دوسری کتابوں سے جہاں وہ مسائل لیتے ہیں اشعار ہی میں حوالے دیئے جاتے ہیں۔

نسبت سلب ہونے کا مطلب۔

۱۹/۲/۷۶ء میں آج اپنی اہلیہ اور ایک بچی کے ہمراہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نئے مکان پلاٹ ۱۷ قطار ۲ سب بلاک اے، بلاک ۲ ناظم آباد کراچی میں چار بجے سے مغرب تک قرآن خوانی تھی اور بعد مغرب حضرت صاحب کی طرف سے کھانے کا انتظام تھا۔ یہ تقریب اسی مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں منعقد ہوئی۔ عورتوں اور مردوں کی خاصی تعداد تھی۔ بعد مغرب کچھ مخصوص حضرات جنھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور حضرت مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا تھا ایک کمرہ میں جمع تھے۔ میں نے ڈاکٹر گاندھی صاحب سے جو حضرتؒ کے خلیفہ ہیں دریافت کیا کہ نسبت کے سلب ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟ اتنے میں حضرت صاحب تشریف لے آئے تو یہ سوال ڈاکٹر صاحب نے حضرت کے سامنے پیش کر دیا۔ فرمایا کہ نسبت نام ہے اس تعلق کا جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، اس تعلق کو کوئی سلب نہیں کر سکتا، البتہ کیفیات سلب کی جا سکتی ہیں۔ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق یا نسبت، یہ بندہ کے عمل اور اخلاص کے مطابق ہوتی ہے اور یہ شیخ عطا نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ خود عطا فرماتا ہے، شیخ توجہ دیتے وقت کچھ کیفیات کو اپنے اندر مجتمع کرتا ہے اور پھر ان کو اپنی ہمت سے مرید پر منتقل کرتا ہے، یہی چیز جو شیخ دیتا ہے سلب بھی کی جا سکتی ہے' اور کیفیات دینے یا سلب کرنے کا عمل بالکل مسمریزم جیسا ہے کہ عامل اگر کوئی کیفیت معمول پر طاری کرنا چاہتا ہے تو معمول کو بھی اس کے لئے آمادہ رہنا چاہئے ورنہ اثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر عامل کسی سے کوئی کیفیت سلب کرنا چاہے اور وہ معمول ہمت کرے کہ میں سلب نہیں ہونے دوں گا تو اگر معمول کی توجہ اور ہمت قوی ہے تو اس سے وہ کیفیت سلب نہیں ہوتی۔

حضرت صاحبؒ کا ایکسیڈنٹ۔

رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ سے چند روز قبل حضرت شاہ صاحبؒ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ حضرت صاحب اور حاجی محمد اعلیٰ صاحب حسب معمول تفریح کے لئے تشریف لے گئے۔ ناظم آباد میں ہمدرد دواخانہ کے قریب ایک گلی سے گذر رہے تھے کہ پیچھے سے اسکوٹر نے ٹکر ماردی، حضرتؒ منھ کے بل گرے اور بیہوش ہو گئے۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کی پشت پر کافی زخم آئے، گھٹنے، پیشانی، رخسار اور ہونٹ پر زخم آئے اور ایک دانت ہل گیا آگے کے جو دو دانت بنے ہوئے تھے ان کا اسپرنگ ٹوٹ کر مسوڑھے میں گھس گیا ــــــ فرمایا کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ اسکوٹر نے ٹکر ماری، جو کچھ ہوا ایک خواب کی سی بات معلوم ہوتی ہے، عباسی شہید ہسپتال میں مرہم پٹی ہوئی اور وہیں ایک قے بھی آئی۔

اس کے بعد دوران گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کا ذکر لی مع اللہ وقت

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ واقعہ بھی ذکر فرمایا کہ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں نہ پہچانا تھا۔ میں نے ازراہِ خوش طبعی عرض کیا کہ کیا لی مع اللہ وقت کی کیفیت میں اس طرح ایکسیڈنٹ بھی ہو جاتا ہے کہ کچھ پتہ نہ چلے؟ — فرمایا کہ ہم تو اس کیفیت کو جانتے نہیں البتہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس میں عقائد درست نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ایسا ماحول عطا فرمایا کہ اس کے فضل سے عقائد درست ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز روزے کی توفیق بھی عطا فرما رکھی ہے۔

ارواح کی حاضری

حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے ارواح کی حاضری کے اعمال کا ذکر چھیڑا تو فرمایا کہ اول تو یہ بات ہی ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ارواح، علیین یا سجین سے آتی ہوں۔ یہ عامل کی صرف توجہ کا اثر بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علیین کی نیک ارواح کو اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر کہیں جانے کی آزادی دے رکھی ہو، اور سجین کی بد ارواح کو سزا کے طور پر کسی پر مسلط کر دیا جاتا ہو، کیونکہ ہوتا یہی ہے کہ عامل لوگ اس شخص کو جس پر بُری ارواح کا اثر ہوتا ہے تکلیف دیتے ہیں، جوتے تک مارتے ہیں۔

نوافل کھڑے ہو کر پڑھنا اقویٰ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھے۔ اب لوگوں نے بیٹھ کر پڑھنے ہی کو شعار بنا لیا ہے، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال سے ثابت ہے کہ کھڑے ہو کر نفل پڑھنا اقویٰ ہے اور فعلی اور قولی حدیث میں سے قولی کو ترجیح ہوتی ہے لہذا وتر کے بعد کے ان نوافل کو بھی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور اسی لئے حضورؐ کے بیٹھ کر پڑھنے کو یا تو آپ کی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا یا اس کی یہ تعلیل کی جاتی ہے کہ کثرتِ عبادت سے تھک کر آپؐ نے بیٹھ کر نوافل پڑھے ہوں۔

سلبِ نسبت اور قبض کی کیفیت

۳ جون ۶۷ء حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بعد عصر حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ بہت دن سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے نسبت سلب ہو گئی ہے، نہ اوراد میں جی لگتا ہے اور نہ عبادات میں۔ فرمایا کہ یہ نسبت کا سلب ہونا نہیں قبض کی کیفیت کہلاتی ہے، نسبت تو کفر، شرک، بدعات یا کبائر میں ابتلاء سے سلب ہوتی ہے لیکن قبض کی کیفیت مبتدی سے منتہی تک سب پر طاری ہوتی رہتی ہے۔ جب یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو انسان یہ سمجھتا ہے کہ شاید اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے چنانچہ وہ توبہ واستغفار کرتا ہے

اور بسط کے مقابلہ میں زمانۂ قبض کے توبہ و استغفار میں زیادہ خلوص ہوتا ہے۔ قبض کی کیفیت طاری ہو تو استغفار اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھنا چاہئے اور تکلف کر کے اوراد و عبادات ادا کرنا چاہئے اوراد و مراقبہ میں ناغہ نہیں کرنا چاہیئے چاہے تھوڑی دیر ہی کرے۔ کبھی موسم کی خرابی بھی قبض کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ فرمایا کہ قبض بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کیونکہ اس کے بعد جب دوبارہ بسط ہوتا ہے تو زیادہ قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر درخت کی جڑ میں مسلسل پانی کھڑا رہے تو یہ درخت کے لئے نقصان دہ ہے کاشتکار کرتا یہ ہے کہ پانی دیتا ہے پھر بند کر دیتا ہے حتیٰ کہ جڑوں میں کچھ خشکی آجاتی اور پھر دوبارہ پانی دیتا ہے، اس طرح پانی دینے سے درخت زیادہ قوی و شاداب ہوتا ہے اور اچھی طرح نشو و نما پاتا ہے۔

مغرب کی نماز حضرتؒ کے ساتھ ہی پڑھی۔ آپ نے فرمایا کہ لطائف تازہ کر دوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ تھوڑی دیر مراقبہ میں بیٹھیں میں کتابیں لا کر دکھاتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت دو کتابیں اندر گھر میں سے لائے ایک "عمدۃ السلوک" دوسری "انواع بارک اللہ"۔ عمدۃ السلوک میں سے قبض و بسط کا بیان پڑھ کر سنایا اور انواع بارک اللہ دکھائی کہ یہی کتاب تھی جو "عمدۃ الفقہ" لکھنے کی بنیاد بنی۔ واقعۃً آسان پنجابی نظم میں فقہ کی بڑی اچھی کتاب ہے، اس کے حواشی اردو میں تھے۔ میں نے عرض کیا کہ پہلے تو آپ نے فرمایا تھا کہ مولوی برکت اللہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولوی محمد صاحب نے فارسی میں حواشی تحریر کئے تھے۔ فرمایا کہ انھوں نے فارسی ہی میں حواشی تحریر کئے تھے اور وہ طبع بھی ہو گئے تھے بعد میں کسی نے ان کا اردو ترجمہ کر دیا۔

تصوف کا مفہوم

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگلے بزرگوں نے اس خیال سے کہ مدعیوں کو خبر نہ ہو تصوف کی اصطلاحات وضع کی تھیں اور ان اصطلاحات کی وجہ سے فنِ تصوف ایک پیچیدہ فن بن گیا۔ عرصہ سے میرا یہ خیال ہے کہ اب انہی اصطلاحوں کی وجہ سے مدعی لوگ اپنا جال پھیلاتے ہیں اس لئے ان اصطلاحات ترک کر کے سیدھے سادھے طریقے سے بتانا چاہئے کہ تصوف کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ علی میاں کی لکھی ہوئی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مراد آبادی کی سوانح کھولی تو اس پر نظر پڑی کہ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ فنا فی الرسول کیا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ جب طبعی طور پر سنت کی اتباع ہونے لگے تو یہ فنا فی الرسول ہے ــــ فرمایا کہ اسی طرح کی سیدھی اور صاف باتیں لوگوں کو بتانا چاہئے کہ فنا فی الرسول کی اصطلاح کی آڑ لے کر لوگ نہ جانے کیا کیا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ فرمایا کہ اتباعِ سنت کہنے کو تو صرف دو لفظ ہیں لیکن عمر صرف کر دو تو بھی علمی اور عملی اعتبار سے اتباعِ سنت کے کمال تک

پہنچنا دشوار ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے اتباعِ سنت کے سات درجات بیان کئے ہیں اور عوام اور اصحاب ظواہر جس کو اتباعِ سنت کہتے ہیں اسے اتباعِ سنت کا صرف پہلا درجہ لکھا ہے اور پھر مکان کے اندر سے حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ لاکر وہ مکتوب سنایا جس میں یہ سات درجات بیان کئے گئے ہیں۔

فرمایا کہ سالک کو پہلے فنافی الشیخ حاصل ہوتی ہے پھر فنافی الرسول پھر فنافی اللہ۔ فنافی الشیخ شغلِ رابطہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ہم نہ تو شغلِ رابطہ کا انکار کرتے ہیں اور نہ اس صورت کو درست سمجھتے ہیں کہ شیخ کی تصویر سامنے رکھے حتیٰ کہ نماز میں بھی شیخ کی تصویر سامنے ہو۔ ہمارا طریقہ افراط وتفریط کے درمیان ہے۔ یعنی سالک جب یہ اطمینان کرلے کہ میرا شیخ متبع سنت ہے تو پھر ہر وقت اس کا تصور کرے کہ وہ اس طرح نماز پڑھتا ہے، اس طرح اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا اور پہنتا ہے اور پھر چونکہ وہ کام سنت کے مطابق ہوتے ہیں اس لئے خود بھی اسی طرح کرے بلکہ اس تصور کی پختگی سے سالک خود بخود اپنے شیخ کی طرح اعمال کرنے لگتا ہے۔ اور مطلقاً تصور میں کوئی قباحت نہیں اس کا جواز ثابت ہے۔ حدیث میں ہے گویا کہ میں ایک نبی کو قبر میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی قوم نے انھیں خون آلود کردیا تھا اور وہ بارگاہِ خداوندی میں قوم کے لئے معافی کی درخواست کر رہے تھے کہ لوگ مجھے جانتے نہ تھے۔ فرمایا کہ تصور کا جواز تو ثابت ہی ہے لیکن اس اصول کے تحت کہ جو چیز عبادت میں معین ہو وہ بھی عبادت بن جاتی ہے، اگر تصورِ شیخ سے اتباعِ سنت و اتباعِ شریعت پیدا ہو تو یہ مستحب کے درجہ میں ہوگا۔ فرمایا کہ تصورِ شیخ کے کمال کے نتیجہ میں جسے فنافی الشیخ کہتے ہیں فنافی الرسول کی نوبت آتی ہے، اس مرحلہ پر شیخ درمیان میں نہیں رہتا بلکہ اگر سالک کو تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے شیخ کا فلاں عمل سنت کے خلاف تھا تو وہ شیخ کے عمل کو چھوڑ کر سنت کی اتباع کرتا ہے جیسا کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ تشہد میں انگلی کیوں اٹھاتے ہیں حالانکہ آپ کو حضرت مجددؒ سے اتنی محبت ہے اور حضرت مجددؒ انگلی نہ اٹھاتے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی اٹھایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ جب فنافی الرسول حاصل ہو جائے تو پھر فنافی اللہ حاصل ہو جاتی ہے اس لئے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء آیت) [جس نے رسول کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی]۔ اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم آیت ۳،۴) [وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے]۔ گویا تصورِ شیخ اور اس کے نتیجہ میں اتباعِ شیخ در اصل اتباعِ رسول اور اتباعِ خدا کا ذریعہ ہے۔

شغلِ رابطہ ہی کے سلسلہ میں فرمایا کہ حاجی محمد شفیع صاحبؒ کا رابطہ اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ انھیں

کوئی تکلیف ہوتی تھی تو فرماتے تھے کہ ہمارے حضرت (خواجہ محمد سعید صاحبؒ) کو اس وقت یہ تکلیف ہوگی اور جب تحقیق کی جاتی تھی تو یہ بات صحیح نکلتی تھی۔

فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحبؒ نے بیان کیا کہ ایک شخص حضرت خواجہ فضل علی صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھا تھا، کبھی وہ حضرت کی ڈاڑھی کو دیکھتا اور پھر اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر اپنی ڈاڑھی کو دیکھنے لگتا، پھر وہ حضرت کے کُرتے کو دیکھتا اور پھر اپنے کُرتے کو ہاتھ لگا کر اسے دیکھنے لگتا۔ حضرت خواجہ فضل علیؒ بھی اس کی نظر بچا کر اُسے کنکھیوں سے دیکھتے جاتے تھے۔ اس وقت وہ شخص اپنی ڈاڑھی اور لباس کو حضرت کی ڈاڑھی اور لباس کی طرح دیکھ رہا تھا اور یہ فنافی الشیخ کا اثر تھا۔

بزرگی کا معیار۔ راقم الحروف کی طبیعت میں ابتک بیہودگی ہے اس کے نتیجہ میں میں نے عرض کیا کہ حضرت! بعض آدمی ایسے بزرگ سے مرید ہوجاتے ہیں جو کچھ بتاتے ہی نہیں اس لئے وہ روحوں سے سوالات یا کشفِ قبور کے چکر میں پڑتے ہیں۔ اشارہ واضح تھا کہ آپ کچھ بتاتے ہی نہیں۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور حضرتؒ بھی مسکرائے فرمایا کہ ہمیں تو کچھ آتا نہیں۔ اس کے بعد حضرت جنیدؒ کا واقعہ سنایا کہ ایک شخص ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر جب واپس جانے لگا تو حضرت جنیدؒ نے جانے کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے اندر کوئی بزرگی نہیں دیکھی۔ فرمایا کہ اس عرصہ میں میرا کوئی فعل خلافِ سنت دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑی بزرگی اور کیا ہوگی۔

گویا حضرت شاہ صاحبؒ کا اشارہ اس طرف تھا کہ کشف و کرامات اور اخبارِ غیب کی وجہ سے میرے پیچھے نہ لگو بلکہ اتباعِ سنت کو معیار بنا کر میرے ساتھ وابستگی ہونی چاہیے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا انتقال

۱۷ ۱۰/۷۷ء آج صبح راولپنڈی میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا انتقال ہوا، رحمۃ اللہ علیہ۔ نعش کراچی لائی گئی، رات کو ساڑھے نو بجے نیوٹاؤن کی مسجد میں نماز جنازہ ہوئی۔ وہاں حضرت شاہ صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جنازہ کی نماز کے بعد تدفین میں چونکہ دیر تھی اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے، سلسلہ کے کچھ حضرات اور مولانا منتخب الحق صاحب اور یہ خادم بھی ہم سب لوگ حضرت کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ کسی صاحب نے کچھ اس طرح کی بات کہی کہ تدفین میں جلدی اس لئے کر رہے ہیں کہ کہیں نعش متغیر نہ ہوجائے کیونکہ انتقال کو سترہ گھنٹے ہوچکے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب دفن کردیا جائے تو صالحین کے اجساد برسوں تک قبروں میں اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ کفن تک میلا نہیں ہوتا لیکن تدفین کے قبل اگر زیادہ وقفہ گذر جائے تو جسم متغیر ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ

پاکستان بننے کے بعد جو جہاد کشمیر ہوا ہے اس کے ایک مجاہد لاہور میں آئے تھے اور سکریٹریٹ کی مسجد میں انھوں نے تقریر کی تھی میں بھی وہاں موجود تھا۔ انھوں نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ میرے مشاہدہ کی بات ہے کہ کشمیر میں بعض شہدار کی نعشیں کئی کئی دن تک پڑی رہیں لیکن ان میں کوئی تغیر نہ آیا ــــ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کے بارے میں سُنا ہے کہ جنت البقیع میں ان کے دفن کے تین سال بعد بھی جب اُن کی قبر کھولی گئی تاکہ اس میں دوسرے کو دفن کیا جائے تو ان کی نعش ویسی ہی تھی۔ مختلف اوقات میں تین بار ان کی قبر کھودی گئی اور ہر بار نعش محفوظ پائی۔

فنائے نفس

۲۹ جنوری ۱۹۷۸ء کو حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے مکان پر عصر کے وقت پہنچا۔ حضرت شاہ صاحبؒ وہاں تشریف فرما تھے دو حضرات اور بھی بیٹھے تھے جن سے حضرت گفتگو فرما رہے تھے۔ درمیان میں گفتگو منقطع فرمائی اور سب نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر سابق گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا، اس گفتگو کو چونکہ کئی روز بعد قلمبند کر رہا ہوں اس لئے صرف حسب ذیل باتیں یاد رہیں :-

فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ فنائے نفس کے بعد سالک کا یہ وجود فنا ہو جاتا ہے اور پھر وہ وجود موہوب کے ساتھ موجود ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود پر سے نفس امارہ کی حکومت ختم ہو جاتی ہے اور اب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہو جاتا ہے ـــــ فرمایا کہ ایک مزدور اگر یہ دیکھ رہا ہو کہ مالک اسے دیکھ رہا ہے تو کام میں قطعاً غفلت نہیں برتتا اور اگر وہ یہ تو نہیں دیکھ رہا کہ مالک اسے دیکھ رہا ہے لیکن سمجھ رہا ہے کہ مالک یہیں کہیں ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے تب بھی کام غفلت کے ساتھ نہیں کرتا۔ غفلت کو دُور کرنے اور کام کو حسن وخوبی سے انجام دینے میں پہلا درجہ دوسرے سے افضل ہے کیونکہ پہلا مقام مشاہدہ ہے اور دوسرا مقام مراقبہ اور حدیث شریف میں یہی بات فرمائی گئی ہے کہ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

قرآن مجید میں وقف اور وصل وفصل

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں وقف اور وصل وفصل کا معاملہ بھی بڑا دشوار ہے خصوصاً وہاں جہاں معانقہ ہو، ماہر لوگ ہی معانی کی مناسبت سے صحیح وقف کرتے ہیں فرمایا کہ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (آل عمران آیت ۷) (اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ان کا صحیح مطلب نہیں جانتا اور جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار ہیں) کے بارے میں تو صراحت دیکھی کہ جو لوگ یہ فرماتے ہیں

کہ متشابہات کی تاویل کو راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ العلم پر وقف کرنا چاہئے اور حضرت مجدد صاحبؒ بھی انہی میں سے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ان کی مراد کو جانتا ہے وہ اللہ پر وقف کرتے ہیں لیکن اس قسم کے تمام مواقع کے بارے میں اس طرح کی صراحتیں نظر سے نہیں گذریں۔

کتاب کی اہمیت۔

حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھ سے کوئی کتاب مانگی میں نے کتاب نکالی، اس پر بہت گرد پڑی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے صاف کرکے حضرت شاہ صاحبؒ کو دیدی۔ آپ نے فرمایا" صوفی صاحب! کتاب پڑھنے کے لئے ہوتی ہے رکھنے کے لئے نہیں"۔

توجہ کا اثر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ خلافت ملنے کے بعد اکثر ذکر و مراقبہ کی مجالس میں مشغول رہتے تھے ایک روز مسجد میں محفل مراقبہ جاری تھی کہ اتفاقاً مولانا عبداللہ صاحب جن سے حضرت نے خوشنویسی سیکھی تھی تشریف لے آئے کیونکہ مسلکاً غیر مقلد تھے اس لئے لوگوں کو جذب وکیف میں دیکھ کر متعجب ہوئے لیکن چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ میر مجلس تھے اس لئے خود بھی آنکھیں بند کرکے مراقب ہوگئے۔ اس وقت اہل مجلس پر کچھ خاص کیفیات طاری تھیں ذرا دیر بعد مولانا عبداللہ صاحب کو بھی بعض انوار نظر آنے لگے اور ان پر بھی جذبی کیفیات شروع ہوگئیں تو گھبرا کر مراقبہ توڑ دیا اور آنکھیں کھولدیں۔ مراقبہ ختم ہونے کے بعد دیر تک پوچھتے رہے کہ یہ کیا ہوتا ہے وغیرہ۔ اس کے بعد وہ بھی آپ کے معتقد ہوگئے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں مولانا عبداللہ صاحب بھی لاہور آگئے تھے، کراچی بھی کئی مرتبہ تشریف لاتے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات ہی میں انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نوٹ:۔ چونکہ راقم الحروف (محمد مظہر بقا) ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء کو مرکز البحث العلمی کلیۃ الشریعہ جامعۃ الملک عبدالعزیز مکہ مکرمہ میں ملازم ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا اس لئے حالات و ملفوظات لکھنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

ملفوظات

(از جناب ذوالفقار احمد صاحب الیکٹریکل انجینئر شکر گنج ملز لمیٹڈ جھنگ صدر)

[محترم جناب ذوالفقار احمد صاحب ماشاء اللہ بہت نیک، صالح اور صوفی منش نوجوان ہیں محترم جناب پروفیسر شیخ وجیہ الدین صاحب انجینئرنگ کالج لاہور کی صحبت نے آپ پر دینداری کا رنگ خوب چڑھایا پھر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بیعت و صحبت نے آپ کو مزید کندن بنا دیا آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی بعض مجالس کا تذکرہ مرتب کر کے عنایت فرمایا ہے جو مع آپ کے مکتوب گرامی کے درج کیا جاتا ہے۔ (مرتب)]

مکرمی و معظمی جناب حاجی محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم۔ جناب سراج احمد صاحب کے ساتھ ٹیلیفون پر مفصل بات چیت ہوئی۔ دل کو تسلی و تشفی دینے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔ قدرت کے فیصلے اٹل ہیں۔ بندے کو بندگی ہی مناسب ہے۔ صابر و شاکر رہنا چاہئے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لئے جھنگ کے خدام نے اجتماعی طور پر قرآن خوانی کے علاوہ کلمہ شریف کا ایک نصاب (ستر ہزار دفعہ) اور سورہ یٰسٓ کا ایک نصاب پڑھ کر ایصالِ ثواب کر دیا ہے۔ مزید تمام احباب کا ارادہ ہے کہ کم و بیش ہر آدمی ایک ایک نصاب کلمہ شریف کا انفرادی طور پر پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے۔ فقیر نے چونکہ عمدۃ الفقہ کے ذریعے جھنگ کے اکثر معروف علماء کو حضرت شاہ صاحبؒ سے متعارف کرا دیا تھا لہٰذا حضرت شاہ صاحبؒ کے انتقال کی خبر ان کے لئے بھی باعثِ صدمہ ثابت ہوئی۔ مجلس نظام العلماء جھنگ اور دار المطالعہ خلفائے راشدین کی مجلس کی جانب سے ایک متفقہ تعزیتی بیان جاری ہوا جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے انتقال کو پوری قوم کے لئے ایک صدمہ بتایا گیا بلکہ مفتی صاحب نے تو غلبۂ عقیدت میں یہاں تک لکھ دیا کہ فقہ کے معاملہ میں حضرت تھانویؒ کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا مقام ہے۔ بہر حال تعریف کرنے والوں کی تعریف سے حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات ستودہ صفات بہت زیادہ بلند ہے۔

جناب سراج احمد صاحب کی زبانی علم ہوا کہ ادارہ کی جانب سے حضرتؒ کے مکتوبات جمع کئے جا رہے ہیں۔ فقیر کے پاس بھی حضرت صاحبؒ کے مکتوبات محفوظ ہیں لیکن وہ ایسے نہیں کہ جزو کتاب بنیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فقیر کی حتی الوسع یہی کوشش ہوتی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو یک طرفہ خط لکھے اور جواب کی تکلیف نہ دے۔ جن امور میں جواب کی ضرورت ہوتی تھی فقیر ان کو بالمشافہ گفتگو پر موخر کر دیا کرتا تھا۔ یہ بھی سنا ہے

کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ملفوظات بھی اکٹھے کئے جا رہے ہیں، اس بارے میں فقیر چند باتیں عرض کرتا ہے :-

الف : پہلی عرض یہ ہے کہ فقیر اپنی محبت و عقیدت کی بنا پر اس کوشش میں رہتا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مجالس کے احوال قلمبند کرے تاکہ وقتاً فوقتاً انھیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرے اور نصیحت حاصل کرے۔ چنانچہ کراچی میں قیام کے دوران حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ تقریباً جتنی مجالس منعقد ہوئیں ان کے احوال رہائش کی جگہ پر آتے ہی موجود احباب سے مذاکرہ کے بعد نوٹ کر لئے جاتے۔ یہانتک کہ ایک دن فقیر نے حضرت شاہ صاحبؒ سے کفر اور کافری کے متعلق ایک سوال عرض کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے قریباً اڑھائی تین گھنٹہ اتنی شرح و بسط کے ساتھ اس پر بیان فرمایا کہ مزہ آ گیا۔ رہائش کی جگہ پہنچتے ہی ہم فقیروں نے اس بیان کو قلمبند کیا۔ اگلے دن حسب معمول جب حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مجلس میں پہلی بات یہ فرمائی کہ کل جو باتیں ہوئیں ایسی باتوں کو لکھ لینا چاہیئے، کرنے والے کے ذہن میں بھی ہر وقت نہیں آتیں اور سننے والے سے بھی بھول جانے کا اندیشہ ہے۔ فقیر کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ اس مجلس میں بیان کردہ معارف علم وہبی سے متعلق ہیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ تو آپ کی تمام مجالس کے احوال اپنے افادہ کے لئے لکھ رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد ایک دوسری مجلس میں فقیر نے ولایت کے متعلق ایک سوال پوچھا جس کے جواب کے بعد پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسی باتیں لکھ لینی چاہئیں۔ چنانچہ اس دن کے بعد سے فقیر کے دل میں اس بات کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم من اللہ عطا کردہ ہیں جن کی حفاظت اہم فریضہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کراچی میں قیام کے دوران جتنی مجالس میں دینی مسائل کی بات ہوتی فقیر اور دوسرے احباب ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے۔

ب : ہمارے لکھنے لکھانے کا معمول یہ تھا کہ رہائش کی جگہ پہنچ کر سب اکٹھے بیٹھ جاتے اور پہلے موٹے موٹے تمام نقاط بالترتیب لکھ لیتے۔ بعدہٗ اس کو تفصیل سے لکھتے اور کوشش یہ ہوتی کہ الفاظ و فقرات وہی ہوں جو حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہوں۔

ج : ہم لوگ چونکہ ان ملفوظات کو اپنے افادہ اور برکت کے لئے نوٹ کرتے تھے لہذا بعض مقامات پر پوری تفصیل نہ لکھی گئی، ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ باتیں تو پہلے ہی ازبر ہیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

د : فقیر مناسب سمجھتا ہے کہ ان مجالس کے احوال کو بالترتیب آپ کی خدمت اقدس میں روانہ کرے آپ اگر مناسب سمجھیں اور پڑھنے کے بعد محسوس کریں کہ ان میں کوئی بات ایسی ہے جو سالکین کے لئے فائدہ مند ہے تو اس کو ملفوظات میں شامل فرمائیں لیکن چونکہ فقیر کے اکثر سوالات اتنے زیادہ علمی درجہ اور کیفیات کے

نہیں ہونے تھے لہذا کئی جگہوں پر یہ بیان بہت سادہ اور عام باتیں ہوتی تھیں جن کو پڑھ کر آپ یہ نہ سوچیں کہ ان لوگوں نے معمولی باتوں میں حضرت شاہ صاحب کا وقت ضائع کیا۔ استغفر اللہ

س: جو تحریرات بھیجی جائیں گی ان کو پڑھ کر اگر آپ کسی جگہ محسوس کریں کہ لکھی ہوئی بات کی تصحیح میں شک ہے تو اس کو ٹھیک فرمالیں اور فقیر کے لئے مغفرت کی دعا کریں حضرت شاہ صاحبؒ کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی کچی اور ڈھیلی بات نکلے۔ صاف ظاہر ہے کہ لکھنے والوں نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا ہوگا جس کی بنا پر لکھنے میں سہو ہوا۔ اور اگر ان تحریرات کی بعض باتوں کو اہم سمجھیں اور محسوس کریں تو یہ من اللہ امر ہے۔ قدرت نے اپنے پیارے بندے کی زبان پر جاری کردہ علوم کی حفاظت کے اسباب پیدا کئے۔ فللہ الحمد۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ والسلام

فقیر ذوالفقار احمد جھنگ صدر ۳ر شوال سنہ ۱۴۰۰ھ

دوسری مجلس ۵/۹

سوال:۔ مشینی مرغی انڈے اور ان کی خوراک کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

فرمایا وہ جانور جس کا سارا جسم خالص حرام غذا سے بنا ہوا ہو حرام ہے اور جس کا کچھ جسم غالب حلال غذا سے بنا ہوا اس میں کراہت ہے ـــــــ شریعت ہر مسئلے کی پوری تفصیل بتادیتی ہے۔ آدمی کو اپنی کیفیت کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اور یہ ہر آدمی کی اپنی نیت پر منحصر ہے۔ بعض دفعہ فتویٰ پر عمل کرنا تقویٰ سے افضل ہے۔ عموم بلویٰ کے بارے میں شریعت نے یہاں تک تفصیل دی ہے کہ اگر آدمی دو حرام میں پھنس جاتے تو ہلکے حرام کو اختیار کرلے ـــ بعض دفعہ آسانی چھوڑ کر تنگی میں پڑنے سے آدمی کفر کی طرف مائل ہو جاتا ہے مثلاً بنک کی ملازمت چھڑانے سے آدمی افلاس میں پھنس جائے گا اور بعض دفعہ افلاس کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

چوتھی مجلس ۵/۹

پھر شادی کے بارے میں مسائل دریافت کئے مثلاً شیعہ لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کیلئے اگر والدین مجبور کریں تو لڑکے کو کوئی حق ہے یا نہیں؟

فرمایا کہ" سارا حق ہی لڑکے کے پاس ہے اور شیعہ لڑکی کے ساتھ شادی نہ کرنی چاہیئے"۔

سوال: واقف لوگوں اور رشتہ داروں میں رشتہ کرنا چاہیئے یا بیگانوں میں؟

فرمایا کہ" پہلے تو رشتہ داروں میں اچھا ہوتا تھا لیکن آج کل رشتہ داروں سے رشتہ کرنے کے نتائج بیگانوں میں کرنے سے بھی خراب ہیں۔ لہذا رشتہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے اپنے پرایوں کی تخصیص کرنی چاہئے

؎ رفیقوں سے رقیب اچھے جو جل کر نام لیتے ہیں ‎ ‎ گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

وٹہ سٹہ کی ابتدا اچھی تھی لیکن آج کل اس میں بہت خرابیاں ہیں، ویسے اٹہ سٹہ جائز ہے۔ آج کل کے بعض

اہلِ حدیث کے نزدیک ضد کی وجہ سے اٹھنا ناجائز ہے۔ عدالت میں حنفی اور اہلِ حدیث علماء کا مناظرہ ہوا فیصلہ حنفیوں کے حق میں ہوا۔

پانچویں مجلس ۸ ۵/۷۹

آج کی مجلس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یادداشت اور یادکرد (تصوف کی اصطلاحات) کے متعلق سمجھایا فرمایا" جیسے چھوٹے بچے کو ترتیب سے D، C، B، A وغیرہ آتی ہے لیکن بڑے کو ترتیب سے نہیں آتی۔ لیکن انگلش لکھنے میں جہاں بھی ضرورت پیش آتی ہے فوراً اور صحیح لکھ لیتا ہے۔ یہ یادداشت ہے ــــ یا ــــ جیسے مسجد میں جانا ہو تو ہم صرف ایک دفعہ ارادہ کر لیتے ہیں اور پھر اپنے دوسرے خیال میں مصروف ہو جاتے ہیں لیکن مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ یادداشت ہے"

عرض کیا گیا کہ آجکل یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جو انگلش کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں بعض مضامین اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً کیا خدا اتنا بڑا پتھر بنا سکتا جو خود بھی نہ اٹھا سکے"۔

فرمایا" اس کے دو طرح کے جواب ہیں، ایک جاہلانہ دوسرا عالمانہ۔" اس کے بعد مناظروں کے بارے میں فرمایا کہ" پہلے زمانے میں مناظروں میں علمی تحقیق ہوا کرتی تھی آج کل کے زمانے میں نہیں۔ مثلاً مولانا قاسم نانوتوی رحؒ کا واقعہ جو ریل گاڑی میں پیش آیا

ہندو نے کہا	ماس ماس سب ایک ہے کیا سور کیا گائے
مولانا نے جواب میں فرمایا	نار نار سب ایک ہے کیا جورو کیا مائے

چھٹی مجلس ۹ ۵/۷۹

عرض کیا گیا کہ حضرت آجکل نصاب کیا ہے، کیونکہ ۷ ۱/۲ تولہ سونا اور ۵۲ تولہ چاندی نصاب ہے۔ مثلاً یہ کہ ۷ ۱/۲ تولہ سونے کی قیمت پانچ چھ ہزار ہے اور ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت گیارہ یا بارہ سو روپے ہے، تو پھر آدمی کون سے نصاب پر عمل کرے؟

فرمایا کہ" آجکل جو ہمارے پاس روپے اور نقدی ہے اس کا شمار چاندی میں ہوتا ہے اور جس آدمی کے پاس نقدی بالکل نہ ہو اور اس کے پاس ۷ ۱/۲ تولہ سونا ہے وہ صاحبِ نصاب ہے ورنہ نہیں۔ اگر اس کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی (نقدی) یا خالص چاندی اگر دونوں کی قیمت لگائیں اور چاندی والا نصاب بن جائے تو اس پر زکوۃ ہے ورنہ نہیں"

عرض کیا گیا کہ عورتوں کے پاس کچھ سونا ہوتا ہے اور کچھ چاندی۔ ان دونوں کی قیمت لگائی جائے تو صاحبِ نصاب بن جاتی ہیں لیکن ان کی گذر اوقات تنگ ہوتی ہے اور ان زیورات کو وہ خزانہ بناتی ہیں۔ حالانکہ اگر ان کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں تو وہ واقعی زکوۃ کی مستحق ہوتی ہیں، لیکن اب نہیں ــــ فرمایا کہ ان کو صرف ایک ہی مسئلہ بتایا جائے تو وہ کیسے سمجھیں گی کیونکہ شروع ہی سے ان کا مزاج تو ایسا نہیں ہے۔

اس کے بعد اصلاحِ نفس کے بارے میں فرمایا کہ انسان عدم تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا۔ اس کے بعد جب چاہیں گے اس کو عدم کر دیں گے اور پھر اپنی مرضی سے وجود میں لائیں گے۔ لہٰذا آدمی کے پاس کوئی چیز بھی اپنی نہیں ہے، دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے اور یہاں تک کہ آدمی کا بدن اور تمام اعضاء بھی امانت ہیں اور بندے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانتوں میں خیانت نہ کرے یعنی دنیا کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ اور اس کے علاوہ اپنے اعضا آنکھ ناک، ہاتھ پاؤں اور کانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ جو اچھائی صادر ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتے اور جو برائی ہو جائے اس کو اپنے نفس کی طرف سے جانے۔ نفس کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی خواہش کے مطابق رکھے یعنی تابع شریعت رکھے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اگر ایک آدمی مراقبہ کر رہا ہے اور اس نے اپنے خیالات کو کشف، اور کرامات اور انوار کے لئے مرکوز کیا ہوا ہے یہ بھی خیانت ہے۔ اس خیال کو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے رکھے۔" فرمایا" طالبِ جذبہ و شوق طالبِ مولا نیست"

**ساتویں مجلس ۱۱ **

خواجہ محمد یوسفؒ (خلیفہ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ) کے صاحبزادے شاہ عبدالکریم صاحب تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر انھوں نے محفل ذکر کرائی اور شجرہ شریف پڑھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کے شجرہ شریف پڑھنے پر بحث فرمائی کہ ان کی نسبت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ نیز فرمایا کہ جس پیر نے محنت کی اس کی طرف اپنی نسبت کو منسوب کرنا چاہئے نہ کہ بڑے پیر کی طرف۔ ہاں برکت کے لئے ٹھیک ہے لیکن اہمیت اپنے پیر کو دینی چاہئے۔

آٹھویں مجلس ۱۱

عرض کیا گیا کہ مکتوباتِ معصومیہ میں ہے کہ "کافر اور کافری سے اللہ تعالیٰ کو ذاتی عداوت ہے" اور حضرت مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "اس شخص پر نسبت حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر زندیق سے بدتر نہ سمجھے" ان دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ کہ کافر اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور بغاوت کرتا ہے، یا شرک کرتا ہے، یا تکبر کرتا ہے جو کہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر حملہ ہے، اور جو دوسرے جرائم اور گناہ ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز یعنی دنیا کے نظام میں خلل ڈالتے ہیں، جیسے ایک بڑھئی، لوہار، کمہار وغیرہ کوئی چیز بناتا ہے وہ اس کو ہر خراب کرنے والے سے بچاتا ہے اور بہتر طریقہ پر استعمال کی خواہش کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی چاہتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی چیز یعنی دنیا میں کوئی خلل نہ ڈالے اور تھوڑی حرکت کو جو کہ قابلِ برداشت ہے برداشت کرتا ہے، اور جو حد سے تجاوز کرے اس کو سزا دیتا ہے یعنی چور، ڈاکو، زانی وغیرہ۔ جیسا کہ دنیا کا دستور ہے کہ اگر کوئی بادشاہ کا باغی ہے تو بادشاہ اس کی سزا پھانسی رکھتا ہے لیکن جو اس کو حاکم تو

مانتا ہے لیکن جرم کرتا ہے تو بادشاہ اس کو قتل نہیں کرتا بلکہ اصلاح کے لئے کچھ سزا دیدیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھی قیاس کرنا چاہئے کہ جو اس کا انکار کرے اس کو دائمی عذاب دیگا اور دوسرے گنہگاروں کو کچھ نہ کچھ سزا دے کر معاف کر دے گا۔ ان اللہ لا یغفر الذنوب الخ

نیز فرمایا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "کبر میری چادر ہے"..... حضرت مجدد صاحبؒ کا ایسا سمجھنا اعمال کی وجہ سے ہے نہ کہ اعتقاد کی وجہ سے، اور سالک کامل کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے، کیونکہ اگر سالک کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر باقی رہ گیا تو نقص ہے اور تکمیل نہ ہوئی۔ اور سالک کو اگر اپنے اعمال اچھے لگیں تو یہ نفس کی خواہش ہے، کیونکہ اچھے اعمال تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اگر نفس کی خواہش سے ہوں تو فنائے نفس مکمل نہ ہوئی، اور نسبت فنائے نفس سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک تمہاری ہر خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو لیکر میں آیا ہوں"۔

نیز فرمایا کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ تم اچھے ہو یا کتا؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر میرے اعمال اچھے ہیں تو میں اچھا ہوں ورنہ کتا۔

پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کا واقعہ بیان فرمایا کہ آپ ریل میں سفر کر رہے تھے کہ ایک وکیل صاحب مع اپنے کتے کے اسی ڈبے میں آکر بیٹھ گئے اور مولانا کو چھیڑنے کے لئے انھوں نے اپنے کتے کے اتنے اوصاف بیان کئے کہ شاید وہ اتنے اپنے اوصاف بھی بیان نہ کر سکتے۔ پھر مولانا صاحب سے مخاطب ہوئے کہ ان اوصاف کے باوجود کتا کیوں حرام ہے؟ مولانا صاحب نے جواب دیا کہ یہ اپنی قومیت سے بیر رکھتا ہے۔ یہ الزامی سوال کا الزامی جواب تھا لیکن وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ بڑا تحقیقی جواب ہے۔

نیز فرمایا کہ مولانا لال حسین اختر صاحب اچھے مناظر تھے ایک عیسائی کتب فروش سے مناظرہ ہوا، چونکہ عیسائی کہتے ہیں "تین بھی ایک اور ایک بھی تین"۔ مولانا صاحب نے ایک کتاب اس سے لی جس پر تین روپے قیمت درج تھی، آپ نے اس کو ایک روپیہ دیا، اس نے انکار کیا اور تین روپے مانگے۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ تم تو خود ہی کہتے ہو کہ تین بھی ایک اور ایک بھی تین، لہٰذا لے لو۔ اس طرح اس کو لاجواب کر دیا۔

سوال: عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعمال نامہ ذاتیں ہاتھ میں دیں گے اور اعمال نامہ آدمی کی عمر کے مطابق بہت بڑا ہوگا یعنی اس کی بہت جلدیں ہوں گی تو آدمی اُن بہت ساری جلدوں کو ایک ہاتھ میں کیسے اٹھائے گا؟ ـــــ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "آپ نے کتنی کتابیں پڑھی ہیں اور وہ سب دماغ میں محفوظ ہیں بلکہ دماغ کی بھی ایک چھوٹی سی رگ میں۔ بس اسی پر اس بات کو بھی قیاس کر لیجئے۔

نویں مجلس ۹ ؍ ۱۲ ھ

عرض کیا گیا کہ حضرت! کچھ وصیت کے بارے میں ارشاد ہو؟
فرمایا کہ وصیت میں عموماً اپنی جائیداد کی تقسیم، بیوی بچوں کے نان نفقہ کے متعلق لین دین، قرض وغیرہ اور اپنی تجہیز و تکفین، جنازہ وغیرہ کے بارے میں اور شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کی وصیت کریں، اور اپنے وارثوں، دوستوں کو مرنے کے بعد کی رسم و رواج سے منع کریں۔ وصی رشتہ دار کے علاوہ دوست بھی ہو سکتا ہے البتہ وصی ایسا ہونا چاہئے جس سے وصیت پر عمل کرنے کی امید ہو۔ نیز بیمار آدمی کو چاہئے کہ اگر اس پر زکوٰۃ فرض ہو تو زکوٰۃ رشتہ داروں سے پوشیدہ ادا کرے۔

عرض کیا گیا کہ جب زکوٰۃ فرض ہے تو فرض کو پوشیدہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ —— فرمایا: اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس امر سے اس کے ورثا میں کسی قسم کی ناگواری ہو، کیونکہ وہ اس کے مرنے کے بعد مال کے وارث ہیں، اس لئے پوشیدہ دینا افضل ہے ورنہ علی الاعلان بھی دے سکتا ہے۔

عرض کیا گیا کہ آپ کی فقہ کی کتابیں بہت مفید ثابت ہو رہی ہیں اُن میں دقیق مسائل کو آسان اور سلیس اردو میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تھوڑی سی سمجھ بوجھ والا آدمی بھی سمجھ سکے —— فرمایا کہ ہم نے ہر مسئلے کو پہلے خود پوری طرح سمجھا اس کے بعد اس کو درج کیا ہے کیونکہ اگر ہم مسئلہ کو نہ سمجھے تو دوسرے کیسے سمجھیں گے۔

پھر فرمایا کہ عمدۃ الفقہ کے زبدہ جات ہر آدمی کے پاس سفر و حضر میں ہونے چاہئیں۔ فرمایا کہ ہمارے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ بھی اپنے ساتھ فقہ کی کچھ کتابیں اور نوٹس رکھتے تھے، نوٹس وعظ و نصیحت کرنے کے لئے دیکھتے تھے۔ اگرچہ زیادہ تقریر کرنے کے عادی نہیں تھے، ابتدا میں تھوڑی بہت کرتے تھے لیکن بعد میں مولانا گوہا نوی اور مولانا عبدالمجید رہتکی وغیرہ داخلِ سلسلہ ہو گئے تو ان کو تقریر کے لئے فرما دیتے تھے۔

دسویں مجلس ۹ ؍ ۱۳ ھ

عرض کیا گیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "میں بندہ سے ایسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ مجھ سے گمان کرتا ہے۔ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور جو مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے میں اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں الخ" حضرت جی! یہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اس سے کیا مفہوم ہے؟ —— فرمایا: اس کی کیفیت کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ بے چون و بے چگون ذات ہے۔ بہرحال اس طرح کی اور بھی کئی حدیثیں ہیں مثلاً میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، یا بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قدموں پر کرتا ہے، یا اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا وغیرہ۔ —— یہاں علماء اور صوفیا نے یہ توضیح کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی مختلف تجلیات ہیں، اور یہ تجلیات بالواسطہ ہوتی ہیں، اور دنیا کی چیزوں میں جو رونق اور صفات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی

تجلیات ہیں، وہ چیزیں اس وقت تک اپنی صفات سے متصف رہتی ہیں جبتک اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات اُن پر پڑتی رہتی ہیں۔ اور یہ تجلیات براہ راست نہیں ہوتیں بلکہ کئی کئی حجابات کے ساتھ ہوتی ہیں اور بعض دفعہ تو صفات کی تجلیات کی ظل ہوتی ہیں، انبیاء علیہم السلام کی مربّی اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات مختلف حجابات کے ساتھ ہوتی ہیں۔ لیکن دوسروں کے مربّی انبیا علیہم السلام کی صفات کے ظلات ہوتے ہیں۔ ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے۔

نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک مخفی خزانہ تھا۔ اللہ نے چاہا کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کروں، یہ تنزل اول تھا اور چاہت (حُب) پہلی صفت، اسی کو صوفیا نے نقشِ اول کہا ہے، اس کے بعد حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، سب سے پہلے ذات تعالیٰ سے شوق ظاہر ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ کو بندے سے بندے کی نسبت زیادہ محبت ہے۔ اب کائنات کو وجود دینے کے لئے علم کی ضرورت ہوئی، علم تنزل ثانی ہے۔ دوسری ضرورت شانِ علم ہے اور اس کے بعد قدرت اور وجود ہے اور اس میں جان اور روح ڈالنے کی ضرورت تھی، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفتِ حیات ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو زندگی بخشتا ہے تو اس پر صفتِ حیات کی تجلی ڈالتا ہے اور یہ تجلی مختلف حجابات کے ساتھ ہوتی ہے اور بعض دفعہ تجلی کا ظل ہوتی ہے۔ یہ جو اپنی ذات کی حیات ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اسی طرح علم کی شان، قدرت کی شان وغیرہ، انہی کو شیونات کہتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح پھونکوں تو تم اس کو سجدہ کرنا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اصل میں اپنی صفتِ حیات کی تجلی آدم علیہ السلام کے پتلے پر ڈالی تو آدم علیہ السلام میں جان آگئی۔ یہ جو فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا دراصل اسی تجلی کو سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ خانۂ کعبہ جو ہمارا مسجود الیہ ہے وہاں بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات پڑتی رہتی ہیں اور انہی تجلیات کو ہم سجدہ کرتے ہیں، نماز کے اندر ہم یوں گمان کرتے ہیں کہ خانۂ کعبہ گویا ہمارے سامنے ہے حالانکہ وہ یہاں سے بعض دفعہ ہزاروں میل دور ہوتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو سجدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آدمی کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ فنائے نفس اور اس کے اوپر کے کمالات تک پہنچ جاتا ہے تو بعض دفعہ نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آدمی اور خانۂ کعبہ کے درمیانی حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ بالکل خانۂ کعبہ کے سامنے ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اُن ذاتی تجلیات کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہر وقت وہاں پڑ رہی ہیں، تو اس وقت یہ حدیث شریف صادق آتی ہے کہ "سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے۔ جب کسی کی زندگی ختم کرنی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی تجلیاتِ حیات اس سے اٹھا لیتا ہے اور اس چیز کی موت واقع ہو جاتی ہے ؎

یہ خزاں کی فصل کیا ہے فقط اُن کی چشم پوشی ... وہ ذرا نقاب اُلٹ دیں تو ابھی بہار آئے

بارہویں مجلس ۵ ۲۹ء

دن کے تقریباً بارہ بجے حضرت شاہ صاحبؒ ایک عالم کے ہمراہ غیر متوقع طور پر اس مکان میں تشریف لائے جہاں ہم فقیر ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرتؒ نے ذکر کی افادیت اور فضائل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ پر مفصل گفتگو فرمائی۔ اور فرمایا کہ حضرت مجددؒ صاحب نے بعض ایسی اصطلاحات رائج فرمائی ہیں جو اُن سے پہلے تصوف میں نہیں تھیں۔ مثلاً ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ، ولایتِ علیا، حقیقتِ کعبہ، کمالاتِ نبوت وغیرہ۔ چنانچہ حضرت مجددؒ اور خواجہ معصومؒ کے مکتوبات میں اسی لئے فرق ہے کہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات اصطلاحات کی تشریح کی بنا پر غامض ہیں، اور خواجہ معصومؒ کے مکتوبات سلیس اور نسبتاً عام فہم ہیں۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے ایک جگہ ابرار اور مقربین کا تذکرہ نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے: والسابقون الاولون اولئك المقربون، وتوفنا مع الابرار۔ آیات سے مومنین کے دو گروہوں کا علم ہوتا ہے۔ یعنی ہر مسلمان مومن ابرار میں سے ہوتا ہے، لیکن مقربین خواص میں سے ہوتے ہیں، اور سلوک کا مقصد ابرار کو مقربین کے زمرے میں داخل کرنا ہوتا ہے۔ ابرار کے اعمال میں نفس کی پراگندگی شامل ہوتی ہے لیکن مقربین کے اعمال ہر قسم کی پراگندگی سے پاک ہوتے ہیں، چنانچہ ابرار کو صرف ثواب ملتا ہے اور مقربین کو ثواب کے ساتھ ساتھ قرب کی نعمت بھی ملتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے خاکروب، سرکاری ملازمین وغیرہ سب جو کام کرتے ہیں ان کو اس کی تنخواہ ملتی ہے، یہ ابرار کی مثال ہے۔ لیکن جو آدمی بادشاہ کے وزراء میں شامل ہو اور بادشاہ کی ذاتی خدمت میں لگا رہتا ہو اس کو تنخواہ کے ساتھ بادشاہ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا کہ ماسویٰ دو قسم پر ہے، وہ سب کچھ جو ذات کے اندر پیدا ہوتا ہے اور خالق سے غافل کرتا ہے وہ نفس ہے، اور وہ سب کچھ جو ذات سے باہر ہے اور خالق سے غافل کرتا ہے وہ آفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے اور اعمال میں خلوص پیدا کرنے کے لئے انفس و آفاق دونوں کی گرفتاری سے نجات حاصل کرنا پڑتی ہے۔

فرمایا کہ مختلف سلاسل میں مختلف طریقے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ والے حضرات پہلے آفاق کے تعلق کو قطع کرتے ہیں، پھر انفس کے تعلق کو، لہٰذا وہ پہلے لا الٰہ الا اللہ، لا معبود الا اللہ، لا موجود الا اللہ وغیرہ کا ذکر کرا کر آفاقی گرفتاری سے نجات دلاتے ہیں بعد میں اسم ذات کا ذکر بتاتے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ والے حضرات پہلے اسم ذات کا ذکر کراتے ہیں اور انفس کی گرفتاری سے نجات دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیر آفاقی سیر انفسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے اور یہ بہت عمدہ بات ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کون سے طریقے میں بیعت ہوں نقشبندیہ میں یا

چشتیہ ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کی مثال یوں ہے کہ ایک زمین ہے جس میں جھاڑیاں وغیرہ ہیں اس میں کاشت کرنی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال چھ مہینے اس کی اچھی طرح صفائی کر کے پھر کاشت کی جائے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو تھوڑی بہت ہموار زمین ہے اس میں کاشت شروع کرے صفائی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہے گی۔ اس نے کہا کہ موت کا کیا پتہ مجھے دوسرا طریقہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہونا چاہئے۔

سیر انفسی جذب کے ساتھ طے ہوتی ہے اسی کو جذبہ کہتے ہیں۔ سیر انفسی فنائے نفس سے حاصل ہوتی ہے اور سیر آفاقی فنائے قلب سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنے نفس کے باہر کے تعلقات کو آفاقی تعلقات کہتے ہیں اور سیر آفاقی نفی اثبات سے طے ہوتی ہے جیسے دنیا، بیوی بچے، مال اولاد وغیرہ کی اسقدر محبت جو اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آجائے۔ سیر آفاقی سلوک سے طے ہوتی ہے۔ یعنی ایک خاص طریقے سے آہستہ آہستہ تعلقات کو ختم کرنے کی کوشش کرنا۔ حدیث شریف میں ہے "تم میں سے کوئی شخص اسوقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جبتک کہ وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کردے۔ یہ حالت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سیر انفسی مکمل ہوجائے۔ اور یہ سیر جذبہ سے طے ہوتی ہے، جذبہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچے چلا جانا ہے، جذبہ سلوک پر مقدم ہے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں جذبہ سے دونوں سیریں طے کراتے ہیں، یعنی سیر آفاقی سیر انفسی کے ضمن میں طے ہوجاتی ہے۔ جس آدمی نے فنائے قلب اور فنائے نفس حاصل نہیں کی، اس کے اعمال ابرار والے اعمال ہیں یعنی ان میں کامل طور پر خلوص نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ یہ دونوں حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہوں تو اس وقت ذکر کا عمل اس کا مقربین کا عمل ہوگا اور دوسرے اعمال ابرار والے اعمال ہوں گے، حسنات الابرار سیئات المقربین۔

تیرھویں مجلس ۱۵ ۵ ۷۹ء | ایک صاحب نے عرض کیا کہ نماز میں امام کے پیچھے نفی اثبات کرسکتے ہیں یا نہیں؟ —— فرمایا: نہیں کرسکتے خواہ امام ہو یا مقتدی، ہاں حضورِ دل وقوفِ قلبی مستحسن ہے۔ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: واقعی نماز میں نفی اثبات تو نہیں کرسکتے ہاں وقوفِ قلبی اچھا ہے۔ پھر حضرتؒ نے ذکرِ قلبی اور وقوفِ قلبی کا فرق تفصیل سے سمجھایا کہ ذکرِ قلبی خیال میں اللہ اللہ سننا ہے اور یہ بیٹھ کر اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وقوفِ قلبی اللہ تعالیٰ کا دھیان اور تصور ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہروقت واقف رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک قسم کا طبیعت میں استحضار رہنا ہے۔ پس یہ نماز میں صحیح اور پسندیدہ ہے۔ نماز کی نیت کرتے وقت نماز کا استحضار بہت ضروری ہے۔

عرض کیا گیا کہ نماز میں ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ ــــ فرمایا کہ عمدۃ الفقہ میں تو ہم نے یہی لکھا ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا مستحب ہے لیکن اب ہم نے ایک فتاوی میں اس کے خلاف دیکھا ہے، علما اور مفتی حضرات سے اس سلسلہ میں گفتگو کریں گے۔

اس کے بعد عرض کیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا مبدا فیض ایک ہی ہے (یعنی شانِ علم) اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بیشک دونوں کا مبدا فیض ایک ہی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبدا فیض کی حیثیت ایسی ہے جیسے دائرے میں مرکز کی حیثیت ہے اور محیط کی حیثیت حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اب باہر سے مرکز میں جانے کے لئے محیط سے ہو کر جانا پڑتا ہے اس لئے آپ کی امت کو ملتِ ابراہیمی فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ⟵ (دائرہ) ⟵ حضرت ابراہیم علیہ السلام

چودھویں مجلس ۵/۲۹ ۱۶

حضرت شاہ صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگوں نے مکتوبات کا کیا مطالعہ کیا ہے؟ ــــ عرض کیا گیا کہ حضرت! ایک مکتوب بہت جامع ہے۔ اس میں تقویٰ و پرہیزگاری کے بارے میں بہت کچھ فرمایا گیا ہے خصوصاً یہ کہ غیر متقی آدمی کی ہزار رکعت نماز سے متقی کی دو رکعت نماز زیادہ ہے۔

اسی طرح ایک مکتوب میں حضرت خواجہ صاحبؒ کو ایک آدمی نے لکھا ہے کہ یہ طریقت بدعت ہے کیونکہ جس طرح صوفیائے کرام ذکر کراتے ہیں اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھا۔ مثلاً حبسِ دم وغیرہ بدعت ہے اور مجدد صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کسی میں شفا نہیں گمراہی ہے ــــ اس پر خواجہ معصومؒ نے مفصل اور عجیب بیان فرمایا ہے کہ یہ ذکر حضرت خضرؑ نے حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ کو سکھایا تھا اور کہا کہ اس کو پانی میں بیٹھ کر کرو۔ تو کیا خضرؑ نے ان کو بدعت سکھائی تھی؟۔ اس کے بعد اصول کی بات سمجھائی کہ یہ چیز فی الدّین نہیں ہے، لی الدین ہے۔ یعنی دین میں جو ادخلت کی جائے وہ بدعت کہلاتی ہے، دین کے لئے جو چیز کی جائے وہ بدعت نہیں۔ اگر یہ اعتراض درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس طرح تو مدرسوں میں بخاری شریف پڑھانا بھی بدعت ہوگا کیونکہ اُس زمانہ میں اس طرح علم نہیں پڑھایا جاتا تھا، حالانکہ علما کے ذریعے ظاہری علوم ہم تک پہنچے ہیں اور صوفیا کے ذریعہ باطنی علوم ہم تک پہنچے ہیں ــــ یعنی دین کے لئے کوئی نئی چیز وجود میں آئے یہ بدعت نہیں ہے ــــ دین کے اقسام میں کسی نئی چیز کا وجود میں آنا اور احکام الٰہی اور سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنی طرف سے گھٹانا یا بڑھانا بدعت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احکام شریعت آٹھ ہیں :- فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ یا مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ ان کو اپنے مقام سے آگے پیچھے کرنا بھی سخت بدعت ہے یعنی جو چیزیں مستحب ہیں ان کو فرض کا درجہ دینا۔

سولھویں مجلس ۱۸ صفر ۹ھ جمعہ ادا کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب کی طرف سے ہم فقراء کی دعوت تھی بعدہٗ مجلس منعقد ہوئی جس میں ادعیۂ مسنونہ ماثورہ کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ مسنون دعائیں یاد کر لینی چاہئیں۔

ریل گاڑی میں نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا ـــــ فرمایا اگر ٹرین میں سفر کر رہے ہوں تو وضو کر کے کھڑا ہو کر قبلہ کا دھیان کرتے ہوئے نماز ادا کرے، نماز ہو جائے گی لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔ ایک مولانا کے ساتھ ہندوستان میں سفر کا موقع ملا تو انھوں نے ٹرین میں نماز نہ پڑھی اور کہا کہ جب ہوتی ہی نہیں تو پڑھی کیوں جائے گھر جا کر قضا کروں گا۔ شاید "بہارِ شریعت" میں بھی یہی فتویٰ ہے۔ اگر آدمی بس میں سفر کر رہا ہو تو بہت مشکل ہوتی ہے۔ اور اگر بس والے عین موقع پر نہ رکیں اور اترنے اور دوسری بس پکڑنے میں بھی دشواری ہو تو چاہئے کہ تیمم کر کے وہیں نماز ادا کر لے لیکن بعد از سفر اسے لوٹانا ضروری ہے، کیونکہ یہ عذر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بندوں کی طرف سے ہے، جو زیادہ معتبر نہیں۔ اکثر لوگوں کو بس والے نماز نہیں پڑھنے دیتے حالانکہ خود اپنی خوشی سے دیر تک رُکے رہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو نماز سے چڑ ہے۔ بلکہ بعض اوقات اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اُسے چھوڑ کر چل دیتے ہیں میرے ساتھ بھی ایسا معاملہ پیش آ چکا ہے۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کے متعلق بھی علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت مولانا بنوریؒ فرماتے تھے کہ ہوائی جہاز میں نماز ہوتی ہی نہیں اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ جہاز میں نماز پڑھ لے پھر گھر آ کر لوٹائے، لیکن ہم ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے بھی ہیں اور لوٹاتے بھی نہیں۔ حضرت بنوری صاحبؒ یہ دلیل دیتے تھے کہ نماز میں سجدہ ایسی جگہ ہونا چاہئے جو زمین ہو یا اس کے ساتھ ٹکی ہوئی ہو اور جہاز ہوا میں معلق ہوتا ہے۔

عرض کیا گیا کہ اگر نمازِ جماعت میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟ ـــــ فرمایا کہ صف کے سامنے سے گذر جائے امام مثل سترہ کے ہے۔

سترہویں مجلس ۱۹ صفر ۹ھ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر امام قرأت میں کوئی لفظ چھوڑ دے اور دو تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو تو بتانا چاہئے یا نہیں ـــــ فرمایا ضرور بتانا چاہئے۔ اور اگر وہ ایسا سہو ہو جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ نماز میں جتنی

بھی قرأت کرے گا فرض کے درجے ہیں آئے گی اور اس میں کسی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے۔ پٹھان لوگوں میں یہ مسئلہ مشہور ہے اور انھوں نے کتابوں میں بھی لکھ دیا ہے۔ اگر کوئی بتائے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ اگر کوئی جھنگ سے فیصل آباد آئے تو قصر کرے یا نہیں ـــــ فرمایا فاصلہ کتنا ہے؟۔

عرض کیا گیا کہ سنتے ہیں ۴۶ یا ۴۷ میل ہے ـــــ فرمایا سننے پر عمل کرنے کی بجائے خود تحقیق کرنی چاہئے، نیز فرمایا کہ جس طرف سے شہر سے نکلے اس کا اعتبار ہے اگرچہ دوسری طرف سے آبادی متوازی ہو۔ فرمایا بھٹے کھیتوں وغیرہ کی آبادی شہر سے خارج ہے، مثلاً جھنگ فیصل آباد روڈ پر پھاٹک پار کرنے سے آدمی مسافر ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس راستہ سے سفر کو جائے اسکا اعتبار ہے۔ مثلاً اگر چنیوٹ سے جائے تو قصر کرے گا ورنہ نہیں ـــــ فرمایا کہ دوسرے شہر میں داخل ہونے کا اعتبار ہے، جب شہر میں داخل ہو گیا تو شہر کا ایک ہی حکم ہے خواہ وہ شہر تیس میل لمبا ہو۔ ویسے یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ کراچی شہر بھی بہت پھیل گیا ہے ویسے علما کو اس مسئلہ میں غور کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔

اٹھارہویں مجلس ۳۰ $\frac{5}{79}$

عرض کیا گیا کہ "گلدستہ مناجات" میں جو مناجات غیر منسوب ہیں ان میں اوزان کا فرق ہے، کیا ان کو درست کرنے کی گنجائش ہے؟ ـــــ

فرمایا چونکہ یہ مناجات عام شعراء کی نہیں بلکہ بزرگوں نے کہی ہیں تو انھوں نے جذبات کو مقدم رکھا ہے ہمیں اس میں کاٹ چھانٹ کی گنجائش نہیں، فیض میں کمی ہو جاتی ہے، جیسے خواجہ فضل علیؒ کی نعتیں ہیں، پراثر ہیں مگر وزن کا لحاظ نہیں، ہر بزرگ تو ادیب نہیں ہوتا۔ جو مناجات حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب ہے لوگوں کا اختلاف ہے۔ البتہ حضرت علیؓ شعر کہتے تھے ہم نے ان کے دیوان سے مناجات لی ہیں مگر منسوب لکھا ہے کیونکہ حقیقت کا علم نہیں۔ نثر کی اکثر دعائیں عمدۃ السلوک میں آچکی ہیں۔ عربی دعائیں پہلے ہی کافی کتابوں میں موجود ہیں۔ ایک زمانے میں خیال تھا کہ گلدستہ نعت مرتب کروں لیکن نہ ہو سکا۔ کسی صاحب نے مرتب کیا ہے لیکن اس میں سب غیر معروف نعتیں ہیں جو اتنی فائدہ مند نہیں۔

"شب جائے کہ من بودم" اچھی نعت ہے۔

عرض کیا گیا کہ لاہور میں داتا صاحب کے مزار کے سامنے سوٹ پہنے موٹر سائیکل والا آیا اور لوگوں کی دل کی باتیں بتا کر پیسے بٹور لئے ـــــ فرمایا کہ یہ عملیات ہیں اور کسبی ہیں۔ مداری ساتھی کو لٹا کر آنکھیں باندھ دیتا ہے پھر کتاب کھول کر پڑھتا ہے تو ساتھی بھی وہی پڑھتا ہے اگزرتی ہوئی گاڑی کا نمبر پوچھتا ہے وغیرہ ـ فرمایا کہ مداری لوگوں نے محنت کر کے عجیب کرتب حاصل کر لئے ہیں، مثلاً ایک آدمی سر پر برتن رکھ کر بانس پر چڑھتا تھا اور ناچتا تھا۔ غیر ملکی مداریوں میں عورتیں عجیب عجیب طرح کے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ ہم نے

بھی دیکھا تو نہیں سن لیتے ہیں، یا اخبار میں اشتہار سے پتہ چلتا ہے۔ ایک مداری اسکول میں آیا اور آنکھیں بند کرکے لٹکنے دھاگے کا نشانہ تیر سے لگایا۔ میں حیران ہوا۔ ہندوؤں میں کہانی مشہور ہے کہ کسی شہزادے نے پانی میں مچھلی کا عکس دیکھ کر اس کی آنکھ میں نشانہ لگایا حالانکہ عکس دیکھا اور آنکھ بھی موٹی ہے۔ مگر اس مداری نے تو کمال ہی کر دیا۔ ایک مداری منھ سے بہت سے انڈے نکال لیتا تھا، مختلف جھنڈیاں منھ میں ڈالتا اور ایک جھنڈی نکالتا، تلوار منھ میں ڈالتا، لاش کے ٹکڑے کرتا، خالی لوٹے میں سے پانی بہتا رہتا، ہتھکڑی دوسرے کے ہاتھ میں ڈال دیتا، جمع تفریق وغیرہ سوال بہت جلد کر لیتا۔ خشک لکڑی سے پھل اگاتا، جیسے موسم ہوتے، یہ تو عملیات ہیں۔ ویسے لوگ ورزش سے بھی کرتب کرتے ہیں۔ ایک صاحب ہوا کے غبارے پر چلتے تھے۔ چادر کا غبارہ بناتے اور اپنے وزن کو ہوا میں معلق رکھ کر اس پر پاؤں رکھتے اور چلتے تھے، بعض اپنے سر کے بل چلتے تھے، بعض ہاتھوں پر چلتے ہیں، بعض سر کے بل پتنگ چلاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پھر فرمایا بات یہ ہے کہ انا عند ظن عبدی بی کے مطابق جو جس چیز کا گمان کرتا ہے اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے بعض کو خوارق عادات کرامت کے طور پر ملتے ہیں جیسے طے الارض، میرے ماموں کو ایک مجذوب نے تھوڑی دور چلا کر ملتان پہنچا دیا، ایک بزرگ نے جمنا عبور کرا دیا۔ یہ باتیں من اللہ ہوتی ہیں۔ لیکن عملیات سے بھی بعض خوارقِ عادات حاصل ہو جاتے ہیں جیسے مسمریزم، ہپناٹزم وغیرہ اسکول و کالج کے لڑکے بھی کرتے پھرتے ہیں لیکن یہ سب مردود ہیں ان سے ایمان کو خطرہ لاحق ہے انسان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں۔ جب پیدا ہوا بولتا نہیں تھا، کھانا پینا نہیں جانتا تھا، چل پھر نہیں سکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا۔ اب سب کاموں کو جو اچھے ہیں اس کی طرف سے جاننا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الیہ یرجع الامر کلہ اور ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا وغیرہ۔ مداریوں کے عمل سے ظلمت بڑھتی ہے اور اولیاء کے خوارق سے ایمان بڑھتا ہے۔

عرض کیا گیا کہ ڈاکٹر لوگ مُردے کی آنکھ نکال کر دوسرے کو لگا دیتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ — فرمایا کہ علماء ابھی اس مسئلہ پر غور کر رہے ہیں۔ آنکھ میں جبتک زندگی کے آثار موجود ہیں وہ دوسرے کے کام آسکتی ہے ورنہ مُردنی آجانے کے بعد پھر کام نہیں کر سکتی۔ جیسے ایک پودے کا پیوند دوسرے کو لگاتے ہیں بیری کے درخت کی شاخ پر بنی ہوئی آنکھ کاٹ کر اس کی جگہ دوسری قلم لگا دیتے ہیں اور وہ پھل بیری کے درخت پر بھی لگ جاتے ہیں۔ چیکو پھل بھی چیکو کی قلم کو دو قسم کے درختوں میں سے کسی ایک سے پیوند کرتے ہیں تب پھل لگتا ہے۔ وہ قلم درخت کی جڑوں سے خوراک لیتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔ فرمایا کہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر مرید موسوی المشرب ہو اور شیخ محمدی المشرب تو مضبوط رابطہ شیخ کے بعد مرید پیر سے پیوند

ہوجاتا ہے اور محمدی المشرب فیض حاصل کرتا ہے اگرچہ اس میں اور اصل محمدی المشرب میں فرق ہوتا ہے۔

انیسویں مجلس ۲۱/۵/۷۹

عرض کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ حنفی المسلک میں سلاسل صوفیہ رائج ہیں خصوصاً ہندو پاکستان میں، دوسرے ممالک میں نہیں؟ —— فرمایا تمام دین کا نچوڑ چار فقہیں ہیں اور وہ چار سمٹ کر دو میں آجاتی ہیں، حنفی، شافعی۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ حنفی المسلک میں کمالاتِ نبوت غالب ہیں اور شافعی المسلک میں کمالاتِ ولایت۔ اس لئے اُن علاقوں میں ابدال اقطاب زیادہ ہوتے ہیں جہاں شافعی المسلک ہو —— نیز فرمایا کہ کمالاتِ ولایت والے حضرات سے خوارقِ عادات زیادہ ظاہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ عروج میں رہتے ہیں۔ ادھر کمالاتِ نبوت والوں میں زیادہ نہیں ہوتیں جیسے صحابہؓ سے بہت کم واقعات منقول ہیں۔ کمالاتِ ولایت والے مجذوب ہوتے ہیں اور کمالاتِ نبوت والے سالک۔ کمالاتِ ولایت والے سکر کی وجہ سے شریعت کے مکلف نہیں ہوتے اور کمالاتِ نبوت والے صحو میں ہونے کی وجہ سے مکلف ہوتے ہیں۔ کمالاتِ نبوت والے مراد ہوتے ہیں اور کمالاتِ ولایت والے مرید ہوتے ہیں —— نیز فرمایا کمالاتِ نبوت والے صاحب ارشاد ہوتے ہیں اور کمالاتِ ولایت والے عزلت گزیں ہوتے ہیں۔ کمالاتِ نبوت والوں کو پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ اُن کا ظاہر عوام کے ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے لیکن باطن اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور باطن کا پتہ مشکل سے لگتا ہے اسی لئے لوگ کہتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ لوگ ظاہر سے دھوکہ کھا لیتے ہیں۔

فرمایا عشق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ محب محبوب کو چاہے اس میں آہ و بکا زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ محبوب محب سے محبت کرے، اس میں تازگی ہوتی ہے۔ محبوب مراقبہ میں بیٹھتا ہے رونا دھونا زیادہ نہیں۔ جیسے آئینہ کہ چل کر نہیں جاتا بلکہ نور کے ذریعے شے کی شکل کو اپنے اندر لے لیتا ہے، ایسے ہی محب چل کر نہیں جاتا بلکہ دل میں عکس لے لیتا ہے۔ یہ باتیں حضرت مجدد صاحبؒ نے بتائی ہیں ان سے پہلے کسی نے نہیں بیان کیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ کو جیسے عمدہ علوم دیئے گئے ویسا ہی عمدہ اندازِ بیان بھی دیا گیا۔ عجیب طرزِ بیان ہے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اشعار ایسے موقع پر بٹھاتے ہیں جیسے اسی موقع کے لئے بنے ہوں۔

فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بعض مسائل شافعیہ سے لئے ہیں اس لئے کہ ان کے استاد شافعی تھے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ کمالاتِ ولایت والے تھے لہٰذا شافعی المسلک سے مناسبت تھی، اسی لئے کئی مسائل ان کے اپنائے۔

بیسویں مجلس ۵/۹ ۲۲

عرض کیا گیا کہ سلسلہ چشتیہ والے حضرات سالکین کو عمومی طور پر اسباق ہیں کیوں نہیں چلاتے؟ ـــــ فرمایا معلوم نہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ چشتیہ صابریہ والے چلاتے ہیں اور وہ بھی اس آدمی کو جو کئی سال سے متواتر لگا ہوا ہو، بیعت بھی اردو میں کرتے ہیں اور سالہا سال کے بعد اگر کسی کو سبق بتاتے ہیں تو تیسرے کلمہ کا ورد بتاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرات اس معاملہ میں سخی ہیں سب کو اسباق پر چلاتے ہیں اور اگر کسی کو ایک دو سال سبق نہ دیا جائے تو وہ اکثر باتیں بناتا ہے محنت کی طرف دھیان نہیں دیتے، حالانکہ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس آدمی کو جس کو خواب میں بشارت ملی اس کو قوت سے فعل میں آنا چاہئے اور جان ماردینی چاہئے تاکہ گوش سے آغوش میں آجائے، کون ہے جو اس کا حق ادا کرے، لوگ سبق لیتے ہیں مگر محنت کرتے ہی نہیں، یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک آدمی محنت کرے اور اس پر احوال وواردات نہ ہوں، اور اگر احوال ہوں اور وہ نہ بتائے۔ یہاں یہ بات ہے کہ احوال کی بات ہی نہیں کرتے، کون ہے جو سبق کا حق ادا کرے۔ لوگ مراقبہ کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کوئی کوئی ہوتا ہے جو شوق سے مراقبہ کرتا ہے۔ کئی ایسے ہیں جو پہلے پہلے کرتے ہیں پھر ٹھنڈے ہوجاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جو ظاہری علوم پڑھتے ہیں وہ سلوک کی طرف نہیں آتے اور جو اردو خواں یا جاہل ہوتے ہیں وہ صوفی بنتے ہیں، ان کا بھی یہ حال ہے کہ متواتر کئی کئی سال ہوجاتے ہیں اور ان کی علمی حالت بہت خراب ہوتی ہے توجہ ہی نہیں دیتے حالانکہ جاہل صوفی کو بھی شیخ کی صحبت میں آکر پانچ دس سال بعد عالم بن جانا چاہئے اس لئے کہ جب تک علم نہ ہوگا عمل کیسے کرے گا۔ ہر وقت مفتی آدمی کو کہاں میسر ہوسکتا ہے جو اس سے فتویٰ پوچھ لے۔

{ محترم ذوالفقار احمد صاحب تقریباً ایک سال بعد پھر مختصر دورے پر کراچی تشریف لائے اور آپ نے حسب سابق دو مجلسوں کی گفتگو کو قلمبند کیا جو پیش خدمت ہیں۔ (مرتب) }

پہلی مجلس ۶/۸۰ ۱۵

عرض کیا گیا کہ ذکرِ قلبی اور وقوفِ قلبی میں کیا فرق ہے؟ ـــــ فرمایا کہ وقوفِ قلبی (دل کی واقفیت) اللہ تعالیٰ کی ذات کا دھیان اور تصور ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہر وقت واقف رہنا ہے یعنی طبیعت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار رہے۔ اور ذکرِ قلبی خیال کے کانوں سے اللہ اللہ سننا ہے، یہ بیٹھ کر اور اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی تمام خیالات سے قطع تعلق کرکے قلب کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوکر ذکر سنے۔ ذکرِ قلبی میں قلب کی حرکت محمود ہے مقصود نہیں ۔ بعض کو حرکت محسوس ہوتی ہے بعض کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ شروع میں یاد کرد ہے یعنی کوشش و تکلف اور

تسبیح وخیال سے اللہ اللہ کی آواز دل سے سُنے، اور اس طرح کوشش و مشق کرتے رہنے سے اور دیگر دوسری احتیاطوں سے آدمی کو اس کا محاورہ حاصل ہو جاتا ہے یعنی آدمی کو یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے اور خیال و تکلف اور کوشش کے بغیر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کے دھیان میں لگا رہتا ہے، اسی کو تصوف میں یادداشت یا حضوری یا حضورِ قلب کہتے ہیں۔ یہ کیفیت مسلسل مشق کرنے اور تقوی و طہارت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر گاڑی چلانے والا ڈرائیور شروع میں جب سیکھنے والا ہوتا ہے تو وہ اپنا پورا دھیان رکھتا ہے اور اس کی نظریں سامنے لگی رہتی ہیں کہ میرے سامنے گاڑی آرہی ہے اب مجھے بریک لگانا ہے، گیئر بدلنا ہے، کلچ دبانا ہے اور وہ پوری طرح ذہنی اور جسمانی طور پر مصروف نظر آتا ہے حتیٰ کہ کسی سے بات تک نہیں کرسکتا کہ کہیں اس سے غلطی اور چوک نہ ہو جائے، لیکن جب اس ڈرائیور کی کافی مشق و مہارت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو گاڑی چلانے میں تکلف و بناوٹ سے کام نہیں لینا پڑتا بلکہ اس کا ہاتھ خود بخود کلچ، بریک اور گیئر پر پہنچ جاتا ہے اور وہ بدستور باتیں کرتا رہتا ہے لیکن اس کا خیال ڈرائیونگ کی طرف خود بخود لگا رہتا ہے اور اس کو طبیعت پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا پڑتا۔ ہماری جماعت میں کاٹریا صاحب ہیں ویسے بیٹھے ہوں تو کم باتیں کرتے ہیں لیکن کار چلاتے میں بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں۔ ہم ساتھ بیٹھنے والے ڈرتے رہتے ہیں لیکن مشق کی وجہ سے ڈرائیونگ کے ضوابط کی طرف ان کا خیال خود بخود لگا رہتا ہے اور انھیں کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا ــــ یا یوں سمجھ لیجئے کہ دیہاتوں میں عورتیں کنوئیں وغیرہ سے پانی کے تین چار گھڑے سر پر اور ایک گھڑا کولھے پر رکھ کر چلتی ہیں، آپس میں باتیں اور ہنسی مذاق بھی کرتی جاتی ہیں لیکن ان کا خیال و توجہ ہمہ وقت گھڑوں کی طرف لگا رہتا ہے۔ اگر کہیں ذرا جھٹکا لگے تو ان کا ہاتھ خود بخود بغیر ارادہ و تکلف کے گھڑوں کی طرف لپکتا ہے ــــ اس کو یادداشت کہتے ہیں ــــ یا ایسے سمجھ لیں کہ جب مرغی انڈے سیتی ہے تو ان کو چھپائے رکھتی ہے اگر کوئی اس کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہے تو مرغی اپنے پروں کو ہلائے جلائے بغیر اس آفت کی مزاحمت بھی کرتی ہے اور انڈوں کو بھی چھپائے رکھتی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی اس کو پکڑ کر زبردستی وہاں سے ہٹا دے تو بھی اس کے پر پھیلے رہتے ہیں۔ اس طرح اس کا پروں کو پھیلائے رکھنا بغیر ارادہ کے ہوتا ہے۔" اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے عربی کے اشعار پڑھے جن کا مفہوم ہے کہ:

"اے انسان! تیرا دل مرغی کے انڈے کی طرح ہے کہ تو اس کی حفاظت میں لگا رہ۔ جس طرح مرغی ان پر بیٹھتی ہے اور یوں بیٹھنے سے انڈوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اگر تو بھی اپنے قلب کی حفاظت کرے تو اس میں احوال پیدا ہوں گے۔"

قلبی ذکر کے حصول کے لئے مشائخ مراقبہ تلقین فرماتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دو زانو یا چوکڑی مار کر آنکھیں بند کر کے زبان تالو سے لگا کر بیٹھ جائے۔ بہتر ہے کہ موٹے دانے کی تسبیح ہاتھ میں ہو اس کو تیزی سے چلانا جائے اور اس کے ہر دانہ پر اللہ اللہ کا خیال دل پر گذارتا جائے۔ اور جیسے آدمی خاموشی سے کسی کتاب یا اخبار وغیرہ کا مطالعہ خیال کے ذریعے کرتا ہے کہ چند منٹوں میں پورا اخبار پڑھ لیتا ہے اسی طرح خیال میں یہ تصور کرے کہ میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے اور میں سُن رہا ہوں۔ پھر مراقبہ کے دوران وقفے وقفے سے یہ خیال بھی دہراتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیض میرے دل پر بارش کی طرح برس رہا ہے اور دل اس کو جذب کر رہا ہے جس کی وجہ سے گناہوں کی سیاہی ختم ہو رہی ہے اور قلب میں نورانیت آ رہی ہے۔ اسی طرح تھوڑی تھوڑی دیر بعد خیال سے یہ بھی کہہ لے کہ "الٰہی مقصود ما توئی و رضائے تو" البتہ ذکر قلبی کی کیفیات ہر شخص پر مختلف ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کو شروع میں لطیفہ کا تحرک نصیب ہوتا ہے لیکن اس تحرک کو اللہ اللہ سمجھنا چاہیے۔ اگر صرف تحرک رہا تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ مراقبہ کے اثر کے طور پر بعض لوگوں کو گریہ کی کیفیت نصیب ہوتی ہے بعض کو ہنسی کی، بعض کو استغراق نصیب ہوتا ہے بعض کو کوئی کیفیت نہیں ہوتی، کسی کیفیت کا نہ ہونا بھی ایک کیفیت ہے۔ بعض لوگوں کے خیالات دورانِ مراقبہ اِدھر اُدھر بھاگتے ہیں، ایسے شخص کو مجاہدہ کی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔ نفس و شیطان تو دھوکہ دیتے ہیں کہ اتنا بیٹھنے سے نہیں کیا حاصل ہوا لہٰذا اس بے مقصد کام کو چھوڑ دو۔ لیکن وہ مراقب شخص سوچتا ہے کہ نہیں میرا کام تو بیٹھنا ہے لہٰذا اسے نفس و شیطان کے خلاف مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔

اگر کسی شخص کو کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو اسے اس مقام پر رکنا نہیں چاہیے اور اس کیفیت کو اپنا مقصود نہیں بنانا چاہیے۔ بعض لوگوں کو مراقبہ کے دوران نیند آتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں تو اتنی دیر سوتا رہا لیکن دوسرے لوگ اتنی دیر مراقبہ میں مشغول رہے تو اس کو اس بات پر افسوس نہیں کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس شخص کے لئے کیا کیفیت مناسب ہے لہٰذا جاگنے والوں پر رشک تو کریں لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مراقبہ کے اثرات کی اصل علامت یہ ہے کہ وہ شخص اتباعِ سنت میں ترقی کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگا رہے جو کام کرے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا دھیان رہے۔ مثلاً ایک شخص مراقبہ کرنے سے پہلے وضو کرنے میں بے احتیاطی اور پانی میں اسراف کرتا تھا لیکن اب مراقبہ کی پابندی کے بعد وہ شخص وضو کرتے وقت وضو کے فرائض و سنن وغیرہ کا پورا ہی طرح خیال رکھتا ہے اور پانی میں اسراف بھی نہیں کرتا۔ پس اصل حقیقت یہ ہے کہ مراقبہ وغیرہ کا اثر اتباع شریعت و سنت میں ترقی ہے۔

عرض کیا گیا کہ وسوسہ اور خیال میں کیا فرق ہے؟ ——— فرمایا: ہر وسوسہ خیال ہے لیکن ہر خیال وسوسہ نہیں ہوتا۔ وسوسہ وہ خیال ہوتا ہے جو مقصد میں حائل ہو، لیکن خیال مقصد میں حائل نہیں ہوتا۔ خیالات سے تو آدمی کا بچنا ناممکن ہے، اچھے یا بُرے خیالات تو ہر وقت انسان کو آتے رہتے ہیں، خیالات کا آنا مضر بھی نہیں، نہ نماز میں نہ مراقبہ میں بلکہ خیالات کا لانا مضر ہے۔ آدمی خود خیالات نہ لائے نہ سوچے، ہاں اگر خود بخود کوئی خیال آجائے تو اس پر حرج نہیں بلکہ اس خیال کو راستہ دیدے اور خیالات کا آنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مہربانی ہے، اگر خیالات نہ آئیں تو بھی انسان کا کام نہیں چل سکتا۔ مثلاً ایک آدمی گھر میں اپنی اہلیہ سے کہہ کر گرم مصالحہ لانے کے لئے بازار گیا، اب وہ بازار میں چلا جا رہا ہے مختلف قسم کے خیالات اس کے ذہن میں آرہے ہیں لیکن گرم مصالحہ لانے کا خیال تھوڑی دیر بعد خود بخود اس کے ذہن میں آتا رہتا ہے۔ اگر وہ شخص بازار میں جاکر کسی خاص خیال میں محو ہو جائے اور گرم مصالحہ لانے کا خیال اسے بھول جائے تو نہ معلوم وہ کتنی دیر بعد گھر پہنچے اور گرم مصالحہ لیکر آئے بھی یا نہیں ——— یہ تو خیالات نہ آنے کا نقصان ہوا اور اگر خیالات آکر جم جائیں تو بھی انسان کا کام چلنا مشکل ہے مثلاً ایک شخص نے نماز کی نیت کی اب اسے کاروبار کے کسی خیال نے آکر تنگ کرنا شروع کر دیا، خیالات کا اتنا غلبہ ہوا کہ اسے نماز کی رکعتیں تک یاد نہ رہیں، بتایئے کہ ایسی نماز کا کیا فائدہ ہوا کہ جس نماز میں اتنا بھی حضور حاصل نہیں کہ نماز کی رکعتیں بھی یاد نہ رہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے لاصلوٰۃ الا بحضور القلب کہ جس نماز میں حضورِ قلب حاصل نہ ہو وہ نماز نہیں۔

حضورِ قلب کے مختلف درجات ہیں ایک تو یہ کہ نماز شروع کی اور پوری نماز کے دوران اُسے کوئی خیال نہ آیا، یہ تو کمال درجہ کا حضورِ قلب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت آسانی فرمادی ہے کہ اگر صرف تحریمہ کہنے کی دیر تک بھی اسے نماز کا استحضار رہا تو اُسے نفسِ حضورِ قلب نصیب ہو گیا اور ایسا شخص مندرجہ بالا وعید سے بچ گیا۔ اسی طرح اگر دورانِ قیام اسے اتنا خیال رہا کہ وہ قیام میں ہے اور پہلے الحمد اور پھر سورۃ پڑھنی ہے تو اسے اتنی سی بات سے نفسِ حضورِ قلب حاصل ہو گیا اگرچہ کمال درجہ حاصل نہ ہوا، اسی طرح رکوع، سجود اور تشہد میں اگر ان ارکان کا خیال رہا تو ان ارکان میں بھی اُسے حضورِ قلب حاصل رہا۔

اب رہا کمال درجہ کا حصول تو اس کے لئے شریعت نے مختلف ذرائع بتائے ہیں کہ ان کے ذریعے سے حضورِ قلب میں کمال کیا جا سکتا ہے، مثلاً نماز میں حضورِ قلب کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع کی ترغیب دی گئی ہے :— (۱) ادائیگی فرائض کے لئے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ مسجدیں تعمیر کریں جن میں دنیا

کی باتیں نہ ہوں اور وہاں نماز پڑھنے والے کو یکسوئی حاصل ہو ——— (۲) نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانے سے پہلے انسان اپنی طبعی ضروریات پوری کرلے۔ مثلاً اگر پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہو تو پہلے وہ پورا کرے پھر نماز میں مشغول ہو اگرچہ اس سے جماعت ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ یا اسی طرح اگر بھوک کا غلبہ ہو اور کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھالینا چاہیئے پھر نماز پڑھے، اگر کھانا کھائے بغیر نماز پڑھنی شروع کردی تو دورانِ نماز بھوک ستائے گی نماز بھی جلدی پڑھے گا اور کھانے کا خیال بھی آتا رہے گا یعنی نماز کھانے کا حکم پیدا کرلے گی، اس کے برعکس اگر کھانا پہلے کھایا اور دورانِ طعام یہ خیال ستاتا رہا کہ ابھی نماز پڑھنی ہے اور اور اسی خیال میں رہا تو اس کے کھانے پر بھی ثواب ملے گا یعنی طعام نماز کا حکم پیدا کرلے گا۔ پس آدمی کو چاہیئے کہ طعام کو نماز بنائے نماز کو طعام نہ بنائے۔ حاصل یہ کہ جو جو خیالات نماز کے اندر زنگ کرسکتے ہیں نماز سے قبل ان خیالات کے اسباب کو رفع کرے ——— (۳) نماز کے لئے جلدی مسجد میں جائے اور پہلی صف میں امام کے قریب کھڑا ہو تاکہ امام کی آواز آسانی سے سُن سکے۔ پھر اگر معانی جانتا ہو تو امام کی قرأت پر غور کرنا آسان ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بعد میں آکر نماز میں شامل ہونے والوں کی خلل اندازی سے امام کے قریب ہونے کی وجہ سے بچ جائے گا، کیونکہ خلل اندازی عام طور پر پیچھے کی آخری صفوں میں ہوتی ہے ——— (۴) پھر نماز کے بعد سنت و نوافل کے پڑھنے کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس جگہ (مسجد یا گھر وغیرہ) اسے زیادہ یکسوئی حاصل ہو تو وہاں نوافل ادا کرنا افضل ہے، ان ذرائع سے حضورِ قلب میں کمال پیدا ہوسکتا ہے، بعینہٖ ذکر کی برکت سے بھی یکسوئی حاصل ہوتی ہے اس کا اثر نماز کے دوران بھی رہتا ہے اس لئے ذکر پر بھی مداومت کرنی چاہیئے، باقی خیالات کا آنا ایک فطری چیز ہے عام طور پر آدمی اس سے بچ نہیں سکتا یہاں تک کہ فنائیت کا مقام نصیب نہ ہو۔ ہاں جب فنائیت نصیب ہوجاتی ہے تو پھر بعض اوقات دوسرے خیالات تو کیا آدمی کو اپنی بھی خبر نہیں ہوتی جیسے حضرت علیؓ کا نماز کی حالت میں تیرے کا بھالا نکلوانا، یا ایک بزرگ کا مراقبہ کی حالت میں اپنے ایک پاؤں کا آپریشن کرانا۔ ڈاکٹروں نے کلوروفارم تجویز کی لیکن وہ بزرگ جس مراقبہ کی انھیں مشق تھی اس میں مشغول ہوگئے۔ مراقبہ میں تھوڑی دیر گذرنے کے بعد واقف لوگوں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اب آپ ان کا آپریشن کرلیں انھیں پتہ نہیں چلے گا چنانچہ ڈاکٹر نے آپریشن کیا اور ان بزرگ کو پتہ بھی نہ چلا۔ بہرحال نماز میں محویت کا پیدا ہونا ایک وہبی چیز ہے کسبی نہیں اور ایک قاعدہ ہے کہ آدمی جس چیز کا کسب کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہبی طور پر عطا فرما دیتا ہے یعنی کسب اللہ تعالیٰ کی عطا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ بہرحال ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم از خود خیالات نہ لائیں اور اگر خود بخود آجائیں تو ان خیالات کو

دل میں ٹھہرنے نہ دیں، اگر خیالات جم جائیں تو نفس کا تدارک کریں، جیسے ایک صحابی باغ میں نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں باغ کی طرف خیال گیا اور جم گیا تو انھوں نے اپنے مقام کے مناسب نفس کا تدارک کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر باغ صدقہ کردیا۔

ہم لوگوں کو چاہیئے کہ اگر خیال جمنے لگے تو اسے دوسری طرف لگا دیں، مثلاً دورانِ نماز اگر خیال بھٹک گیا تو اس کو ہٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ خیال کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے اور یہ سوچے کہ میرے آگے جنت ہے، کعبہ ہے، خدا کی ذات ہے، دائیں طرف جنت بائیں طرف دوزخ ہے، پس اس طرح سے خیالات کو منتشر ہونے سے بچائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دل کی مثال ایک جرنیلی سڑک یعنی شاہراہ کی مانند ہے کہ اس پر سائیکل سوار، رکشا، ٹیکسی کار وغیرہ ہر قسم کی سواری اور بھنگی سے لیکر بڑے بڑے وزراتک اس شاہراہ پر سے گذرتے ہیں اس سے کسی کو روکا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح دل کو بھی اللہ تعالیٰ نے خیالات کی گزرگاہ بنایا ہے اس میں ہر قسم کے خیال آئیں گے، اچھے بھی بُرے بھی۔ جیسے آپ کسی کو جرنیلی سڑک پر چلنے سے روک نہیں سکتے اسی طرح آپ خیالات کو قلب میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ مثلاً اگر سرکار شاہی سڑک کو بند کردے تو دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں، اسی طرح اگر قلب میں خیالات ہی پیدا نہ ہوں تو انسان زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ جرنیلی سڑک کے چوراہے پر ایک ٹریفک کا سپاہی کھڑا ہوتا ہے جس کا کام ٹریفک کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے وہ ایک طرف کی ٹریفک کو روک کر دوسری طرف کی ٹریفک کو گذار دیتا ہے اور اس طرح ٹریفک کو جام نہیں ہونے دیتا۔ اگر وہ ڈیوٹی کو صحیح انجام نہ دے اور ٹریفک جام ہو جائے تو اس کا افسر اس کا عہدہ واقفیت نشان، تمغہ چھین لیتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ جاؤ دوبارہ ٹریننگ لو مشق کرو پھر ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا کرنا۔ اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان کا دل خیالات کی گذرگاہ ہے۔ ہمارا کام دل کی شاہراہ پر ٹریفک کے سپاہی کی طرح ہے کہ خیالات کو گذارتے رہیں جمنے نہ دیں اگر خیالات دل میں آکر رک جائیں اور ہم ان کو نہ ہٹائیں تو اس سے خیالات کی ٹریفک جام ہو کر فتور پیدا ہو جائے گا۔ اگر ایسا شخص مجاز ہو تو پیر صاحب بھی اس سے مجاز ہونے کا تمغہ واپس لے لیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ ابھی اور ذکر کی مشق کرو پھر اس ذمہ داری کو سنبھالنا۔ معلوم ہوا کہ خیالات آتے رہیں گزرتے رہیں جمیں نہیں۔

دراصل خیالات ہی کے ذریعہ دنیا کی رونق ہے اور اللہ تعالیٰ کو دنیا کی رونق باقی رکھنی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بھی قابلِ اعتراض نہیں کہ مسلمان کروڑپتی بنتے بلکہ جائز اور حلال طریقے سے ہو تو ضرور کمائیں اور کمائی کے بعد اس کا حق ادا کریں بلکہ خدائے تعالیٰ تو اس بات پر زیادہ خوش ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس نعمتیں زیادہ ہوں۔ لیکن عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کفار کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کے لئے تو صرف یہی دنیا ہے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، جب وہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو ان کو اس کا سارا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے جو انھیں دنیاوی نعمتوں کی شکل میں مل جاتا ہے۔ مسلمانوں سے جو دنیاوی جاہ و حشمت جاتی رہی ہے تو وہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دنیا نہ ہو۔ بلکہ زیادہ مالدار تو دین کے زیادہ کام کر سکتا ہے پھر فارسی کے اشعار پڑھے جن کا مفہوم ہے کہ "مالدار تو صدقہ، زکوٰۃ، حج، خیرات، مہمان نوازی، ہدیہ، وقف اور جہاد وغیرہ کے لئے چندہ کے کاموں میں حصہ لے سکتا ہے لیکن غریب بیچارہ کیا کر سکتا ہے وہ تو صرف دو رکعت نماز ہی ادا کر سکتا ہے کہ اس پر کوئی پیسہ نہیں لگتا اور یہ دو رکعت بھی پریشانی کی حالت میں پڑھتا ہے یعنی تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو دل میں خیال آتا ہے کہ صبح میرے بچوں کو روٹی کہاں سے میسر ہوگی۔

دنیا جائز طریقے سے کمانی چاہئے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت غالب رہے جیسے غزل کا ایک شعر جس کا مفہوم یہ ہے: "میرے محبوب کے متعلق طعنہ دینے والی عورتوں کے طعنے تو میرے دل کے گرد رہتے ہیں لیکن میرے محبوب کی محبت میرے قلب کی گہرائی میں ہے۔" اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہو اور دنیا دل کے باہر ہو، کیونکہ انسان کو دنیا سے مفر نہیں، جیسے انسان کھانا کھائے اور چاہے کہ ریح خارج نہ ہو تو عجیب بات ہے۔ اسی طرح دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کا خیال نہ آئے یہ ناممکن۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو دنیا کے خیالات کو روک دیتا لیکن ایسا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس صفت پر فرشتوں کو پیدا کیا ہے کہ انھیں ادھر ادھر کے خیالات نہیں آسکتے، جو فرشتہ رکوع میں ہے وہ رکوع میں ہی رہے گا جو سجدہ میں ہے وہ سجدہ میں ہی رہے گا۔ انسان کو تو کسی اور مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

بعض دفعہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خیال بھی ہے اور ساتھ ساتھ دوسرے خیالات بھی ہوتے ہیں یہ کیفیت زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ احسن یہ ہے کہ یہ بھی نہ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم ریڈیو پر ایک اسٹیشن لگانا چاہتے ہیں لیکن اس اسٹیشن پر دوسرے اسٹیشن کی ٹوں ٹوں کی آواز آتی رہتی ہے اور وہ دور نہیں ہوتی تو ہم اس اسٹیشن سے جو کچھ تقریر یا خبریں سننا چاہتے ہیں سن لیتے ہیں بند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا کام تو چل رہا ہے اگر یہ آواز بند نہیں ہوتی نہ ہو، ہم کیا ریڈیو بند کر دیں۔ پہلے ریڈیو پر اسٹیشن بہت کم ہوتے تھے اس لئے ایک اسٹیشن پر دوسرے کی آواز نہیں آتی تھی۔ اب ریڈیو پر اسٹیشن بہت زیادہ ہو گئے ہیں ایک اسٹیشن کی آواز دوسرے میں آجاتی ہے۔ اسی طرح پہلے لوگوں کی زندگیاں بہت سادہ تھیں دنیا میں کم الجھتے تھے لہذا یکسوئی آسانی سے ہو جاتی تھی۔ آجکل دنیا کی مشغولیت بہت زیادہ ہے ہم دنیا کے دھندوں میں

زیادہ الجھ گئے ہیں اس لئے دنیا کے خیالات ہمیں زیادہ تنگ کرتے ہیں۔ پس ہم صحابہؓ کے ایمان کا تھوڑا حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اب تو شیطان سے جنگ کا زمانہ ہے۔ اصول یہ ہے کہ جنگ کے زمانہ میں تھوڑا کرنے والے کو بھی زیادہ اجر ملتا ہے۔ متقدمین کو جو کیفیات بہت محنت کے بعد حاصل ہوتی تھیں آجکل لوگوں کو تھوڑی محنت سے بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ پہلے زمانے میں صوفیوں سالکین کو تیس تیس سال بعد خلافت ملتی تھی آجکل دو سال میں مل جاتی ہے۔ آجکل جنگ کا زمانہ ہے وہ زمانہ امن کا تھا جو سپاہی جنگ کے زمانہ میں تھوڑی سی محنت کرتا ہے اس کی زیادہ قدر کی جاتی ہے، بڑے بڑے عہدے مل جاتے ہیں لیکن امن کے زمانے میں پندرہ بیس سال بھی خدمت کرے تو کوئی خاص انعام نہیں ملتا۔ جب پہلی جنگِ عظیم میں ترک اور جرمن، انگریز کے خلاف لڑ رہے تھے تو دورانِ جنگ تھوڑی دیر کے لئے انھیں غلبہ حاصل ہوا انگریزی فوج مغلوب ہوئی کچھ سپاہی مارے گئے کچھ زخمی ہوئے، ایک پنجابی سپاہی بھی تھا وہ ویسے ہی دشمن کے خوف سے گر گیا بیہوش ہو گیا حالانکہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ کچھ دیر بعد انگریزی فوج نے پلٹ کر زوردار حملہ کیا جرمن فوج پسپا ہوئی۔ اس پنجابی سپاہی نے اپنی فوج کو دشمن کے پیچھے بھاگتے دیکھا تو اٹھ کر اپنی فوج کے آگے آگے جرمنوں کے خلاف لڑنا شروع کر دیا۔ انگریزی فوج کے بڑے افسر نے اُسے سب سے آگے دیکھا تو اس کا نام نوٹ کر لیا۔ بعد میں اس سپاہی کو وقت کا سب سے بڑا انعام وکٹوریہ کراس حکومت کی طرف سے ملا۔

بات خیالات کی ہو رہی تھی تو خیالات کا آنا ناگزیر ہے ہاں البتہ وہ خیالات جو مقصد میں حائل ہوں وہ وساوس ہیں۔ پس وہ خیالات جو نماز میں آتے ہیں یا ذکر کرتے وقت آتے ہیں اور توجہ کو منتشر کرتے ہیں وہ وساوس ہوتے ہیں۔ نماز میں خیالات کے آنے سے ثواب میں تو کمی نہیں آتی البتہ کمال میں فرق آجاتا ہے۔ مراقبہ کرنے بیٹھیں اور خیالات آنے شروع ہو جائیں چاہے دینی ہوں یا دنیاوی اور یکسوئی پیدا نہ ہونے دیں تو وہ وساوس میں شامل ہیں۔ البتہ استغراق کی کیفیت میں وسوسہ محمود ہوتا ہے کیونکہ اس سے کیفیات و واردات اور معرفتِ حق حاصل ہوتی ہے۔ یہ خیال ہی ہے جو آدمی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر پہنچاتا ہے۔ سالک اپنے تمام مقامات کو خیال ہی کی مدد سے قطع کرتا ہے اور عبور کرتا ہے۔ پس خیالات ہی آدمی کی ترقی کا موجب و ذریعہ بنتے ہیں واللہ اعلم و علمہ اتم۔

سوال:۔ وسوسہ آنے پر منتہی کی گرفت ہوتی ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔ صرف اس وسوسہ پر گرفت ہوتی ہے جو منتہی کو غافل کر دے۔ البتہ جو وسوسہ آئے اور گزر جائے اس پر گرفت نہیں ہوتی، بلکہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب منتہی سے وسوسہ کی بنا پر لغزش ہوتی ہے

اور اسے علم ہو جاتا ہے تو وہ عاجزی و استغفار کرتا ہے جس کی بنا پر اس کی لغزش معاف کر دی جاتی ہے بلکہ اس کی عاجزی پر اس کی ترقی کر دی جاتی ہے اور یہ وسوسہ ترقی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک بزرگ سمندر کے کنارے رہتے تھے، ایک دفعہ بارش ہوئی انھوں نے سوچا کہ یہ جو بارش ہو رہی ہے تو اس سمندر پر بارش کا کیا فائدہ، بارش کا فائدہ تو خشک زمین پر ہوتا ہے۔ وہ بزرگ اس خیال پر جم گئے، چاہئے تو یہ تھا کہ اس خیال کو ہٹاتے اور لاحول پڑھتے، لیکن وہ بزرگ اس وسوسہ پر جمے رہے یہ بزرگ ایک دن کسی دوسرے بزرگ کے پاس گئے تو انھوں نے ان بزرگ کو بتایا کہ آپ سے مقامات چھین لئے گئے ہیں آپ جلد توبہ کریں۔ ان بزرگ نے کہا کہ میرا گناہ توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا آپ ایسا کریں کہ میری ٹانگ میں رسی یا کپڑا باندھ کر گھسیٹیں اور ساتھ ہی یہ کہیں کہ یہ وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل دیتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ تو یہ لغزش و خطا ان کی ترقی کا ذریعہ بن گئی۔ ویسے عام طور پر منتہی وسوسہ کی ظلمت سے محفوظ رہتا ہے، واللہ اعلم۔

نیز ایک دفعہ ایک بزرگ کی تہجد کی نماز فوت ہو گئی تو وہ خوب روئے ان کا رونا ایسا مقبول ہوا کہ تہجد سے بھی زیادہ ان کو ثواب ملا۔ اس کے بعد پھر ایک دن سوتے رہ گئے تو شیطان نے جلدی سے آکر جگا دیا وہ حیران ہوئے کہ شیطان نے عبادت کے لئے کیسے جگا دیا۔ پوچھا تو کہنے لگا کہ میں نے جگا کر تمہارا فائدہ نہیں نقصان کیا ہے اگر تم سوتے رہتے تو تہجد قضا ہو جاتی پھر گریہ کرتے جس کا ثواب تہجد سے زیادہ ملتا لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ تمہیں جگا دوں تاکہ تہجد پڑھ کر کم ثواب ملے۔ تو بزرگوں کا معاملہ عجیب ہے کہ اول تو لغزش ہوتی ہی نہیں اور ہوتی ہے تو اتنا افسوس کرتے ہیں کہ وہ لغزش ترقی کا موجب بن جاتی ہے۔

سوال:۔ وسوسہ شیطان کی طرف سے پیدا ہوتا ہے یا نفس کی طرف سے؟

فرمایا:۔ وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور نفس کی طرف سے بھی، لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں کے وساوس میں لطیف فرق معلوم ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو وسوسہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے وہ خفی ہوتا ہے اور جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ نفس کے وساوس میں نفس کا حظ بھی شامل ہوتا ہے۔ نفس کا مطلوب چار چیزیں ہیں: راحت، زینت، لذت اور شہرت۔ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے جیسے نفس زینت کی خاطر راحت و لذت کو قربان کر دیتا ہے اسی طرح انسان شہرت کی خاطر بقیہ تینوں یعنی راحت، زینت اور لذت کو قربان کر دیتا ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شہرت نفس کا مطلوب حقیقی ہے، شہرت کو حاصل کرنے کے لئے نفس کو جو روپ دھارنا پڑے یہ اس پر مائل ہو جاتا ہے مثلاً اگر دنیا دار بننے میں شہرت ہو تو دنیا دار بننے کی تمنا کرتا ہے اور اگر دینی لبادہ اوڑھنے میں شہرت حاصل ہوتی ہو

تو بزرگوں کی وضع قطع اختیار کرلے گا۔ یہ نفس کا بہت خطرناک داؤ ہے کہ دین کو دنیا بنا دیتا ہے نفس کے داؤ اور وسوسے مندرجہ ذیل ہیں: نماز کے وقت میں نیند کا آنا، زیادہ کھانے کو طبیعت چاہنا، زیادہ سونا، یا غصہ اور تکبر کرنا کسی کو اپنے دل کا غصہ نکالنے کے لئے مارنا۔ اور شیطان کے وسوسے مندرجہ ذیل ہیں مثلاً چوری کرنا، زنا کرنا وغیرہ حقیقت یہ ہے کہ ان وساوس میں فرار واقعی فرق و امتیاز کرنا بہت بزرگ آدمی کا کام ہے۔ بندی بیچارے کو کیا پتہ۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نفس کے وساوس قوی ہوتے ہیں اور شیطان کے وساوس کمزور ہوتے ہیں کقولہ تعالیٰ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا لیکن جب شیطان کے وسوسہ کو نفس کی موافقت حاصل ہوتی ہے تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے پس انسان گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

سوال: خناس اور شیطان دو مختلف آفتیں ہیں یا ایک ہی ہیں؟

فرمایا:۔ خناس اور شیطان ایک ہی چیزیں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اللہ پاک اس کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان لگا دیتے ہیں۔ شیطان انسان کے دائیں اور بائیں طرف سے حملہ آور ہوتا ہے جبکہ فرشتہ اچھائی اور نیک اعمال میں انسان کی مدد کرتا ہے، یہ دائیں اور بائیں محض سمجھانے کیلئے ہے۔

دوسری مجلس ۱۶/۶/۸۰

سوال:۔ فکر ذہن کا عمل ہے یا قلب کا؟

فرمایا:۔ ذہن اور قلب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس میں فرق کرنا ایک پیچیدہ کام ہے۔ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ دل کوئی خاص چیز نہیں ہے صرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دماغ ہی اصل ہے یہی سب کچھ کرتا ہے۔ لیکن ہمارے حساب سے قلب اور عقل دو مختلف چیزیں ہیں البتہ ان میں تعلق گہرا ہے جیسے بجلی کے سوئچ اور بلب میں تعلق ہے، جیسے ہی سوئچ دبائیں فوراً بلب جل جاتا ہے کوئی دیر نہیں لگتی۔ چنانچہ عام آدمی کے لئے امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح قلب میں اگر کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو وہ فوراً دماغ میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن پاک کی آیت ہے: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ بِهَا، یا، لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا۔

پس معلوم ہوا کہ تفقہ اور تفکر قلب کا عمل ہے اور یہ کہ قلب و عقل دو مختلف چیزیں ہیں، ان دونوں میں قلب کو فضیلت ہے اور عقل قلب کے تابع ہے جیسے ہم کسی کو کہتے ہیں کہ بھئی یہ کام کرنا ہے تو اسے یوں کہتے ہیں کہ بھائی یہ کام دل سے کرنا ہے یہ نہیں کہتے کہ دماغ سے کرنا ہے۔ پس انسان کے اندر کنٹرول کا تمام کام دل کرتا ہے۔ چنانچہ جب ایک آدمی کو تصفیۂ قلب حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی فکر بھی گندگی سے پاک ہو جاتی ہے اور جب تک قلب آلودہ رہے غیر اللہ میں گرفتار رہے اس وقت تک فکر بھی پاک نہیں ہوتی۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فکر کی گندگی ذکر سے دور ہوتی ہے۔

سوال :۔ ظن اور الہام میں کیا فرق ہے؟
فرمایا کہ ظن میں انسان کے اپنے ارادے کو دخل ہوتا ہے کہ وہ اپنی نیت وارادہ کے ساتھ ایک رائے قائم کرلے، یہ انسان کی اپنی سوچ کا عمل ہے، جبکہ الہام انسان کے قلب میں خود بخود ایک خیال کا پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ ظاہر و باطن میں اس کا کوئی ماحول، ذکر یا اثرات نہ ہوں بلکہ انسان کسی اور رنگ میں بیٹھا ہوا اور اچانک خود بخود ایک خیال آجائے تو یہ الہام ہوگا۔ مثلاً ایک آدمی دینی مجلس میں باتیں کر رہا ہو اچانک خیال آئے کہ آج میرے ہاں مہمان آئیں گے تو یہ ایک الہام ہوگا کہ خود بخود ایک ایسا خیال آیا جس کا تعلق اس وقت کی گفتگو سے کچھ بھی نہ تھا۔ الہام بعض دفعہ صحیح ہوتا ہے اور بعض دفعہ غلط، اس لئے اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ اگر کسی کو صحیح الہام ہوجاتا ہو تو وہ اس پر مغرور نہ ہو اور جسے نہ ہوتا ہو وہ افسوس نہ کرے۔ مثلاً ایک آدمی کو الہام ہوا کہ ہزار روپے مل جائیں گے تو اسے وقت سے پہلے معلوم ہونے پر خوشی بھی ہوگی لیکن ساتھ ہی انتظار کی تکلیف بھی برداشت کرنا پڑے گی کیونکہ ہزار روپیہ تو ہر حال میں ملنا تھا الہام ہوتا یا نہ ہوتا۔ اور اگر کسی غمی کے متعلق الہام ہوا کہ فلاں جانور مر جائے گا تو یہ وقت سے پہلے معلوم ہونے کا خواہ مخواہ غم ہے جس جانور نے مرنا تھا اس نے ہر حال میں اسی وقت میں مرنا تھا پھر الہام سے کیا فائدہ ہوا۔ پس الہام کی طلب نہیں کرنی چاہیئے خاص طور پر اُن امور میں جو دنیا سے متعلق ہوں۔ ہاں اگر الہام معارف سے متعلق ہو جیسے اسے الہام کے ذریعہ کوئی خاص معرفت عطا ہوئی تو البتہ یہ محمود ہے، لیکن اس کو پہچاننے والے کم ہیں، اس کی قدر کم لوگ کرتے ہیں۔ عوام تو تکوینی امور کے الہام ہی کو سب سے بڑی بزرگی سمجھتے ہیں، فلیتدبر۔

سوال :۔ الہام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے یا رحمٰن کی طرف سے۔ سالک ان میں فرق کیسے کرے؟
فرمایا:۔ کہ جب سالک کو الہام ہوتا ہے تو اسے پرکھنا چاہیئے کہ یہ الہام شرع شریف کے احکام کے مطابق ہے یا مخالف۔ اگر شریعت کے مطابق ہو تو رحمان کی طرف سے ہے اور اگر خلاف شرع کام کے متعلق ہے تو شیطان کی طرف سے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کے لئے اور حق و باطل میں تمیز کے لئے شریعت مثل ایک کسوٹی کے ہے، شیطان تو ایسا لعین ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ نماز کے دوران اس نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں اس طرح آمیزش کی کہ صحابہؓ کو پتہ نہ چل سکا، پھر سالک کو کیا یقین ہے کہ اس کا الہام شیطان کی دسترس سے محفوظ ہے۔ چونکہ شرع شریف کے احکام اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ یعنی فرشتے کے ذریعے نازل فرمائے جس کے بارے میں خود فرمایا کہ وہ قوی اور امین ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ تو اس لئے شریعت کے

احکام حق و باطل کے لئے میزان او ترازو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو "الہام" شرع شریف کے مطابق ہو وہ رحمان کی طرف سے ہے اور جو شرع شریف کے خلاف ہو وہ شیطان لعین کی طرف سے ہے۔ چنانچہ سالک اگر اس پر عمل کرے گا تو دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھائے گا۔

سوال :۔ سالک ولایتِ موسوی، ولایتِ ابراہیمی اور ولایتِ محمدی علیہ الصلوۃ والسلام میں کیسے فرق کر سکتا ہے؟

فرمایا:۔ کہ جب سالک پر ذکر کے اثرات و کیفیات نمایاں ہوتی ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ سالک کا قدم کس ولایت میں ہے۔ ایک تو یہ طریقہ ہے کہ کسی بزرگ آدمی کو بذریعہ الہام معلوم ہو جائے جیسے ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید کو کسی دوسرے بزرگ کے پاس بھیجا کہ جا کر معلوم کرو کہ میرے شیخ کس نبی کے قدم پر ہیں۔ مرید گیا تو جاتے ہی اس مرید نے سلام کیا۔ ان بزرگ نے وعلیکم السلام کے بعد فرمایا کہ ہمارے یہودی کا کیا حال ہے؟ مرید نے واپس آ کر یہ بات بتائی تو ان کو معلوم ہو گیا کہ میرا قدم ولایت موسوی میں ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سالک کی کیفیات و واردات سے اس کی ولایت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی (سالک) کو صحیفۂ شریفہ کی تلاوت کا بہت شغف ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا بہت شوق ہے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ یا اس سالک کو شریعت کے خلاف کاموں کو دیکھنے سے بہت غصہ آتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور سے واپسی پر جب قوم کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو ہارون علیہ السلام پر غصہ ہوئے حتیٰ کہ انھوں نے کہا یَا ابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ۔ تو اگر ایک سالک کی طبیعت میں مندرجہ بالا صفات پائی جائیں گی تو وہ ولایتِ موسوی میں قدم رکھتا ہوگا۔ اگر سالک کو توکل کی خاص کیفیت حاصل ہو خصوصاً رزق کے معاملہ میں اسے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر کامل یقین ہو اور اس کے قلب و عمل سے واضح ہو کہ اسباب کی اس کی نگاہ میں کوئی قیمت نہیں، یا وہ سالک اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اوامر میں کوئی رعایت نہ کرتا ہو تو ایسا سالک ولایتِ ابراہیمی کے مشرب میں شمار ہوگا۔ اور اگر کسی سالک کو شرع شریف پر عمل خصوصاً اتباعِ سنت میں خاص رنگ نصیب ہو اور اخلاقِ حمیدہ سے متخلق ہو اور جذبہ قوی رکھتا ہو تو ایسا سالک ولایتِ محمدی کے مشرب کا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب الہام و کیفیات دونوں سے سالک کے مشرب کی تصدیق ہو تو صحیح ہوتا ہے۔ اور اس کی خوشخبری شیخ کامل سالک کو دیا کرتا ہے۔

سوال :۔ مجذوب اور دیوانہ (پاگل) میں کس طرح فرق کیا جا سکتا ہے؟

فرمایا کہ ظاہراً تو دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ بعض مجذوب ظاہر میں شریعت کی بالکل

پابندی نہیں کرتے ستر بھی کھلا رہتا ہے، قدرت ان کو عجیب حال میں رکھتی ہے۔ سمجھ سے باہر ہے، یہی تو وجہ ہے کہ شریعت نے واضح حکم فرمایا کہ صاحب عقل کو صاحب حال کی قطعاً اتباع نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اس کے متعلق زیادہ سوچنا بھی نہیں چاہیئے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرنا چاہیئے، نہ اُن سے زیادہ عقیدت رکھے نہ بُرا ظن رکھے، اُن کا معاملہ جدا سمجھے جس کا اپنے سے تعلق نہیں۔ اور بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بظاہر شرع شریف کے خلاف کوئی کام ان سے صادر نہیں ہوتا۔ دراصل بات یہ ہے کہ قدرت جب کسی بندے کو اپنے تکوینی نظام کے امور کے لئے منتخب کر لیتی ہے تو اس کا معاملہ عوام سے مختلف کر دیتی ہے اس کو ہم صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے وہی جانتا ہے جس کے ذمہ کام لگایا جاتا ہے لیکن وہ بھی قدرت کے معاملات کو پوشیدہ رکھنے کے مکلف ہوتے ہیں لہٰذا یہ مسئلہ واضح نہیں ہوتا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مجذوب جب کسی آدمی پر توجہ ڈالتا ہے تو زیادہ سے زیادہ اس آدمی کا حال مجذوب کی طرح ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔ کراچی پورٹ ٹرسٹ کے علاقہ میں ایک مجذوب رہتا تھا، ڈاکٹر شوکت صاحب اس سے بہت عقیدت رکھتے تھے ان کو پاس بٹھاتے کھانا کھلاتے مٹھی چاپی کرتے، وہ مجذوب بھی ڈاکٹر صاحب سے کافی مانوس تھے، ان کی دکان پر آکر بیٹھتے تھے۔ عرصہ تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور ڈاکٹر صاحب ان کی خوب خدمت کرتے رہے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے ان مجذوب کو ایک پیالی چائے پیش کی انھوں نے آدھی پی لی بقیہ آدھی ڈاکٹر صاحب کو پینے کے لئے دیدی، ڈاکٹر صاحب نے بھی پی لی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکٹر بھی مغلوب الحال ہو گئے اور اپنا ہوش نہ رہا۔ اس محلہ میں جو ان کے رشتہ دار دوست احباب رہتے تھے سب حیران تھے کہ ڈاکٹر صاحب کو کیا ہو گیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ کیفیت تھی کہ نہ کھانے کا ہوش نہ لباس کی پروا۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو بارہا دیکھا کہ پائجامہ بغیر ازار بند کے پہنا ہوتا تھا جس کو ایک ہاتھ سے پکڑے رہتے تھے، عجیب بات یہ تھی کہ پائجامہ بغیر ازار بند ہونے کے باوجود کبھی کسی نے ان کو ننگے ستر نہیں دیکھا وہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور سوتے تھے لیکن ان کا ایک ہاتھ پائجامہ کو اس طرح سنبھالے رکھتا کہ ستر کھلنے نہ پاتا۔ اگر کوئی کھانے کو دیدیتا تو کھا لیتے، گھر والے کبھی زبردستی پکڑ لیتے تو نہا بھی لیتے۔ آپ غور کریں کہ یہ عام بات نہیں ہے اگر وہ دیوانے ہوتے تو اس طرح اپنا ستر نہ چھپائے رہتے۔ وہ مجذوب جن کی توجہ سے یہ ڈاکٹر صاحب مجذوب ہوئے تھے تھوڑے دن اس علاقہ میں نظر آئے پھر معلوم نہیں کہ کہاں چلے گئے جیسے کہ ڈاکٹر صاحب کو چارج دے گئے ہوں۔

بعد میں ڈاکٹر شوکت صاحب گولی مار کے علاقہ میں آگئے اور وہاں ہمارے دوست حکیم سید شجاعت علی صاحب مرحوم سے مانوس ہو گئے اور اکثر وبیشتر ان کے پاس آبیٹھتے تھے۔ کبھی آتے اور کاغذ پنسل مانگتے حکیم صاحب دیدیتے تو اس کے اوپر ایسے متوجہ اور یکسو ہو کر لکھتے جیسے کہ کوئی بہت مصروف آدمی یا کاتب اپنے کام میں مشغول ہو لیکن

وہ کاغذ لوٹا دیتے۔ کبھی اس قدر باریک لکھتے کہ دیکھنے سے کچھ نظر نہ آتا لیکن حکیم صاحب جب محدب عدسے اس کو دیکھتے تو کبھی عربی کبھی فارسی اور کبھی اردو میں اشعار عجیب و غریب لکھے ہوتے حالانکہ ڈاکٹر صاحب عربی فارسی پہلے نہ جانتے تھے۔ پھر یہ اشعار اتنے باریک اور خوشخط ہوتے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔ عام طور پر ان کا معمول تھا کہ چار شعر لکھتے تھے اوپر بسم اللہ کے عدد اور نیچے اپنے دستخط "ڈاکٹر شوکت" لکھتے اور تاریخ بھی ڈالتے۔ کبھی لکھتے وقت روں روں کرنا شروع کر دیتے سننے والا محسوس کرتا کہ کچھ گنگنا رہے ہیں اور کبھی کوئی فقرہ ایسی مترنم آواز میں نکلتا کہ سننے والا دنگ رہ جاتا۔ ایک دفعہ ہم حکیم صاحب کے پاس گئے ہوئے تھے اسی اثنا میں ڈاکٹر شوکت[1] صاحب آکر بیٹھ گئے ہم نے عجیب بات دیکھی کہ جب ہم ان کی طرف دیکھتے تو وہ فوراً کسی اور طرف مشغول ہو جاتے اور جب ہم ان سے غافل ہوتے تو وہ فوراً ہماری طرف دیکھنا شروع کر دیتے۔ ہم بھی کن انکھیوں سے ان کی حالت دیکھتے رہتے پھر ہم اچانک ان کی طرف دیکھتے تو وہ فوراً کسی دوسری طرف مشغول ہو جاتے۔ پوری مجلس کے دوران انھوں نے ہم سے آنکھیں نہ ملائیں یہ واقعہ تو ہمارے ساتھ بھی پیش آیا۔ اب کچھ عرصہ سے ڈاکٹر شوکت کا بھی پتہ نہیں کہ کہاں چلے گئے۔

---

[1] احقر محمد اعلیٰ کہتا ہے کہ ڈاکٹر شوکت صاحب کو اس عاجز نے بھی بارہا دیکھا عجیب خوبیوں کے مجذوب تھے۔ اب تک لاپتہ ہیں۔ کچھ عرصہ ان پر یہ کیفیت بھی رہی کہ اگر کوئی شخص اپنی حاجت تحریر کر کے پیش کرتا تو وہ اسی پرچہ پر قرآن شریف کی ایسی آیت لکھ دیتے جو جواب کے لئے کافی ہوتی۔ اور حکیم شجاعت علی صاحبؒ بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، ان کی رسائی قطب، ابدال اور رجال تکوین سے بہت تھی اور مجذوب تو بکثرت ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان دیکھئے کہ وہ تقریباً دس بارہ سال مرض فالج میں مبتلا رہے، زبان بھی بند ہوگئی اور اسی میں انتقال فرمایا۔ ڈاکٹر شوکت صاحب، حکیم صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ حکیم صاحب کی علالت کے زمانہ میں ایک دن ڈاکٹر شوکت صاحب اس عاجز کو سر راہ مل گئے تو عاجز نے ہمت کر کے ان سے کہا کہ آپ کے بھائی یعنی حکیم صاحب کا یہ حال ہے آپ اُن کے لئے کچھ تو کیجئے۔ اگرچہ ڈاکٹر شوکت صاحب بہت کم صاف بولتے تھے لیکن اسوقت انھوں نے صاف الفاظ میں کہا "میں کیا کر سکتا ہوں"

حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

بِيَدِكَ الْخَيْرُ، إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جواہر پارے یعنی ارشاداتِ زوّاریہ

(از جناب حاجی بشیر اللہ صاحب بشیر جبل پوری)

آپ بیتی | غالباً سنہ ۱۹۴۹ء کے آخر یا سنہ ۱۹۵۰ء کے شروع کا زمانہ تھا کہ ایک دن میرے ماموں زاد بھائی کیپٹن عزیز الرحیم خاں صاحب میرے پاس آئے اور فرمایا کہ آج کل ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب کے پاس ایک بزرگ تشریف لایا کرتے ہیں اور قبلہ ڈاکٹر صاحب بھی ان کے در دولت پر جاتے رہتے ہیں۔ یہ سُن کر مجھے بھی شوق پیدا ہوا اور میں نے بھائی عزیز الرحیم سے کہا کہ مجھے بھی ان بزرگ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ مجھے ان بزرگ کے پاس لے گئے۔ یہ بزرگ حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ تھے اور اس زمانے میں مارٹن کوارٹرز (کراچی) میں قیام پذیر تھے۔ انھیں دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، بہت خوبصورت جوان تھے۔ کہتے ہیں کہ بزرگ وہی ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ بالکل یہی صورت میرے ساتھ پیش آئی۔

ذکر سیکھنا | دو چار ملاقاتوں کے بعد میں نے ان سے ذکر کا طریقہ سیکھنے کی خواہش کی چنانچہ انھوں نے میرے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کرنے کا طریقہ بتادیا۔ نقشبندی سلسلے کا یہ پہلا سبق یعنی لطیفۂ قلب کا ذکر ہے۔

ظہورِ کرامت | کچھ عرصہ بعد حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے شیخ قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ خیر پور ٹامیوالی سے تشریف لارہے ہیں مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ دل میں سوچا جب ان کے یہ مرید اسقدر متشرع اور ذکر کرنے والے ہیں تو ان کے شیخ صاحب کا کیا حال ہوگا ان کے اکمل ہوتے میں کیا شک ہے۔ چنانچہ میں ان کی آمد کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ حضرت صوفی صاحب کو اس وقت تک بیعت کرنے کی اجازت نہیں تھی، صرف ذکر کا طریقہ بتادیا کرتے تھے۔

میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آمد کی فرحت انگیز خبر سن کر خوشی خوشی گھر واپس ہوا۔ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی لذت سے دل کسی قدر محظوظ ہونے لگا تھا اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ سے ملنے کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔ بستر پر لیٹے لیٹے ذکر کا خیال کرتا رہا اور اللہ پاک سے دعا کی کہ اللہ پاک کیا اچھا ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے آنے سے قبل ان کی زیارت مجھے ہو جائے۔ بس اسی خیال میں گم ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دماغ میں کچھ جھنجھناہٹ سی ہو رہی ہے اور ساتھ ہی بدن پر ایک قسم کا بوجھ سا

بھی محسوس ہوا، اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہیں۔ غالباً لنگی باندھے کُرتا پہنے ہوئے ہیں شاید مجھ سے معانقہ بھی کیا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ بزرگ مجھے لے کر ہوا میں اُڑ رہے ہیں، میں اڑتے اڑتے زمین کو دیکھتا جاتا ہوں کہ زمین نیچے سے سرسر نکلتی جارہی ہے، میں نے محسوس کیا کہ میرے بدن پر جو بوجھ شروع میں تھا اب زیادہ شدید ہوگیا ہے جس کی وجہ سے میں گھبرا گیا اور جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ سب زائل ہوگیا۔

جب حضرت شاہ صاحبؒ کراچی تشریف لائے اور میں نے پہلی بار ان کی زیارت کی تو میں نے محسوس کیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی چند دن قبل زیارت ہوئی تھی اور مجھے ہوا میں لیکر اڑے تھے۔ لہذا جس دن حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لائے میں اسی دن صبح کے وقت بیعت ہوگیا اور اسی دن شام کو حاجی برکت اللہ صاحب بیعت ہوئے اور جب تک حضرت شاہ صاحب کا قیام رہا میں برابر حاضر ہوتا رہا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب ہمارے بھائی عزیز الرحیم صاحب نے جہاز اڑانے کی ٹریننگ مکمل کرلی تھی اور وہ اپنے عزیزوں کو بھی اکثر اپنے ساتھ جہاز میں بٹھا کر کراچی کی سیر کرایا کرتے تھے۔ حسنِ اتفاق کہ اسی زمانے میں حضرت شاہ صاحبؒ خیرپور ٹامیوالی سے اور مولانا محمد صادق صاحب احمد پور شرقیہ سے کراچی تشریف لے آئے تو ایک دن بھائی عزیز الرحیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان سب بزرگوں کو جہاز میں بٹھا کر کراچی کی سیر کراؤں۔ لہذا ہم دونوں ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اجازت حاصل کرلی۔ چنانچہ دوسرے دن میں حضرت شاہ صاحبؒ، مولانا محمد صادق صاحب، صوفی محمد احمدؒ صاحب، اور ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر فلائنگ کلب پہنچا۔ ادھر عزیز الرحیم صاحب نے فارم وغیرہ بھر کر تیار کرلئے تھے۔ سب نے فارم پر دستخط کئے اور اُڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ پہلی اڑان میں مولانا محمد صادق صاحب اور صوفی محمد احمد صاحبؒ گئے اور کافی دیر تک کراچی کی سیر کرتے رہے۔ دوسری اڑان میں حضرت شاہ صاحبؒ، ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب اور یہ خاکسار گئے۔ جہاز اُڑا تو بالکل وہی منظر پیش آیا جو ایک عرصہ پہلے میں نے دیکھا تھا یعنی حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھے کرامت کے طور پر اپنے ساتھ اڑا کر دکھایا تھا۔ میری سیٹ کے دائیں طرف بھی کھڑکی تھی اور بائیں طرف بھی، چنانچہ میں کبھی دائیں طرف کھڑکی میں سے زمین کو دیکھتا اور کبھی بائیں طرف کھڑکی میں سے اور زمین اسی طرح سرسر نکلتی چلی جارہی تھی جیسے کہ پہلے دیکھ چکا تھا۔

یہ تھی ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی پہلی کرامت جو شروع میں میرے دیکھنے میں آئی یعنی جو سیر خیالات میں کرائی تھی وہی حقیقت میں کرادی۔

نماز میں خشوع وخضوع ہفتہ ۱۵ر نومبر ۱۹۷۵ء مطابق ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے لئے یکسوئی، نیت میں خلوص اور حضورِ قلب ہونا چاہئے۔ نماز سے جس قدر لگاؤ اور دلچسپی ہوگی نماز اتنی ہی کامل ہوگی اور نماز میں اسی قدر خشوع و خضوع ہوگا۔ نماز کی نیت دل سے کرے اس طرح کم از کم نماز شروع کرتے وقت تو دل حاضر ہوگا، زبان سے کہہ لے تو بہتر ہے۔ صحابۂ کرامؓ سے زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں، یہ بعد کے علماء کا خیال ہے۔

نماز میں نیت کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہوئے یہ خیال کرے کہ میں نے ساری دنیا کو پسِ پشت ڈال دیا اور اب اپنے رب خالق ومالک کے سامنے اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ جو کچھ پڑھے اس کا خیال کرے، اس کے مطلب ومعنی کا دھیان رکھے، ادب واحترام سے کھڑا رہے اور یہ خیال کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم یہ خیال تو کرے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے خدا اسے سن رہا ہے۔ کم از کم فرض نماز مسجد میں ادا کرے، نوافل کے لئے گھر میں کوئی ایسی جگہ مقرر کرلیں جہاں گھر والوں کی آمد ورفت نہ ہو۔ تنہائی ہوگی تو یکسوئی ہوگی۔ عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے جیسی نیت ہوگی ویسا ہی عمل ہوگا اس لئے نیت کا درست ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔

مسئلۂ عالم الغیب کی وضاحت:۔

مسئلہ عالم الغیب کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں فریقین نے لفظی اختلاف ڈال رکھا ہے جس سے عوام میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک فریق کہتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ ذرہ کا علم ہے، دوسرا کہتا ہے کہ انھیں ذرہ ذرہ کا علم نہیں ہے بلکہ اللہ پاک نے انھیں جتنا علم جس وقت دیا اس کا انھوں نے اظہار کردیا۔ ذرہ ذرہ کے علم پر جب اعتراض کیا گیا تو علماء نے اس کی توجیہ یوں کی کہ ذرے اگرچہ لاتعداد ہیں ہم انھیں گن نہیں سکتے بہرحال لامتناہی نہیں آخر کوئی تو حد ہوگی جس کا علم اللہ پاک کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا اس لئے ذرے متناہی ہوئے اور ذرے ذرے کا علم کہنے سے رسول پاک کا علم بھی متناہی ہوا لامتناہی تو نہیں ہوا۔ عوام محض لفظی بحث میں پڑجاتے ہیں اور ذرے ذرے کے علم سے لامتناہی سمجھ بیٹھتے ہیں اس قسم کا لفظی اختلاف ڈال کر آجکل کے علما اپنے حلوے مانڈے سیدھے کرتے رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ میں نے اس مسئلے میں کافی غور کیا اور ایک خاص نتیجے پر پہنچا اور اس بات کا اظہار میں نے اکثر پڑھے لکھے اور سمجھدار خاص لوگوں کے سامنے کیا۔ یہ میری اپنی سمجھ اور میرے ذہن کی اختراع ہے کوئی کتابی یا کسی بزرگ کا قول نہیں اور میں عام طور سے کسی کے سامنے کہتا بھی نہیں لیکن آج کی

یہ محفل چونکہ خاص ہے اس لئے آپ لوگوں سے بھی اس کا اظہار کرتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بالقوۃ عالم الغیب ہیں بالفعل نہیں یعنی یہ کہ ان میں اللہ پاک نے ساری خصوصیات بدرجہ اتم پیدا فرما دی ہیں وقت اور ضرورت کے لحاظ سے وحی کے ذریعہ یا فرشتوں کے ذریعہ یا دل پر القا فرما کر غیب کا اظہار کر دیا جاتا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے کہہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے کسی بات پر اعتراض کیا اور اس کی وجہ پوچھی یا غیب کی کوئی بات دریافت کی تو کبھی کبھی آپ سکوت فرماتے تھے اور وحی کا انتظار کرتے تھے۔ جب وحی نازل ہوتی تو غیب کا اظہار کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے واقعۂ افک میں قریب قریب ایک مہینے پریشان رہے، لوگوں کے طعنے اور تکلیف دہ باتوں کو برداشت کرتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی روتی اور گڑگڑاتی رہیں مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک اس معاملے میں کوئی بات نہیں کی جب تک کہ وحی نازل نہ ہوئی اور اللہ پاک نے خود جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برات فرما دی۔

اسی طرح اصحاب کہف، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر اور ذوالقرنین وغیرہ کے متعلق جب آپؐ سے سوالات کئے گئے تو وحی آنے پر واقعات کا اظہار کیا گیا۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

اگر کسی درخت کے بیج پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس دانے میں درخت بننے کی صلاحیت ہے اس وقت وہ بالقوۃ ہے اسے اگر آپ زمین میں بو دیں اس میں پانی دیں تو کچھ عرصہ میں ایک ننھا سا پودا نکل آئے گا رفتہ رفتہ وہ بڑا ہوگا پھل پھول دیگا اس وقت یہ دانہ بالفعل ہوگا۔ اسی طرح اللہ پاک نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں ساری خصوصیات اور صفات بدرجہ اتم پیدا کر دی ہیں بالقوۃ ان میں ہر صفت موجود ہے، بالفعل اس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

معراج شریف میں اللہ پاک نے انھیں جنت دوزخ کی سیر کرائی، مختلف مقامات پر گناہگاروں پر طرح طرح سے عذاب ہوتے ہوئے دکھائے مثلاً چغلخوروں، جھوٹوں، دھوکے بازوں، دغابازوں اور منافقوں و کافروں پر عذاب ہوتے ہوئے دکھائے حالانکہ یہ سب حشر کے بعد کی باتیں ہیں لیکن عالم مثال میں موجود ہیں، اللہ پاک نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو ظاہر فرما دیا کہ حشر کے بعد یہ ہونا ہے تاکہ آپ امت کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں اور جنت کی بشارت دیں۔

رسول پاکؐ نے اللہ پاک کا دیدار عرش پر کیا اور یہ اس لئے صحیح اور ممکن ہے کہ وہ عالم

زمان ومکان سے بالا ہے، وہ عالم لامکانیت کا عالم ہے اور مادیت سے پاک ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں یعنی عالمِ امکان اور مادیت میں تھے اس لئے جلوہ کی تاب نہ لا سکے۔ رسول پاکؐ نے فرمایا کہ میں نے اللہ پاک کا دیدار کیا مگر پھر بھی میرے اور اللہ پاک کے درمیان ایک ہزار پردے حائل تھے۔ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ پاک کا دیدار ہے۔ اللہ پاک کا دیدار ایک کیفیت ہے جس سے دیکھنے والا لطف اندوز ہوگا، ورنہ مخلوق خالق کو دیکھ سکے یہ اس کی مجال کہاں، اس کی آنکھوں میں یہ قوت کہاں کہ اس کے دیدار کی تاب لا سکے۔ مخلوق آخر مخلوق ہے اور خالق آخر خالق ہے۔ یہ محض اللہ پاک کا کرم ہوگا وہ جس حالت اور جس کیفیت میں چاہے گا اپنے بندوں کو دیدار کرا دیگا۔

اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ مخفی خزانہ تھا اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اس لئے اس نے کائنات تخلیق فرمائی۔ اور رسول پاکؐ کا نور سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جس ذاتِ گرامی کو سب سے پہلے پیدا کیا اس میں اپنی ہر صفت بدرجۂ اتم پیدا کی ہوگی۔ کیونکہ انھیں حبیب اور رحمۃ اللعالمین بنانا تھا اسی لئے آپ سب نبیوں سے افضل ہیں آپ سے ہر صفت اپنے اپنے موقع پر بحکمِ خدا ظاہر ہوتی رہی۔ اس میں عالم الغیب کی صفت بھی آجاتی ہے، یہ صفت آپؐ میں بالقوہ موجود ہے اور بالفعل قیامت تک ظاہر ہوتی رہے گی۔ حشر کے دن لوگ پریشان حال ہر نبی کے پاس جائیں گے اور ان سے اپنی سفارش کے لئے درخواست کریں گے مگر کوئی نبی ان کی سفارش کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اذنِ الٰہی سے گنہگاروں کی سفارش کریں گے، اس وقت ان کی یہ صفت بالفعل ہوگی۔

دل جاری ہونا

ہفتہ ۲۲ نومبر ۱۹۷۵ء کو ایک صاحب کے قلب پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اس جگہ اللہ کے ذکر کا تصور کریں اور جس طرح پچھلے ہفتے ذکر کا طریقہ بتایا تھا اسی طرح کرتے رہیں۔ کچھ عرصے میں دل جاری ہو جائے گا۔ جب دل جاری ہو جاتا ہے تو کسی کو گھڑی کی ٹک ٹک کی سی آواز آتی ہے، کسی کو چڑیوں کے چہچہانے کی آواز معلوم ہوتی ہے کسی کے دل میں ہنڈیا سی پکتی معلوم ہوتی ہے کسی کا دل اوپر سے حرکت کرتا محسوس ہوتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ مقصود نہیں ہے۔ مقصود ذکر کرنا ہے، کسی کا دل جاری ہو یا نہ ہو کسی کو کوئی کشف ہو یا نہ ہو اس کی پرواہ نہ کرے، ہمیشگی اور استقامت کے ساتھ ذکر کرتا رہے۔ اللہ پاک کسی کی محنت رائیگاں نہیں کرتا۔ وہ رحیم وکریم ہے آپ کو کسی نہ کسی طرح ضرور نواز دے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک داغ پڑجاتا ہے اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا داغ پڑجاتا ہے اسی طرح وہ گناہ کرتا رہتا ہے اور یہ سیاہی بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ پورا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر انسان گناہ کرکے فوراً توبہ کرلے تو داغ بھی نہیں پڑتا اور اگر بعد میں توبہ کرلے تو بھی ساری سیاہی دُھل جاتی ہے۔ نیز فرمایا کہ اس دل سے مراد جسم کا یہ دل نہیں جو سینہ میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے بلکہ وہ دل مراد ہے جو تصوف کی زبان میں قلب کہلاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث یعنی "انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر یہ صحیح ہوجائے تو سارا جسم صحیح ہوجاتا ہے اور اور اگر یہ بگڑجائے تو سارا جسم بگڑجاتا ہے" اس حدیث شریف اور تصوف میں جسے قلب کہتے ہیں کیا مناسبت ہے ـــ آپ نے ارشاد فرمایا، ظاہر ہے کہ اگر دل بیمار ہوجائے تو سارا جسم متاثر ہوجاتا ہے یعنی اگر دل میں کوئی خرابی پیدا ہوجائے تو سارا جسم محسوس کرتا ہے برعکس اس کے اگر اس کا دل ٹھیک ہے اور جسم کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہو تو وہی حصہ متاثر ہوتا ہے دل میں اس ظاہری نقص سے کوئی فرق نہیں پڑتا دل اسی طرح اپنا کام کرتا رہتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹروں کا بھی خیال ہے۔ علاج معالجہ سے ظاہری نقص یا تکلیف دور ہوجاتی ہے مگر دل میں خرابی ہو تو سارا جسم متاثر ہوگا، دل جسم کو برابر خون نہ پہنچا سکے گا یا پہنچائے گا تو خراب اور فاسد خون دے گا جس سے جسم میں مختلف بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ عوام کی زبان میں اسے گوشت کا لوتھڑا کہتے ہیں، یہ تو اس کے ظاہری معنی ہوئے اور باطن میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دل میں جو ہمارے جسم میں حرکت کرتا ہے ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے یا لطیف مقام ہے جو خیالات کی گذرگاہ ہے اس میں اچھے خیال بھی آتے ہیں اور بُرے بھی، اور یہ ایک فطری چیز ہے جسے انسان روک نہیں سکتا۔ اچھے خیال آئیں گے تو انسان سدھر جائے گا اور برے خیالات آئیں گے تو بگڑ جائے گا، اور بری عادتیں پیدا ہوجائیں گی اور اپنی عاقبت خراب کرے گا۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ بُرے خیالات کو دل میں جگہ نہ دے، نہ ان سے کوئی اثر لے۔ اگرچہ خیالات کے روکنے پر انسان کو قدرت نہیں ہے مگر آدمی اتنا تو کرسکتا ہے کہ برے خیالات کو نکالنے کی کوشش کرے اور اچھے کاموں کے لئے کمربستہ ہوجائے۔ یہی تصوف کا منشا ہے اور یہی حدیث شریف کا مطلب ہے۔

لطائف کی تشریح

ہفتہ ۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء آج ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آپ نے عمدۃ السلوک میں جو لطیفوں کا تذکرہ فرمایا ہے انھیں ذرا وضاحت سے سمجھنا چاہتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا۔ لطائف کا ذکر نہ تو قرآن سے ثابت ہے اور نہ حدیثوں سے، یہ محض بزرگانِ دین کی کشفی دریافت ہے۔ بزرگوں نے اپنے اپنے کشف سے یہ محسوس کیا کہ انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے۔ حدیث سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کے جسم میں قلب ایک نہایت لطیف مقام ہے جب یہ ترقی کرتا ہے تو درجات طے کرتا ہے۔ قلب سے روح پھر سر پھر خفی اور پھر اخفیٰ تک پہنچ جاتا ہے، تب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص میں روحانیت پیدا ہو گئی ہے۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر تو یہ ہے کہ آدمی کے آنکھ، کان، ناک، منھ اور جسم ہے۔ آنکھ سے آدمی دیکھتا ہے، کان سے سنتا ہے، ناک سے سونگھتا ہے وغیرہ مگر کان میں کونسی ایسی چیز ہے جو سنتی ہے ہم صرف سننے کی صفت کو محسوس کر سکتے ہیں دیکھ نہیں سکتے۔ اسی طرح زبان مزہ چکھ سکتی ہے مگر اس کے چکھنے سے اس لطیف احساس کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آنکھ دیکھ رہی ہے مگر آنکھ میں کونسی ایسی شے ہے جو دیکھنے کا کام کرتی ہے اس لطیف صفت کو دیکھ نہیں سکتے۔

اللہ پاک نے کائنات کو دو طریقوں پر پیدا فرمایا ایک تو کُن کہہ کر اور دوسرے بتدریج۔ کُن کہہ کر جس عالم کو پیدا کیا وہ عالمِ امر کہلاتا ہے اور دوسرا عالمِ خلق۔ عالمِ امر میں روح، فرشتے، عرش، کرسی اور انسان کے جسم کے دس لطیفے شامل ہیں۔ اور عالمِ خلق میں زمین، آسمان، آگ، پانی اور ہوا وغیرہ شامل ہیں۔ عالمِ امر عرش سے اوپر کا حصہ ہے اور عالمِ خلق عرش سے نیچے تحت الثریٰ تک۔

آگ، پانی، ہوا اور مٹی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یعنی آگ اگر کم ہو اور اس پر پانی زیادہ مقدار میں ڈال دیا جائے تو آگ بجھ جائے گی۔ اسی طرح اگر آگ زیادہ ہو اور پانی کم ہو تو آگ پانی کو بھاپ بنا کر اُڑا دیگی۔ پانی میں مٹی ڈال دی جائے تو پانی گدلا ہو جائے گا اگر مٹی زیادہ مقدار میں ڈال دی جائے تو پانی کو جذب کر لے گی۔ مگر اللہ پاک نے انسان میں یہ چاروں عناصر ایک خاص تناسب سے رکھے ہیں جس سے انسان کا جسم قائم ہے۔ اگر انسان کے جسم میں حرارت بڑھ جائے تو بیمار ہو جاتا ہے اور اگر کم ہو جائے تو بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ اسی جسم میں اللہ پاک نے روح بھی رکھدی ہے جو لطیف ہونے کے باوجود انسانی جسم کو لئے لئے پھرتی ہے اور جب وہ نکل جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔

اللہ پاک نے "کُن" کہہ کر ان ساری روحوں کو پیدا کیا جو قیامت تک پیدا ہوتی رہیں گی اور اسی وقت الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کا وعدہ لیا۔ سب نے قالو بلیٰ (بیشک تو ہمارا رب ہے) کہا۔ اس تعلق کو قائم رکھنے کے لئے اللہ پاک نے انسان کے جسم میں پانچ فرحت انگیز چیزیں رکھدیں اور ان کی اصل عالمِ امر میں رکھی، وہ پانچ لطائف ہیں جو قلب، روح، سر،

خفی اور اخفیٰ کہلاتے ہیں یعنی جب قلب میں فنائیت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ عالم امر میں اپنی اصل سے مل جاتا ہے جب روح ترقی کرتی ہے تو وہ بھی اپنی اصل سے مل جاتی ہے۔ اسی طرح سر، خفی اخفیٰ ہیں جب ترقی کرتے ہیں تو اپنی اصل سے جن کا مرکز عالم امر ہے جا ملتے ہیں۔ انسانی جسم کے یہ پانچ لطائف تو عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ دوسرے لطائف عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں وہ نفس، ہوا، پانی، آگ اور خاک ہیں لیکن ان پانچ لطیفوں کی اصل وہی عالم امر کے پانچ لطیفے ہیں یعنی نفس کی اصل قلب، ہوا کی اصل روح، پانی کی سر آگ کی خفی اور خاک کی اصل اخفیٰ ہے۔

حق تعالیٰ نے انسان کے جسم میں دس لطیفے یعنی دس فرحت انگیز چیزیں امانت رکھدی ہیں یہ دس لطیفے پروردگار سے نور فیض و برکت سے لبریز ہیں لیکن انسان دنیا کی دو گھڑی کی جھوٹی اور فانی لذت حاصل کرنے کے لئے اپنے رب کے فیض و برکت سے غافل ہو گیا۔ جب اسے اس غفلت سے جگایا جاتا ہے تو وہ آہ و زاری کرتا ہے اس وقت اللہ پاک بندہ پر ہمیشہ کی فرحت یعنی اپنی یاد اس کے دل میں قائم کر دیتا ہے تصوف اسی کا نام ہے اور یہی احسان کہلاتا ہے۔

انسان اگر اچھی صحبت اختیار کرتا ہے تو اس میں اچھی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں، بری صحبت ہوتی ہے تو بری باتیں سیکھ جاتا ہے۔ چور ڈاکوؤں کی صحبت میں رہے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی چور ڈاکو بن جائیگا اور اگر کسی ولی کی صحبت میں رہے گا تو نیک بن جائے گا۔ انسان اگر بری صحبتوں میں پڑ جائے تو برباد ہو جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے گرد و پیش کے ماحول سے متاثر ہو کر بنتا اور بگڑتا ہے انسان میں غرور و تکبر، دولت، جاہ و حشم اور شہرت ہر قسم کی خواہش کرنے کی صلاحیت ہے۔ اگر ان صلاحیتوں میں دنیاوی اثرات ہوں گے تو انسان مغرور ہو جائے گا شہرت کو پسند کرے گا اور چاہے گا کہ دنیا اس کی عزت کرے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر یہی صلاحیت دین کی طرف لگ جائے تو اللہ والا بن جائیگا۔ اور وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا اور اس کا اظہار بھی کرے گا اور واما بنعمۃ ربک فحدث کے زمرے میں آجائے گا، جو جائز ہے۔

شکر بھی دو طرح سے ہوتا ہے ایک زبان سے اور دوسرے عمل سے۔ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ غلط چیز نہ دیکھے، کان کا شکر یہ ہے کہ بری بات نہ سنے، پاؤں کا شکر یہ ہے کہ بری جگہ نہ جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے اگر کسی ولی یا بزرگ نے یہ کہہ دیا کہ میں نے یہ دیکھا اور اللہ کا مجھ پر یہ کرم ہوا جس کا میں اہل نہ تھا تو کیا برا کیا۔

ہاں تو بات لطیفوں کی ہو رہی تھی۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرامؓ سے لطیفوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اصل میں وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو بات ہوتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست پوچھ لیتے، جو کہنا کہ حضورؐ نے یوں فرمایا ہے مان لیتے اور فوراً عمل کرنے لگتے۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور رسول پاک کے زمانے سے دوری ہوتی گئی آدمی بگڑتا گیا۔ بزرگوں نے انسانوں کو سدھارنے کے لئے ان لطائف کی دریافت کی، اور ان بزرگوں نے اپنے اپنے کشف کے مطابق ان لطائف کا اظہار کیا اور ان کے مقامات تعین کئے ہیں۔ اگر انسان ان لطائف سے تعلق پیدا کرلے گا تو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرلے گا اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائیگا اور یہی تصوف کی غرض وغایت ہے۔

آدمی جب کسی کامل بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے اور اس سے بیعت ہو کر اپنے گناہوں سے تائب ہوجاتا ہے تو شیخ مرید کو خوابِ غفلت سے جگاتا ہے اور اسے آگاہ کرتا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے کرم سے تمہارے جسم میں دس جواہر پارے چھپا رکھے ہیں، یہ انمول جواہر پارے اللہ کے نور فیض اور برکت سے لبریز ہیں۔ شیخ آدمی کے انہی جواہر پاروں کو بیدار کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی بدبختی کا احساس بھی دلاتا ہے۔ اگر آدمی سعادت مند ہے تو حقیقت پر غور کرتا ہے اور شرمندہ اور پشیمان ہو کر اپنے آقا اور مالک کے دربار میں حاضر ہوجاتا ہے اور اس کے فیوضات وبرکات حاصل کرنے کے لئے آہ وزاری کرتا ہے اگر اس کے دل میں خلوص ہے تو اللہ پاک اس پر کرم فرماتا ہے اور اپنی یاد اس کے دل میں قائم کردیتا ہے اپنی محبت اور معرفت کی راہیں کھول دیتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت خود بخود اس کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے اور سنت کی پیروی کرنے لگتا ہے، دین کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے اور احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے، کامل مرشدوں سے استفادہ کرتا ہے اور نتیجہ کے طور پر ایک نہ ایک دن اپنے ان دس لطیفوں کی برکات سے نوازا جاتا ہے۔ انسان اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرلیتا ہے اور اللہ کا مقرب بندہ بن جاتا ہے۔

لطیفوں کے رنگ اور اولوالعزم پیغمبروں کے زیرِ قدم ہونے کا مطلب؟

ہفتہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۵ء، حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا گیا کہ لطائف خمسہ میں سے ہر لطیفہ کسی نہ کسی اولوالعزم پیغمبر کے زیرِ قدم ہوتا ہے اور ہر لطیفے کے جداگانہ رنگ اور انوارات ہوتے ہیں ان میں کیا مناسبت ہے اور ان کی کیا حقیقت ہے؟

آپ نے فرمایا کہ انوارات کے رنگ یہ کاملین کے کشف کی باتیں ہیں جس بزرگ کو جو رنگ

نظر آئے اس نے ان کا انکشاف کر دیا۔ چنانچہ کسی نے کہا کہ لطیفۂ قلب کے ذکر میں مجھے زرد رنگ کے انوارات نظر آئے، کسی دوسرے بزرگ نے بھی ایسا ہی کہا لہٰذا لطیفۂ قلب کے انوار زرد سمجھے گئے۔ اسی طرح لطیفۂ روح، سر، خفی اور اخفیٰ کے انوارات بھی مقرر ہو گئے مگر یہ محض کشفی باتیں ہیں، ضروری نہیں کہ ہر ذاکر کو یہی رنگ نظر آئیں اور نہ یہ مقصود ہیں، کسی کو نظر آئیں تو ٹھیک ہیں، نظر نہ آئیں تو بھی ٹھیک ہے مقصود اللہ پاک کی یاد ہے نہ کہ کشف کا ہونا۔ البتہ اگر انوارات نظر آئیں تو شکر ادا کرے اور نظر نہ آئیں تو یہ خیال نہ کرے کہ اس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔

عالم امر کے پانچ لطیفوں کے کمالات کو ولایت کے پانچ درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ایک درجہ اولوالعزم نبیوں میں سے کسی ایک نبی کے زیر قدم ہے ان تمام اولوالعزم انبیا علیہم السلام کے زیر قدم دوسرے انبیا ہوتے ہیں اور ہر نبی کے زیر قدم ایک ولی ضرور ہوتا ہے، زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ عالم امر کے لطائف خمسہ کی ولایت کو انبیا علیہم السلام کے زیر قدم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو قرب و ولایت اصل کے مقام میں حاصل ہوا ہے سالک کو اس قرب کا ظل حاصل ہو جاتا ہے۔ مثلاً لطیفۂ روح میں سالک کو جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ ولایتِ خلیلی کا ظل ہے۔

کیا سماع جائز ہے؟

ہفتہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا گیا کہ بعض صوفیائے کرام جو سماع سنتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ —— حضرتؒ نے فرمایا کہ ساز اور باجوں کے ساتھ کسی قسم کا بھی گانا حتیٰ کہ حمد و نعت بھی ناجائز ہے بغیر ساز کے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے صرف وقتاً فوقتاً سن سکتے ہیں مثلاً پڑھنے والا معمر باشرع ہو، سننے والا صاحبِ دل ہو، محفل میں نابالغ بچے اور عورتیں نہ ہوں، کسی قسم کا ساز نہ ہو وغیرہ۔ کسی سالک کو راہِ سلوک میں قبض ہو جاتا ہے تو اس کے قبض کو توڑنے کے لیے شیوخ کبھی نعت اور حمد کو سننے کی اجازت دیدیتے ہیں، آواز میں چونکہ جادو ہے اس لئے انسان جلد مسحور ہو جاتا ہے —— لوگ نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کا ایک جم غفیر اپنے اضطراب اور قبض کی تسکین و علاج، راگ و نغموں کے پردے میں دیکھتے ہیں۔ اور اپنے مطلوب کو سماع و وجد و تواجد میں تلاش کرتے ہیں اسی لئے وہ رقص و سماع کو اپنی عبادت بنا لیتے ہیں۔ اگر نماز کے کمالات کا ایک شمّہ بھی اُن پر ظاہر ہو جاتا تو کبھی بھی سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔

حضوری کا مطلب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر انسان خدا کو حاضر و ناظر جانے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ گناہ سے نہ بچے، گناہ کرنے سے پہلے ضرور خوفِ خدا پیدا ہوگا اور یہی حضوری ہے کہ ہر وقت اور ہر کام میں خدا کے احکام کا دھیان رہے۔

شریعت اور طریقت

شریعت اور طریقت کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بزرگوں نے شریعت اور طریقت کو ایک ہی درخت فرمایا ہے، شریعت ایک جڑ ہے تو اس کی شاخیں اور تنا طریقت ہے اور پھل پھول معرفت — حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافتِ راشدہ میرے بعد تیس سال تک رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا — خلفائے راشدین میں ہر طرح کی جامعیت موجود تھی، یہ چاروں مبارک ہستیاں ہر چیز کا مرکز تھیں۔ شریعت، طریقت، سیاست اور تصوف وغیرہ کا۔ اس لئے ان کے زمانے میں تصوف کوئی الگ چیز نہ تھی، بلکہ شریعت اور طریقت یکجا موجود تھیں۔ خلفائے راشدین کے بعد وہ بات نہ رہی اور ہر چیز کے الگ الگ گروہ بن گئے۔ چنانچہ ایک گروہ صوفیائے کرام کا بن گیا ایک گروہ محدثین کا اور ایک گروہ کے ذمہ صرف حکومت کا انتظام رہ گیا۔ اس طرح بہت سے الگ الگ طبقے بن گئے — حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے بیعت لی ہے۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی بیعت لی ہے، یہ بیعت بیعتِ توبہ کہلاتی ہے' لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں یا صحابہؓ کے زمانے میں بیعت کا طریقہ نہیں تھا اس بیعتِ توبہ میں ہر چیز شامل تھی یعنی گناہ سے توبہ، ذکر کرنا، اطاعت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کرامؓ کے بعد حکومت بادشاہی میں تبدیل ہوگئی اور خلافت کی بیعت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ جوں جوں نبوت کا زمانہ گذرتا گیا بیعت کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور صوفیائے کرام نے دوبارہ اس سنت کو زندہ کیا اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کی، یہ بیعت، بیعتِ توبہ کہلاتی ہے۔

صحابہ کرام کا اختلاف

صحابہ کرامؓ کا آپس کا اختلاف اجتہادی تھا ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ کسی بات پر الزام لگائیں کسی کو صحیح کسی کو غلط ٹھہرائیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں جس نے ان میں سے کسی کی بھی اتباع کرلی وہ فلاح پا گیا۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کا اختلاف اجتہادی تھا ان میں سے کسی کو غلط راستے پر ٹھہرا کر اسلام سے خارج نہیں سمجھا جاسکتا

بلکہ ان حضرات میں سے بہت سے عشرۂ مبشرہ میں سے تھے گو کہ ان میں آپس میں اختلاف تھا مگر اسلام کے نام پر حرف نہیں آنے دیتے تھے۔

وضو کے آداب

وضو اور نماز میں سنت کی پیروی کا لحاظ رکھیں تو یہ بڑی بات ہے اور ترقی کا راز بھی اسی میں ہے۔ مثلاً وضو کرتے وقت بات نہ کرے صحیح طریقے سے وضو کرے۔ جب نمازی وضو کرنا شروع کرتا ہے تو فرشتے نور کی چادر اس کے سر پر تان لیتے ہیں۔ اگر وہ ایک مرتبہ بولے تو ایک کونہ چھوڑ دیتے ہیں پھر بولے تو دوسرا پھر تیسرا اور پھر چھوڑ دیتے ہیں پھر وہ نور کی چادر اوپر اُڑ جاتی ہے کیسی بدنصیبی ہے کہ تھوڑی دیر خاموش نہ رہنے سے اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت سے محروم ہو گیا۔

سائیں توکل شاہ انبالویؒ ایک مرتبہ وضو کر رہے تھے، مولانا اشرف علی تھانویؒ کھڑے دیکھتے رہے، جب پیر دھونے لگے تو پنڈلیاں کچھ کھل گئیں۔ مولانا صاحبؒ نے دیکھا کہ سائیں صاحبؒ کی پنڈلیوں میں گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ مولانا نے دورانِ وضو ہی فرمایا سائیں صاحب آپ نے تو نفس کا حق ہی مار دیا۔ سائیں صاحبؒ نے جواب نہ دیا۔ جب وضو کر چکے تو فرمایا مولانا صاحب! میں جاہل آدمی حق وق تو جانتا نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اتنا کرنے پر بھی یہ کمبخت قابو میں تو آیا نہیں۔

امر اور نہی

شرع میں حکم کی دو قسمیں ہیں، ایک امر اور دوسری نہی۔ امر میں فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح شامل ہیں۔ اور نہی میں حرام، مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی وغیرہ۔ ساری باتیں انھیں سے جانچی جا سکتی ہیں۔ اگر کرنے کا حکم رکھتی ہے تو فرض ہو گی یا واجب، سنت، سنتِ مؤکدہ، یا مباح، اور اگر ممنوع میں سے ہے تو حرام، مکروہ تحریمی، تنزیہی ہو گی۔ پس انہی باتوں سے ہر چیز اور ہر عمل کی نوعیت معلوم ہو سکتی ہے، یہ ایک کسوٹی ہے جس سے سب چیزیں جانچی جا سکتی ہیں۔

ایک گُر کی بات یہ ہے کہ جو عمل سنت ہو گا وہ ہر جگہ اور ہر ملک میں یکساں ہو گا۔ عرب، یمن، ہندوستان، ایران اور پاکستان وغیرہ وغیرہ۔ اور جو کام بدعت ہو گا وہ ہر جگہ اور ہر ملک میں یکساں نہیں ہو گا۔ کسی ملک میں کسی طرح رائج ہو گا اور کسی ملک میں کسی اور طرح۔ مثلاً محرم۔ یعنی ایران میں محرم منانے کا اور طریقہ ہے، عراق میں اور طریقہ، اور ہندوستان میں اور طریقہ ہے۔ محرم کا منانا چونکہ خود بدعت ہے اس لیے الگ الگ طریقے سے منایا جاتا ہے مگر دسویں محرم کا روزہ رکھنا سنت ہے لہذا یہ ہر جگہ اور ہر ملک میں رکھا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک اور بڑی مفید چیز فرمائی کہ جب بھی کوئی نیک کام کرو تو اس کو رسول پاکؐ کے توسل سے تمام مسلمانوں اور اپنے والدین، متعلقین کو ثواب پہنچا دیا کرو، کام کتنا ہی چھوٹا اور حقیر ہو ثواب ضرور پہنچا دینا چاہئے۔ مثلاً خیرات کرو اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو، کسی کو ایک گلاس پانی پلاؤ تو اس کا ثواب بھی بخش دو، کسی دوست کو کھانا کھلاؤ تو اسے بھی بخش دو۔ نفلیں پڑھ کر بخش سکتے ہیں، قرآن پاک پڑھ کر بخش سکتے ہیں غرضکہ ہر نیک کام کو بخشا جاسکتا ہے۔

قصیدہ (در مدح حضرت شاہ صاحبؒ)

(یہ میرے سب سے پہلے اشعار ہیں جو خیر پور ٹامیوالی میں لکھے تھے۔ بشیر)

مرا مرشد مرا رہبر زمانے بھر سے پیارا ہے
مرے دل کا سہارا ہے مری آنکھوں کا تارا ہے

وہ جس کا کام گمراہی سے ہم سب کو بچاتا ہے
ہمارے واسطے شمع ہدایت بن کے آیا ہے

وہ جس کا قلب روشن نور کا دریا بہاتا ہے
ہویدا دل میں ہے یا پرتو عرشِ معلیٰ ہے

توجہ سے جو دنیا کی توجہ کو مٹاتا ہے
نظر سے جو نظر کو طالبِ مولیٰ بناتا ہے

وہ جس کے سینۂ اقدس سے چشمہ فیض کا جاری
وہ جس کا قلب ہر ظلمت کو روشن کرنے والا ہے

شعاعیں نور کی چہرے پہ جس کے مسکراتی ہے
تبسم ہے الٰہی یا کوئی برقِ تجلیٰ ہے

علوم ظاہری و باطنی دونوں میں یکتا ہیں
کہ جیسے لعل اپنے ظاہر و باطن میں یکتا ہے

کمالِ بندگی جس کی اطاعت میں ہے پوشیدہ
وہ سر چڑھتا ہے جو اس در پہ اپنا سر جھکاتا ہے

لگایا ایک نقطہ دل پہ اور سب کچھ بتا ڈالا
قیامت تک نہ بھولیں گے سبق ایسا پڑھایا ہے

رکھی جب قلب پہ انگلی تو مُردہ دل تڑپ اُٹھا
فنا کیونکر ہو جب آبِ حیات ایسا پلایا ہے

ہوا منور چہرہ قلبِ روشن سے کرن پھوٹی
چھپا جو ماہِ تاباں، مہر سینے سے چمکتا ہے

ہزاروں رنگ دیکھے اس جہاں میں اور دیکھیں گے
مگر مرشد کا میرے رنگ ان سب سے نرالا ہے

بسی ہے جن کی آنکھوں میں شریعت بھی طریقت بھی
وہ ہے زوّار پیارا عاشقِ دیدار مولا ہے

الٰہی ان پہ اپنی رحمتوں کی انتہا کر دے
بشیرِ بے نوا کو جس نے یہ رستہ دکھایا ہے

(۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء)

حضرت شاہ صاحبؒ کی فقہی بصیرت

(از بیاض جناب ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب فاضل دیوبند)

اتباعِ شریعت کے ذوق نے حضرت شاہ صاحبؒ کو علمِ فقہ کی جانب مائل کیا کیونکہ مسائل علمِ فقہ ہی سے معلوم ہوتے ہیں اسی لئے آپ نے عمدۃ الفقہ تصنیف فرمائی جس میں مسائل کو بڑی تفصیل اور انتہائی احتیاط کے ساتھ تحریر کیا۔ عمدۃ الفقہ کی تصنیف کی وجہ سے آپ کو فقہ کے جزئی مسائل اتنے مستحضر ہیں کہ عام طور سے علماء اور مفتیانِ کرام کو اتنے مسائل مستحضر نہیں ہوتے۔ اور اس تصنیف کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کو فقہ میں اتنی محققانہ بصیرت پیدا ہو گئی ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں تحقیق کے بعد جو رائے قائم کرتے ہیں وہ مستقل رائے ہوتی ہے اور بلا دلیل کسی عالم یا مفتی کے اس کے خلاف کہنے سے اپنی رائے نہیں بدلتے اور دوسروں کے دلائل سامنے آئیں تب بھی اس وقت تک اپنی رائے پر قائم رہتے ہیں جب تک کہ وہ مخالف دلائل سے مطمئن نہ ہو جائیں۔

ہوائی جہاز کے حاجیوں کا احرام:۔

جب یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ جو شخص بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان سے حج کے لئے جائے تو اسے جدہ پہنچ کر احرام باندھنا چاہئے یا احرام باندھ کر ہوائی جہاز میں سوار ہونا چاہئے۔ تو اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے یہ تھی کہ احرام یہیں سے باندھنا واجب ہے کیونکہ جدہ پہنچنے سے پہلے ہوائی جہاز ایک میقات (قرن المنازل) سے گذرتا ہے اور احرام کے بغیر تجاوز جائز نہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے یہ تھی کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں دونوں حضرات کے مضامین ماہنامہ "بینات" کراچی میں شائع ہوئے اور حضرت شاہ صاحبؒ ابتک اپنی رائے پر قائم ہیں۔

ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنا:۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمتِ عالی میں بعد مغرب حاضر ہوا۔ پہلے تو ایک فقہی مسئلہ سے متعلق کتابیں دیکھنا شروع کیں۔ اس اثناء میں حاجی محمد حسین کاپڑیا صاحب آ گئے۔ حضرت ان سے گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ پھر میں بھی اس مسئلہ سے فارغ ہو کر حضرت کی گفتگو سننے لگا۔ کاپڑیا صاحب نے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ کے پاس ایک باران کی اہلیہ یا والد کی تعزیت کے لئے گیا۔ وہاں یہی مسئلہ زیرِ بحث آ گیا۔ مولانا تھانویؒ نے غالباً بوادر النوادر میں لکھا ہے

کہ ہوائی جہاز میں نماز جائز نہیں کیونکہ سجدہ یا تو زمین پر ہونا چاہیئے یا تخت، سواری یا پانی وغیرہ ایسی چیز پر جو زمین پر قائم ہو اور ہوائی جہاز زمین پر قائم نہیں۔ اسی بنا پر نہ مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم ہوائی جہاز پر نماز پڑھنے کے قائل تھے اور نہ مولانا بنوریؒ قائل ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مفتی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ پڑھ لینا چاہیئے اور بعد میں اعادہ کرنا چاہیئے اور مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ پڑھنا ہی نہ چاہیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری زبان بھی کھل گئی۔ میں نے کہا کہ اگر سجدہ کے لئے زمین ہی بلاواسطہ یا بالواسطہ ضروری ہے تو جس طرح پانی کا جہاز زمین پر پانی کے واسطے سے قائم ہے اسی طرح ہوائی جہاز زمین پر ہوا کے واسطے سے قائم ہے (اگر یہ کہا جائے کہ ہوائی جہاز قائم نہیں کیونکہ وہ مسلسل پرواز کرتا رہتا ہے اور ہوا بھی زمین پر قائم نہیں اِدھر سے اُدھر چلتی رہتی ہے تو کہا جائے گا کہ پانی کا جہاز بھی پانی پر قائم نہیں اور پانی بھی خصوصاً سمندر کا پانی زمین پر قائم نہیں متحرک رہتا ہے۔ لہٰذا دونوں کی کیفیت یکساں ہے۔ اور ہیلی کوپٹر تو ایک جگہ ٹھہر بھی جاتا ہے (البتہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ پانی کے جہاز کا انجن بند کردو تو بھی وہ پانی پر قائم رہتا ہے لیکن ہوائی جہاز کا انجن بند کردو تو وہ زمین پر گر پڑے گا۔ راقم) لہٰذا جو حکم پانی کے جہاز کا ہے وہی ہوائی جہاز کا ہونا چاہیئے۔ اور ہوائی جہاز کے زمین پر ہوا کے توسط سے قائم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بلندی پر جہاں بعض اوقات ہوا نہیں ہوتی ایر پاکیٹ (Air pocket) آجاتا ہے وہاں ایک دم ہوائی جہاز نیچے ہوا کی جگہ تک آجاتا ہے۔

پھر یہ کہ سجدہ کے لئے زمین ہی کیوں ضروری ہے۔ تخلیقِ آدمؑ کے وقت فرمایا گیا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (صٓ آیت ۷۳) (پھر سجدہ کیا سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر) ان میں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے بھی شامل تھے کیا زمین کے بغیر ان کا سجدہ نہیں ہوا۔ نیز فرمایا گیا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور آیت ۴۱) (کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے۔) تو کیا پرندے اور من فی السمٰوات کا زمین نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ نہیں ہوتا؟ — حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے محسوس کیا کہ میری گفتگو سے مولانا بنوریؒ کے چہرہ پر کچھ تغیر ہوا، چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ بعد میں مجھے افسوس بھی ہوا کہ علماء کے سامنے میں نے زبان کیوں کھولی [۱]

---

[۱] یہ عاجز محمد اعلیٰ بھی اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ کے ہمراہ تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت مولانا بنوری علیہ الرحمہ کے داماد مولانا طاسین صاحب بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے، مولانا طاسین صاحب نے حضرت مولانا بنوریؒ کی رائے کے خلاف حضرت شاہ صاحبؒ کی پُرزور تائید کی۔

کاپڑیا صاحب نے دریافت کیا کہ کیا آپؒ ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے ہیں اور اعادہ نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ پڑھتا ہوں اور اعادہ بھی نہیں کرتا کیونکہ ہماری تو ہر نماز ایسی ہوتی ہے جس کا اعادہ کیا جائے اب کس کس نماز کا اعادہ کریں اور ہمارے اندر تقویٰ کی وہ کیفیت بھی نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی طرح بنیں جنھوں نے محض ایک ادب چھوٹ جانے کی وجہ سے چالیس سال کی نمازوں کا اعادہ کیا۔

فقاہتِ نفس | کاپڑیا صاحب نے حضرت قاری فتح محمد صاحب کے واقعہ کا ذکر کیا کہ وہ طواف کے دوران خود بھی جو کنکریاں محسوس ہوتی ہیں پیروں سے اٹھاتے ہیں اور دوسروں سے بھی اٹھانے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بتایا کہ قاری صاحب نے ایک مرتبہ تین بار سعی کا اعادہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قاری صاحب صوفی بھی ہیں عالم بھی ہیں لیکن ان کی یہ باتیں فقاہتِ نفس کی کمی کی علامات ہیں۔ اگر وہ پہلے مسئلے کی تحقیق کر لیتے تو انھیں تین بار سعی کی مشقت نہ برداشت کرنی پڑتی۔ اسی طرح کنکریاں اٹھانا یا اٹھانے کا دوسروں کو حکم دینا یہ بھی فقاہتِ نفس کے خلاف ہے۔ کنکریاں اٹھانا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور اس سے فرض میں خلل واقع ہوتا ہے۔ پھر اس ہجوم میں کنکریاں اٹھانے کے لئے رُکنا بعض اوقات اپنے آپ کو گرانے اور ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسائل جان لینا یہ فقاہتِ نفس نہیں بلکہ محل اور موقع کے لحاظ سے مسائل پر عمل کرنا یہ فقاہتِ نفس ہے۔ نیز فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کی سوانح میں میں نے پڑھا ہے کہ ایک سفر کے موقع پر تنگ وقت میں امام صاحبؒ کو فجر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا اور انھوں نے امام ابو یوسفؒ کو امامت کے لئے بڑھایا۔ امام ابو یوسفؒ کو تردد ہوا کہ مسنون قرأت اور سنن و مستحبات کے ساتھ نماز پڑھاتا ہوں تو وقت میں اتنی گنجائش نہیں اور اگر جلدی جلدی پڑھاتا ہوں تو امام صاحب کہیں ناراض نہ ہوں کہ یہ کیسی نماز پڑھائی۔ میں نے جلدی جلدی ہی نماز ختم کی اور سنن و مستحبات کا لحاظ نہیں رکھا۔ فراغت کے بعد امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ صار یعقوب (امام ابو یوسفؒ کا نام، اور وہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں نہیں ہیں) فقیہا (یعقوب فقیہ ہو گیا)۔ تو یہ فقاہتِ نفس ہے کہ کس موقع پر کس طرح عمل کیا جائے۔

(راقم الحروف کہتا ہے کہ ایک اور موقع پر ایسا ہی ہوا کہ ایک کنوئیں سے وضو کر کے لوگوں نے جمعہ کی نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی پرندے کے اس میں گر کر مر جانے کی وجہ سے ناپاک تھا تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: اذاً ناخذ بقول اخواننا المالکیین اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا

نمازِ جمعہ کے لئے جامع مسجد شرط ہے:-

۲۷ر فروری ۱۹۷۶ء آج جمعہ کا دن ہے۔ اعلان ہوا ہے کہ جمعہ کی نماز مسجد نبوی کے امام صاحب مولانا عبدالعزیز بن صالح کوچنگ سینٹر کے میدان میں پڑھائیں گے۔ صبح ساڑھے نو بجے امام صاحب مدرسہ بنوری ٹاؤن میں مدعو تھے۔ میں بھی جامع مسجد بنوری ٹاؤن پہنچ گیا، وہاں حضرت شاہ صاحب بھی موجود تھے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد مسجد میں امام صاحب کی تقریر ہوئی۔ تقریر کے بعد جب لوگ متفرق ہوئے تو مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب سے دو تین آدمیوں کی موجودگی میں دورانِ گفتگو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جامع ضروری ہے جہاں جمعہ پہلے سے ہوتا ہو، یا اگر کسی مسجد میں ابتدا کی جائے تو یہ ارادہ ہو کہ اب یہاں ہمیشہ جمعہ ہونا رہے گا، میدان میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ جب رخصت ہونے لگے تو مجھ سے فرمایا کہ آپ کہاں جائیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ جمعہ پڑھ کر پھر گھر جاؤں گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے گھر پہنچے تو حضرت شاہ صاحبؒ شامی نکال کر لائے اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا فتوی بھی لائے کہ میدان میں جمعہ جائز نہیں۔ فرمایا کہ جب یہ مسئلہ مجھے معلوم نہ تھا اس وقت میں نے بھی مولانا عبدالمالک صاحبؒ پسونڈے والے کے ساتھ میدان میں جمعہ پڑھا ہے، ایک جگہ اجتماع تھا، جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تو مولانا عبدالمالک صاحبؒ نے فرمایا کہ یہیں جمعہ کی جماعت کرلیں۔ چنانچہ وہیں جماعت کی گئی اور اس میں علماء بھی موجود تھے —— مزید فرمایا کہ اس واقعہ کے ایک عرصہ بعد مجھ سے مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی کے بہنوئی پروفیسر عبدالمغنی صاحب نے کسی جگہ کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ہم نے میدان میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے اختلاف کیا لیکن میں نے جلدی سے اذان دیدی اور پھر لوگوں نے وہیں جمعہ کی نماز پڑھی۔ یہ واقعہ سن کر میں نے کہا کہ آپ نے وہ کام کیا جو جائز نہیں۔ یہ بات پروفیسر عبدالمغنی صاحب نے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری علیہ الرحمۃ کے خلیفہ و سجادہ نشین حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سے کہدی۔ وہ بہت خفا ہوئے کہ انھوں نے یہ بات کیسے کہدی۔ اس جماعت میں تو علماء بھی موجود تھے۔ اتفاق سے مولانا عبدالعزیز صاحب کراچی میں بنوری ٹاؤن کے مدرسہ میں آئے ہوئے تھے میں بھی اُن سے ملنے چلا گیا۔ مولانا موصوف مجھ پر بہت بگڑے کہ تم نے یہ کیسے کہدیا کہ میدان میں جمعہ جائز نہیں حالانکہ اس میں علماء بھی موجود تھے۔ جبتک وہ خفا ہوتے رہے میں گردن جھکائے سنتا رہا۔ جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے کہا کہ مسئلہ یہی ہے جو میں کہتا ہوں۔

فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ہمارے ہم وطن ہیں، کرنال کی تحصیل تھا نیسر ہی میں ان کا گاؤں بھی ہے اور ہمارا گاؤں بھی۔ اسی لئے ان سے قدیم واقفیت ہے اور پاکستان بننے کے بعد واقفیت زیادہ بڑھی کیونکہ لاہور میں صوفی عبدالحمید صاحب کے یہاں مولانا کا بھی قیام ہوتا تھا اور میرا بھی۔ اور وہاں کبھی کبھی دونوں جمع ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی مسئلہ پر میرا اور ان کا اختلاف ہو گیا۔ بحث میں طول اور تلخی ہو گئی، نہ وہ چپ ہوتے تھے اور نہ میں۔ صوفی عبدالحمید صاحب کبھی ان سے اور کبھی مجھ سے کہتے کہ آپ ہی چپ ہو جائیے۔ اسوقت سے مجھے اندازہ ہے کہ مولانا موصوف غصہ میں مغلوب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد سے میں نے یہ عادت بنالی کہ جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو میں چُپ رہتا ہوں، ویسے بھی وہ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔

ایضاً

اسی طرح جب ۱۹۷۶ء میں حرم مدینہ وحرم مکہ کے ائمہ اور شاہ خالد پاکستان تشریف لائے اور میدان میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جمعہ کے لئے مسجد جامع شرط ہے کہ یا تو اس میں پہلے سے جمعہ ہوتا ہو یا جب شروع کیا جائے تو اس مسجد میں جمعہ جاری رکھا جائے۔ میدان میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ اس سلسلہ میں حاجی محمد حسین کاپڑیا صاحب نے بذریعہ فون مولانا محمد تقی صاحب سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے معلوم کی تو انھوں نے فون پر جواب دیا کہ میدان میں نمازِ جمعہ کی گنجائش ہے۔ خود میں نے مفتی ولی حسن صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی فرمایا کہ گنجائش ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر گنجائش ہے تو یہ بتایا جائے کہ یہ گنجائش کس جزئیہ یا کس کلیہ سے معلوم ہوئی، صرف گنجائش ہے کہہ دینا کافی نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ منیٰ میں صرف مسجدِ خیف میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے جس میں مشکل سے اطراف کے آدمی ملا کر زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار آدمیوں کی گنجائش ہو سکتی ہے جبکہ منیٰ میں کئی لاکھ حاجی ہوتے ہیں۔ اگر میدان میں جمعہ کی نماز جائز ہوتی تو یقیناً منیٰ کے میدان یا کئی میدانوں میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی اور کبھی تو پڑھی گئی ہوتی۔" میں نے مولانا منتخب الحق صاحب سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے بھی فرمایا کہ گنجائش ہے لیکن جب میں نے کہا کہ حضرت شاہ صاحبؒ منیٰ کے عمل سے بھی استشہاد کرتے ہیں تو فرمایا کہ واقعۃً اس پر مزید غور کی ضرورت ہے کیونکہ منیٰ کا متوارث عمل جب سامنے ہے تو اس کے خلاف اگر کوئی صریح جزئیہ ہو تو وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔

تسمیہ سورۃ کا جزء نہیں :-

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ تسمیہ کو سورۃ کا جزء نہیں مانتے، اس کے باوجود اس کے پڑھنے کے استحباب کے قائل ہیں۔ جہری نمازوں میں بھی تسمیہ آہستہ پڑھنا مستحب ہے لیکن امام عاصمؒ جن کی روایت کے مطابق ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں تسمیہ بھی جہر سے ہونا چاہیے اب اگر جہر سے ہو تو وہ سورۃ کا جزء ہوگا اور یہ امام اعظمؒ کے مسلک کے خلاف ہے جن کے ہم مقلد ہیں اس لئے ہم اس مسئلہ میں فقہی مسئلہ کو قرأتِ قرآن کے روایتی مسئلہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

فقہی نزاکت :-

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہا ان نزاکتوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک مسئلہ ہے کہ اگر وقت اتنا تنگ ہو کہ عصر کی نماز پڑھتا ہے تو وقوفِ عرفات فوت ہوتا ہے اور اگر وقوف کے لئے جلدی کرتا ہے تو نماز فوت ہوتی ہے، ایسی صورت میں کیا کرے؟۔ اس مسئلہ میں فقہا دونوں جانب گئے ہیں۔ لیکن بعض باریک بین فقہا نے دونوں کو اس طرح جمع کر دیا کہ چلتا جائے اور اشارے سے نماز پڑھتا جائے ——

فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فقہا اپنی رائے سے کہتے رہتے ہیں۔ آخر اپنی رائے سے نہ کہیں تو ہر مسئلہ میں قرآن وحدیث کہاں سے لائیں۔ جو چیز قرآن وحدیث میں وارد ہوگی وہاں تو رائے کو دخل نہیں لیکن جہاں قرآن وحدیث ساکت ہوں وہاں رائے نہ ہوگی تو کیا ہوگا۔ جو اعتراض کرتے ہیں رائے سے وہ بھی بہت سی باتوں میں رائے رکھتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انھیں اپنی رائے پر اعتماد ہوتا ہے اور ہم صاحب الرائے کی رائے پر اعتماد کرتے ہیں، ذاہب الرائے کی رائے پر اعتماد نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص مقدمہ میں پھنس جاتا ہے تو خود پیروی نہیں کرتا وکیل کے مشورہ پر عمل کرتا ہے، اسی طرح ہم صاحب الرائے فقہا کی بات پر عمل کرتے ہیں۔

اجتماعی اذانیں :-

ایک بار حاضر خدمت ہوا، بھٹو کی حکومت کے خلاف پاکستان قومی اتحاد کا جو ایجی ٹیشن جاری ہے اس سلسلہ کی ایک کڑی اذانیں بھی ہیں جو مسجدوں اور مکانوں سے مختلف شہروں میں دی جا رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان اذانوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ —— حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اذانیں کئی مواقع پر مسنون ہیں جن کی تفصیل عمدۃ الفقہ اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ میں اور مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں موجود ہے۔ اور اسی وقت عمدۃ الفقہ اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوے نکال کر دکھائے۔ اور فرمایا کہ موجودہ صورت حال میں اذانوں کو مسنون تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ان کے مباح ہونے سے بھی انکار نہیں

کیا جا سکتا۔ البتہ اس کا اہتمام کرلینا چاہیئے کہ اس سے لوگوں کو ایذا نہ ہو کہ لوگ سو بھی نہ سکیں۔ مثلاً ایسا وقت مقرر کرلینا چاہیئے جو سونے کا وقت نہ ہو اور سب جگہ اسی وقت اذانیں ہوں۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتاوی سے اس طرح کے مواقع پر اذان کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں پانی پت کے بارش کے واقعہ کا بھی ذکر فرمایا کہ بارش کی کثرت کی وجہ سے حضرت خواجہ محمد سعید صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے اذانوں کا حکم دیا تھا چنانچہ میں نے اذان شروع کی اور اس کی آواز سن کر پورے شہر میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بارش رک گئی۔ فرمایا کہ یہ واقعہ ہم نے حیاتِ سعیدیہ میں بھی لکھا ہے۔

نوافل کی جماعت :۔

میں نے ایک مسئلہ دریافت کیا "اگر تراویح کی یہ شکل ہو کہ ایک حافظ بارہ رکعت میں سوا پارہ پڑھ دے اور باقی آٹھ رکعت میں سورہ تراویح پڑھے اور سامع ان آٹھ رکعتوں میں شامل نہ ہوں۔ پھر سامع تراویح کی نیت سے آٹھ رکعتیں پڑھے اور ان میں وہ سوا پارہ پڑھے اور جو لوگ اس کے ساتھ شامل ہونا چاہیں وہ نفل کی نیت سے شامل ہو جائیں تو کیا یہ جائز ہے اور کیا اس طرح تراویح کی جماعت ثانیہ جائز ہوگی۔ فرمایا کہ یہ صورت بھی جائز ہے اور جماعتِ ثانیہ بھی جائز ہے۔ جماعت ثانیہ صرف فرض کی مکروہ ہے۔

——— فرمایا کہ نفل نماز کی جماعت مکروہ ہے تاکہ اہتمام میں فرض سے تشبہ نہ ہو لیکن اگر یہ صورت ہو کہ ایک شخص نفل کی نیت باندھ کر کھڑا ہوا اور ایک یا دو شخص نے اس کی اقتدا کرلی پھر دوسرے لوگ آتے گئے اور اس کی اقتدا کرتے گئے تو نفل کی اس طرح کی جماعت عدم اہتمام کی وجہ سے مکروہ نہیں۔

حج کے مہینوں میں مکی کا عمرہ :۔

۳ ۱۲/۹ ۶۹ء آج بقر عید کا دوسرا روز تھا، جمعہ کی نماز ناظم آباد ۳ء گول مارکیٹ کی مسجد میں پڑھی اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان پر بیٹھے۔ حج کے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی جو میں نے حضرتؒ کے سامنے پیش کیا تھا کہ "اگر کوئی مکی اشہر حج میں میقات سے باہر جائے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آئے اور پھر اسی سال حج کرے تو کیا اس کا یہ عمرہ اور حج "تمتع شمار کیا جائے گا اور چونکہ تمتع مکی کے لئے مشروع نہیں اس لئے کیا اس پر دمِ جنایت یا جبر لازم ہوگا ؟"۔ مختلف فقہ کی کتابیں دیکھی گئیں اور معلوم ہوا کہ اگر مکی احرام باندھنے کے ارادہ سے نہیں گیا بلکہ کسی اور ارادہ سے گیا ہے مثلاً زیارت کے قصد سے مدینہ منورہ گیا تو اس کا یہ عمرہ نہ تمتع کا عمرہ شمار ہوگا، نہ وہ متمتع ہوگا اور نہ اس پر جبر یا جنایت کا دم آئے گا ——— اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ عمدۃ الفقہ کتاب الحج کا مسودہ حاجی صاحب کے پاس ہے اس میں دیکھیں کہ میں نے کیا لکھا ہے چنانچہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے مکان پر آئے اور مسودہ دیکھا اس میں مسئلہ یوں ہی تھا۔ پھر مسودہ کے بعض حصوں پر نظر ثانی کی گئی۔

کشف و کرامات

(از بیاض ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب فاضلِ دیوبند)

حضرت شاہ صاحبؒ کی بصیرت

بروز اتوار ۵ ۸۲ء - حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں وقت کے گذرنے اور حالات پر غور کرنے کے ساتھ عقیدت بڑھتی جا رہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے عموماً ان کی امت دعوت نے یہی کہا تھا کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم آیت ۱۰) (تم محض ایک آدمی ہو جیسے ہم ہیں)۔ اور بعض انبیاء علیہم السلام نے یہ جواب دیا تھا کہ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (ابراہیم آیت ۱۱) (ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمائے)۔ کچھ اس طرح کا احساس حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں ہوتا جا رہا ہے کہ یہ ہم جیسے تو ہیں لیکن اُن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اپنی زبان سے کبھی اپنی کرامت، اپنے کشف اور اپنے مرتبہ کا اظہار نہیں فرماتے بلکہ نفی کرتے ہیں، اور حالات و معاملات عجیب قسم کے ہیں۔ میں نے بارہا یہ تجربہ کیا ہے کہ مجلس میں ختم شریف پڑھا جا رہا ہے حضرت شاہ صاحبؒ کی نظریں نیچی ہیں اور میں نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا اور ابھی دیکھتے ہوئے چند سیکنڈ بھی نہ ہوئے تھے کہ حضرت کی نظریں میری طرف اُٹھ گئیں۔ ایسا ایک دو بار نہیں بلکہ بے شمار مرتبہ ہوا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو میں نے قصداً آزمانے کے لئے ایسا کیا کہ آخر کیا بات ہے کیا انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں میری طرف غور سے دیکھ رہا ہے اور ہر مرتبہ یہی تجربہ ہوا کہ صرف چند سیکنڈ کی دیر ہوتی تھی کہ آپ کی نظریں میری جانب اُٹھ جاتی تھیں۔

ہمارے دل کی باتوں کا از خود جواب دینا

بارہا ایسا بھی ہوا کہ ہم یہ سوچ کر گئے کہ فلاں بات پوچھیں گے اور ذکر کئے بغیر حضرت شاہ صاحبؒ نے گفتگو کے دوران اس کا جواب دیدیا۔ ایک مرتبہ مولانا سراج احمد صاحب کو پہلی بار لیکر حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس صوفی صاحب کے مکان پر گیا۔ وہ چند سوالات ذہن میں لیکر گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے گفتگو شروع فرمائی اور دورانِ گفتگو اُن تمام سوالات کے جوابات دیدیئے۔ مولانا سراج صاحب نے بعد میں یہ بات مجھ کو بتائی۔ مولانا سراج صاحب اس بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسی مجلس میں بیعت

ہو گئے۔ حالانکہ بیعت کا پہلے سے کوئی پروگرام نہ تھا لیکن مولانا سراج صاحب کی وابستگی قائم نہ رہی۔

حلقوم کا مونڈنا مضرِ صحت ہے۔ اور نماز میں آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک طبی رسالے میں میں نے پڑھا تھا کہ ڈاڑھی کے نیچے کے حصہ کے یعنی حلق کے حصہ کے بال مونڈنے سے اور حلق کے حصہ پر استرا چلانے سے حلق کی کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ بات حضرت نے میرے بارے میں فرمائی ہے کیونکہ میں تقریباً دو ماہ سے نیچے کے حصے کے بال مونڈنے لگا تھا ـــــ ایک بار اور بھی فرمایا تھا کہ لوگ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنے میں شرعی طریقہ کا لحاظ نہیں کرتے کہ بحالتِ قیام نظر سجدہ گاہ پر ہو۔ اور یہ میری عادت تھی کہ آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا تھا۔ اور اس طرح نام لئے بغیر لوگوں کی کوتاہیوں پر تنبیہ کرنا حضرت کی عام عادت تھی۔

دل کی بات پر آگاہی

ڈاکٹر عابد علی خاں صاحب نے فرمایا کہ میں ایک بار حضرت صوفی صاحبؒ کے مکان واقع سوسائٹی میں تھا میرے دل میں زکوٰۃ کے بعض مسائل کے بارے میں خیال آیا حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی گفتگو کے دوران زکوٰۃ کے مسائل بیان کرنے شروع کر دیئے۔

ایضاً

میں نے پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ داخل کیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے یہ رپورٹ بھیجی کہ میں جب تک وائے وا نہ لیلوں نہ اس مقالہ کو قبول کرتا ہوں نہ رد۔ میں پریشان تھا۔ بالآخر وائے کی تاریخ مقرر ہوئی، میں نے مقالہ کے سلسلہ میں تو تیاری کم کی اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی ان تحقیقات کی تیاری زیادہ کی جو خلافِ شرع ہیں اور یہ سوچا کہ ان کے ہاتھوں ڈگری تو مجھے ملنے سے رہی، اگر انھوں نے الٹی سیدھی باتیں کیں تو وائے وا میں ان کی اچھی طرح خبر لوں گا۔ جس صبح کو وائے وا تھا اس کی رات کو بعد مغرب حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں گیا اور چونکہ یہ بھی قدرتی خواہش تھی کہ وائے وا ٹھیک ہو جائے اور مجھے ڈگری مل جائے اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس گیا ہی اس ارادہ سے تھا کہ کوئی دعا بتادیں چنانچہ حضرت سے میں نے یہ ذکر تو کیا کہ صبح وائے وا ہے اور میں پریشان ہوں لیکن دعا یا تعویذ کی درخواست زبان پر نہ لایا کیونکہ مزاج جانتا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ان چیزوں سے حتی الوسع اجتناب کرتے ہیں۔ عشا کی نماز سے پہلے رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ عشا کی نماز پڑھ کر چلے جانا۔ نماز کے بعد فرمایا کہ ذرا اور ٹھہریں میں تعویذ لکھ دوں اسے باندھ کر وائے وا میں چلے جانا۔ چنانچہ عمدۃ السلوک کھولی اور اس میں سے ایک تعویذ لکھ کر دیا (یہ تعویذ عمدۃ السلوک کے چوتھے ایڈیشن میں نمبر ۲۷ پر درج ہے)

ہیں تعویذ باندھ کر گیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کو باندھ دیا ہو۔ مقالہ اور میری محنت کی چند الفاظ میں تعریف کی اور چند منٹ ہی میں مصافحہ کرتے ہوئے مبارکباد دیدی۔ میرے رخصت ہو جانے کے بعد ڈاکٹر یوسف صاحب نے جو مقالہ کے نگران تھے بتایا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے موافقت میں رپورٹ لکھی لیکن موافقت کے بعد لفظ But لکھ کر کچھ اور لکھنا چاہا تو ڈاکٹر یوسف نے انھیں روک دیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب اب لفظ But کا موقع نہیں۔ آپ چاہیں تو اس مقالہ کو بالکل رد کر دیں اور چاہیں تو قبول کر لیں چنانچہ انھوں نے But کو کاٹ دیا اور رپورٹ کو موافقت پر ختم کر دیا۔

ایضاً

ڈاکٹر خان رشید صاحب نے بیان کیا کہ میں ایک بار ڈاکٹر گاندھی صاحب کو لیکر ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب کے مکان پر پیر کالونی گیا وہاں سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب مارٹن کوارٹرز میں حضرت صوفی صاحبؒ کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ ہم پتہ پوچھ کر وہاں پہنچے حضرت شاہ صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان حضرات سے ہماری یہ پہلی ملاقات تھی۔ مغرب کی نماز اور پھر عشا کی نماز بھی انہی کے ساتھ پڑھی۔ وتر میں میں دعائے قنوت بھول گیا۔ عشا کے بعد پھر تھوڑی دیر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی گفتگو کے دوران اس کا ذکر بھی کیا کہ بعض لوگوں کو دعائے قنوت یاد نہیں ہوتی وہ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ اور کوئی تو کیا سمجھتا میں سمجھ رہا تھا کہ یہ میرے متعلق ہے۔ اس کے بعد ان حضرات سے مسلسل ربط قائم ہو گیا۔

ایضاً

ایک مرتبہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ دوسرے تو کیا خود میں نے بھی بارہا تجربہ کیا ہے کہ ہم ایک بات دل میں لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور آپ نے اظہار کے بغیر دوران گفتگو خود بخود اس کا جواب اس طرح دیدیا کہ جس کے دل کی بات تھی وہ تو سمجھ گیا دوسرے لوگ اسے نہ سمجھے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے مجھے تو نہیں معلوم ہوتا کہ کس کے دل میں کیا ہے، اب اگر میری زبان سے وہی بات نکل جاتی ہے جو کسی کے دل میں ہو تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔

ایضاً

حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کے مکان واقع سوسائٹی میں ہم بیٹھے ہوئے تھے اس کے دوسرے روز حضرت شاہ صاحبؒ واپس خیر پور ٹامیوالی تشریف لے جانے والے تھے۔ عمدۃ الفقہ کی پہلی یا دوسری جلد لکھی جا رہی تھی۔ اس کا کتابت شدہ ایک جزء (۱۶ صفحات) مع مسودہ کے نمعلوم کہاں غائب ہو گیا

حضرت شاہ صاحبؒ اس کا ذکر فرما رہے تھے اور اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب لکھ لکھ کر الماری کے اوپر رکھتے جاتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ الماری کے پیچھے گر گیا ہو معلوم حاجی صاحب نے الماری کے پیچھے تلاش کیا یا نہیں۔ اس گفتگو کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اُٹھ کر زنانہ دروازہ کے پاس چلے گئے اس لئے کہ میں اپنی اہلیہ کو مرید کرانے لایا تھا انھیں باہر سے پردہ کے ساتھ مرید فرمانے لگے۔ اتنے میں حاجی محمد اعلیٰ صاحب تشریف لے آئے۔ اُن کے ہاتھ میں کتابت شدہ جز تھا۔ میں نے پوچھا جو جز گم ہو گیا تھا وہ مل گیا جواب دیا ہاں۔ میں نے کہا کہ الماری کے پیچھے سے ملا ہو گا۔ بولے ہاں لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ مجھے کشف ہوتا ہے۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔

اپنے کام سے کام

۱۷ اپریل ء آج بروز جمعرات حضرت شاہ صاحبؒ کے نئے مکان کی چھت پر حلقہ ہوا۔ ایک نوجوان میرے قریب بیٹھے تھے وہ ختم شریف پڑھے جانے کے دوران پہلو بدل رہے تھے۔ کبھی کبھی آگے یا پیچھے کی طرف اس طرح گرتے تھے جیسے اونگھنے والا گرتا ہے۔ میں ان سے ذرا سرک جاتا تھا تو وہ پھر میرے قریب آجاتے تھے۔ میں نے سوچا کہ آج یہ مراقبہ کے دوران چیخیں چلائیں گے اور میرا بھی مراقبہ خراب کریں گے۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی زور سے آواز نکالتا ہے تو سوائے ایک دو آدمیوں کے جن کی آواز کو میں انتہائی بیقراری کی آواز سمجھتا ہوں مجھے عام طور پر کبیدگی ہوتی ہے کہ جتنا ضبط کرنا چاہئے لوگ اتنا ضبط نہیں کرتے۔ ختم شریف کے بعد دعا سے فارغ ہو کر مراقبہ شروع کرنے سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر ضبط نہ ہو سکے تو آواز نکالنے والا معذور ہے اور زیادہ ضبط کرنے سے نقصان ہوتا ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں ذکرِ خفی ہے چیخنا چلانا نہیں۔ فرمایا اب سب لوگ مراقب ہو جائیں صرف قلب پر توجہ رکھیں اور کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہوں "۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ نصیحت میری اس کبیدگی ہی کی وجہ سے تھی اور ساتھ ہی مجھے بھی یہ نصیحت کی گئی کہ تو اپنے کام سے کام رکھ کسی دوسرے کی طرف کیوں متوجہ ہوتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔

کشف کی حقیقت

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کشف کے درپے ہونا بیکار ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ "کشف را بر کفش زن" فرمایا کہ کشف غیر اختیاری اور غیر دائمی ہوتا ہے ؎

گہے بر تارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کشف شیطانی بھی ہوتا ہے اور رحمانی بھی پھر اگر رحمانی بھی ہو تو ضروری نہیں کہ پوری بات معلوم ہو جائے۔

کشف وکرامات کے متعلق دو ایک واقعات حضرت سید محمد مختار شاہ صاحب کی زبانی بھی ملاحظہ ہوں:۔
آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ٹھسکہ میراں صاحب سے گھی لے کر آؤ اور واپسی پر سالانہ جلسہ پانی پت میں شریک نہ ہوں بلکہ سیدھے دہلی آجائیں۔ عاجز حسب الحکم گھی لیکر دہلی جانے لگا تو خیال آیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے شیخ کے ختم شریف میں شامل ہو جائیں اور یہ عاجز محروم رہے۔ چنانچہ پانی پت کے اسٹیشن پر اتر کر جلسہ میں شریک ہوگیا۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھے دیکھا تو اظہار ناراضگی تو نہ فرمایا البتہ اتنا فرمایا کہ تمہاری وجہ سے مجھے بھی تمہارے ساتھ جانا پڑ گیا۔ چنانچہ علی الصبح ختم شریف چھوڑ کر اس عاجز کے ہمراہ بذریعہ شٹل دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک سانڈ شٹل کے انجن سے ٹکرا گیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔ انجن اور ایک ڈبہ برساتی پل کے نیچے گر گئے اور باقی ڈبے لائن سے اتر گئے حضرت شاہ صاحبؒ شٹل میں بیٹھتے ہی مراقب ہو گئے تھے جب لوگوں نے شور مچایا گاڑی گر گئی ہے تب عاجز نے پھوپھا جی کو ہاتھ لگا کر اشارہ کیا کہ گاڑی گر گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر گاڑی گرتی تو ہم بھی گر جاتے۔ آخر سب لوگ نیچے اتر گئے تو چند ہندو اور سکھ کہنے لگے کہ اس گاڑی میں کوئی دھرماتما آدمی ہے ورنہ گاڑی کی حالت یہ بتا رہی ہے کہ ساری گاڑی الٹ جانی چاہئے تھی۔

(۲) ایک مرتبہ قبلہ پھوپھا صاحب گو لہ تشریف لے جا رہے تھے، عاجز کو حکم دیا کہ ماسٹر گل ریاض صاحب سے میرے کھاتہ میں بیس روپے لے آؤ۔ پھر مجھے روک دیا کہ ذرا ٹھہرو، تقریباً پانچ منٹ توقف فرما کر مراقب رہے بعد ازاں فرمایا جاؤ لے آؤ۔ جب یہ عاجز ماسٹر گل ریاض کے مکان کی طرف گیا تو ماسٹر صاحب راستے میں ہمدرد دواخانے کے قریب مل گئے اور کہنے لگے کہ بیٹا کہاں جا رہے ہو؟ پھر میرے کہنے سے پہلے انھوں نے کہا کہ چونکہ شاہ صاحب گھر جا رہے ہیں اس لئے میں احتیاطاً مبلغ بیس روپے لے آیا ہوں یہ انھیں دیدیں یہ عاجز وہ رقم لیکر گھر اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دی۔

رات کو حضرت شاہ صاحبؒ نے روانہ ہونے سے قبل عاجز سے فرمایا کہ تم یہاں اکیلے ہو اس لئے میں جلدی واپس آجاؤں گا تم احتیاطاً دو تین روپے رکھ لو اور یہ دس روپے کا نوٹ تڑوا لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ رات بہت گذر گئی ہے اس وقت تقریباً ایک بجا ہے یہ نوٹ کہاں سے تڑواؤں۔ آپ نے فرمایا کہ محلے کی پچھلی جانب کوئی دکاندار بیٹھا ہوگا۔ چنانچہ یہ عاجز محلہ کی پچھلی جانب گیا تو صرف ایک دکان کھلی ہوئی تھی اور دکاندار نوٹ گن رہا تھا وہ از خود مجھ سے مخاطب ہوا کہ آپ نوٹ تڑوانا چاہتے ہیں میں نے اثبات میں جواب دیا اور نوٹ دکاندار کے حوالے کیا اور چھوٹے نوٹ حاصل کر کے واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم بہت اچھے آدمی ہو۔

اولادِ امجاد

(از مرتب)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے پسماندگان میں محترمہ اماں جی صاحبہ مدظلہا (یعنی آپ کی اہلیہ محترمہ) اور ایک صاحبزادہ صاحب اور ایک صاحبزادی صاحبہ چھوڑی ہیں۔ دونوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور ماشاء اللہ دونوں صاحبِ اولاد ہیں ـــــ صاحبزادی صاحبہ کی شادی اُن کے ماموں قاضی لطیف حسین مرحوم کے صاحبزادے (سید ذوالفقار حسین صاحب کے چھوٹے بھائی) حافظ محمد اسلم صاحب سے ہوئی ہے اور ان کا قیام خیرپور ٹامیوالی میں ہے۔ ان کا زمینداری کا کام ہے اور اپنے گھر میں خوش ہیں ـــــ

صاحبزادہ صاحب عالی قدر حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بچپن ہی سے بہت نیک اور صالح ہیں۔ عاجز کو اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت صوفی محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ "حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کی دعا کی برکت سے آپ کی ولادت ہوئی ہے اور آپ مادرزاد ولی ہیں" حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان فیض ترجمان سے عاجز نے بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے دریافت فرمایا کہ "شاہ صاحب آپ کے اولاد ہوئی؟" آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حافظ صاحب کی ولادت ہوئی۔ آپ کی ولادت بروز ہفتہ ۱۸ محرم ۱۳۶۰ھ / ۱۵ فروری ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔

حافظ صاحب سلمہ نے پاکستان آنے کے بعد مدرسہ تجوید القرآن ساوی مسجد خیرپور ٹامیوالی میں حافظ محمد محسن صاحب مرحوم سے قرآن شریف حفظ کیا اور شیخ القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مدظلہ العالی سے کراچی میں تجوید و قراءت کی تکمیل کی۔ بعدازاں پرائیویٹ طور پر میٹرک کا امتحان پاس کیا، ریاضی اور عربی میں امتیازی نمبر حاصل کئے۔ ۱۹۶۵ء میں بہاولپور پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ سے الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ اوائل ۱۹۶۶ء میں ٹیلیفون انڈسٹریز آف پاکستان میں ٹیکنیکل اسسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۷۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا اور اسلامک اسٹڈیز میں امتیازی نمبر حاصل کئے۔ ۱۹۷۵ء میں الیکٹریکل انجینئرنگ میں اے ایم آئی کا امتحان مکمل کیا۔ اور اب ماشاء اللہ ٹیلیفون انڈسٹریز میں انجینئر کی حیثیت سے لگے ہوئے ہیں۔ آپ بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل ہیں لیکن تعلیمی دوڑ دھوپ کی وجہ سے سلوک میں جیسا کہ چاہئے تھا حصہ نہ لے سکے حالانکہ جن دنوں آپ میٹرک کی تیاری کر رہے تھے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی مدنی قدس سرہ سے

بیعت کر لی تھی اور کئی سبق بھی لے لئے تھے لیکن تکمیل نہ کر سکے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی رحلت کے بعد آپ نے اپنے ماموں زاد بھائی حضرت سید محمد مختار شاہ صاحب سے جو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خلیفہ ہیں تجدید بیعت کر لی ہے اور اپنی پوری توجہ سلوک کی تکمیل کے لئے وقف کر دی ہے۔

چونکہ آپ کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے اکثر خصوصیات ورثہ میں ملی ہیں مثلاً خاموشی، کم گوئی، گفتگو میں بہت احتیاط سے بات کرنا، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، کتب بینی کا ذوق، کثرت مطالعہ، عربی زبان سے خاص لگاؤ، قوتِ حافظہ وغیرہ، اور مضامین لکھنے کے سلیقہ کا اندازہ ناظرین کو پیش نظر تالیف سے بھی ہو سکتا ہے۔ چند مضامین تو خاص آپ ہی کے قلم سے ہیں۔ باقی تالیفِ ہذا کی ترتیب و تدوین میں زیادہ حصہ آپ ہی کا مرہونِ منت ہے۔ ہمارے محترم ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بقا صاحب نے آپ کے متعلق جو واقعہ اپنی بیاض میں نقل کیا ہے اس سے آپ کی بلند نسبت کا اندازہ ہو سکتا ہے وہو ہذا۔

آج ۲۰ ہ‍ ۱/۲ کی مجلس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "حافظ فضل الرحمٰن صاحب کو جنات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے ہمیں تو کبھی سابقہ پڑا نہیں"۔

"راقم الحروف (مفتی محمد مظہر بقا صاحب) کہتا ہے کہ حافظ فضل الرحمٰن صاحب، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، انٹر سائنس کی تعلیم کے دوران تین سال تک راقم الحروف کے پاس سندھ مدرسہ کے مکان میں رہے۔ اس عرصہ میں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ سب لوگ تالا لگا کر باہر گئے اور جب واپس آئے تو مکان کا تالا اور کواڑ کھلا ہوا پایا ہم نے نسیان پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا۔ ایک روز حافظ صاحب کا بال پوائنٹ گم ہو گیا، بہت تلاش کیا اور سب سے پوچھا کچھ پتہ نہ چلا۔ غالباً تیسرے روز حافظ صاحب کے تکیہ کے نیچے سے اس طرح ملا کہ اس کی ہر چیز کھلی ہوئی تھی۔ میں نے حافظ صاحب سے دریافت کیا کہ کہیں یہ حرکت جنات کی تو نہیں۔ حافظ صاحب اپنے والد کی طرح خاموش مزاج ہیں۔ اصرار کیا تو حافظ صاحب کچھ اچھے موڈ میں تھے، فرمانے لگے مجھے جنات سے سابقہ پڑتا تو رہتا ہے۔ رات کو اگر دیر سے گھر آتا ہوں اور سندھ مدرسہ کے اندرونی کمپاؤنڈ میں سناٹا ہوتا ہے تو بعض مرتبہ دیکھتا ہوں کہ کچھ آدمی دوڑتے ہوئے تالپور ہاؤس کی طرف سے آئے اور میرے سامنے سے گزرتے ہوئے دائیں جانب کی دیوار میں غائب ہو گئے۔

میں نے مزید کریدا تو فرمایا کہ خیرپور ٹامیوالی میں بھی میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک مرتبہ محترمہ اماں جی صاحبہ نے مجھ سے فرمایا کہ دھرم شالہ کے کنوئیں سے ٹھنڈا پانی گھڑے میں لے آؤ۔ میں گیا جب ڈول کھینچنے لگا تو کسی نے پیچھے سے کمر پر ہاتھ مارا۔ میں نے کہا کہ اچھا ڈول کھینچ لوں پھر تجھے بتاتا ہوں اور مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر میں گھڑا کاندھے پر رکھ کر چلا تو کاندھے سے گھڑا غائب ہو گیا

میں حیران ہوگیا کہ گھڑا کہاں گیا چاروں طرف دیکھا کہیں نظر نہ آیا آخر اوپر کی طرف نظر گئی تو دیکھا کہ گھڑا معلق ہے اور جوں جوں میں دیکھتا تھا وہ اوپر جاتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ جنات کی حرکت ہے لہذا میں نے کچھ پڑھنا شروع کردیا تو دیکھا کہ گھڑا کندھے پر واپس آگیا۔"

میں نے عرض کیا کہ آپ نے ان واقعات کا ذکر حضرت شاہ صاحبؒ سے نہیں کیا تو فرمایا کہ کیا ذکر کرتا۔" (حضرت مفتی صاحب کی بیانی کا مضمون یہاں تک تھا)۔

عاجز محمد اعلیٰ عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعات پڑھنے کے بعد عاجز نے بھی حافظ صاحب سلمہ سے جنات کے بارے میں گفتگو کی حسن اتفاق کہ حافظ صاحب بھی موج میں آگئے اور حسب ذیل ۲ دو واقعے بیان فرمائے ساتھ ہی ان کی اشاعت سے منع فرمایا ہے لیکن یہ واقعات لذیذ بھی ہیں اور حیرت انگیز بھی اس لئے پیش کردیئے ہیں۔

فرمایا کہ حضرت صوفی صاحبؒ کے سوسائٹی والے مکان میں جو خاص صوفی صاحب کا کمرہ ہے اُس میں، میں اور قاری ضیاء الدین صاحب سونے کے لئے لیٹ گئے۔ میں تو پڑتے ہی سو گیا۔ کچھ دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ قاری صاحب بیٹھے ہوئے ہیں میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ سونے ہی نہیں دیتے۔ لیکن مجھ سے جنات نے کچھ نہیں کہا اور میں آرام سے سوتا رہا۔ قاری صاحب کو اس سے قبل ایک مرتبہ جنات نے اسی کمرے سے بستر میں لپیٹ کر صحن میں ڈال دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ صوفی صاحب کا کمرہ ہے یہاں کوئی نہیں سو سکتا۔ لہذا قاری صاحب نے ساری رات باہر سردی میں گذاری۔

بعد ازاں حافظ صاحب موصوف نے دوسرا واقعہ یہ سنایا کہ جس زمانے میں میں بہاول پور پولی ٹیکنک میں زیر تعلیم تھا جیر پور ٹامیوالی سے وہاں گیا تو اتفاقاً گاڑی بہت لیٹ ہوگئی اور میں رات کو تقریباً بارہ بجے اسٹیشن سے ہوسٹل روانہ ہوگیا۔ رات کا سناٹا تھا اور راستہ سنسان، میں تنہا چلا جا رہا تھا جب چوراہے کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک دیو ہیکل آدمی بیچ چوک میں کھڑا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لمبا ہونا شروع ہوگیا اور جہاں تک میری نظر نے کام کیا وہ لمبا نظر آیا۔ میں اس وقت خاصا خوف زدہ ہوگیا اور گھبراہٹ میں جو سمجھ میں آیا پڑھنا شروع کردیا۔ ابھی چند لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ وہ غائب ہوگیا اور میں بخیر و عافیت ہوسٹل پہنچ گیا۔

دعا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کے جملہ پسماندگان کو سلامت باکرامت رکھے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم رہے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے خصوصاً حافظ صاحب سلمہ کو اپنے والد صاحب مرحوم کا صحیح معنوں میں جانشین اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

تاثرات وکیفیات

(از حضرت علامہ مولانا محمد صادق صاحب مدظلہ العالی، احمد پور شرقیہ)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ عاجز کے والد صاحب علیہ الرحمہ سے غالباً ۱۹۳۲ء میں بیعت ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ ہر سال چھٹیوں میں احمد پور شرقیہ حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جب احمد پور تشریف لاتے تو آپ حضرت والد صاحبؒ کے ہمراہ مسکین پور بھی حاضری دیتے۔ اور حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کا بھی معمول تھا کہ تبلیغ دین کے لئے سال بھر میں دو مرتبہ ہندوستان کا سفر اختیار فرماتے تھے اور جب ہندوستان تشریف لے جاتے تو دیگر احباب کی طرح حضرت شاہ صاحب کو بھی اپنے پروگرام کی اطلاع دیتے اور سب کے ہمراہ دہلی، پانی پت، کرنال، سرہند شریف وغیرہ تشریف لیجاتے اور مزارات پر حاضری برائے ایصالِ ثواب دیتے اور فیض حاصل کرتے۔ دورہ پورا کر کے حضرت والد صاحبؒ احمد پور شرقیہ واپس تشریف لے آتے اور یہ حضرات بھی اپنی اپنی قیام گاہ پر چلے جاتے۔

اسی زمانے میں بھائی محمد شریف صاحب کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے احمد پور شرقیہ سے مدرسہ امینیہ دہلی بھیجا گیا تو اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ ان کے پاس بکثرت آتے جاتے اور بڑی شفقت و محبت سے ان کے ساتھ پیش آتے اور ہر ممکن درجہ ان کا خیال رکھتے۔

۱۹۳۵ء میں جب جارج پنجم کی سلور جوبلی منائی گئی تو اتفاقاً یہ عاجز اور چچا صاحب مرحوم دونوں دہلی گئے ہوئے تھے چنانچہ اس موقعہ پر شہر دہلی کو چراغاں وغیرہ کے ذریعے بہت سجایا گیا تھا اور حکومت کی طرف سے بڑی خوشیاں منانے کا اہتمام کیا گیا تھا لیکن اس موقع پر اہل ہند کی طرف سے اظہارِ نفرت کے طور پر کہیں کہیں بدامنی کا مظاہرہ کیا گیا اس پر حکومتِ برطانیہ نے قیام امن کی خاطر شب کے اوقات میں کرفیو لگا دیا جس کی وجہ سے ہم پریشان ہو گئے کہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے آخر ہم چند دن کے لئے دہلی سے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب احمد پوری رحمہ اللہ کی خدمت میں بسونڈہ چلے گئے اور جب کرفیو ختم ہوا تو پھر دہلی آگئے اس وقت بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے خوب ملاقاتیں رہیں اور ان کے ہمراہ اکثر اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری کا شرف حاصل ہوا بعد ازاں ہم اپنے وطن احمد پور شرقیہ واپس آگئے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب دہلی سے احمد پور شرقیہ تشریف لائے تو والد صاحب علیہ الرحمہ نے بالاخانہ پر آپ کے قیام کا انتظام کیا اور آپ کا دس پندرہ دن قیام رہا۔ اسی قیام کے دوران

عمدۃ السلوک کی ترتیب و تدوین کے متعلق حضرت والد صاحبؒ نے ہدایات فرمائیں اور کچھ مسودہ بھی تیار کیا گیا لیکن حضرت والد صاحب کی حیات میں کتاب مطبوعہ شکل میں نہ آسکی۔

غالباً ۱۹۴۳ء کی بات ہے کہ حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ نے اس عاجز کو گوہانہ بلایا وہاں میں کئی دن حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کے ہمراہ رہا وہاں سے یہ عاجز دہلی چلا گیا۔ دہلی میں حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی حضرت والد صاحبؒ کی حضرت شاہ صاحبؒ کو عاجز کے متعلق ہدایت تھی کہ جب بھی یہ دہلی آئیں تو ان کو مزارات کی زیارت کرائیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ اور یہ عاجز دونوں صبح سویرے گھر سے چل دیتے جامع مسجد دہلی کے قریب حضرت شاہ احمد سعید، حضرت شاہ غلام علی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہم اللہ کی زیارت کی اور ختم شریف پڑھ کر مراقبہ کرتے پھر ترکمان دروازہ کے باہر حضرات محدثین قدس سرہم یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ اور حضرت سلطان الاولیا نظام الدینؒ، حضرت نصیر الدینؒ چراغ دہلی، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہم اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ غرض کہ تمام دن مزارات پر حاضر ہو کر ایصالِ ثواب اور مراقبہ کرتے رہتے اور مغرب کے وقت گھر واپس آجاتے۔ اسی طرح وہاں جتنے دن بھی قیام رہا جملہ مزارات پر حاضری دیتے رہے اور فیض حاصل کرتے رہے۔

۱۹۴۴ء میں جب حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا تو بھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ والد صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ سفر میں تھے اور علالت کے زمانے میں اور وفات کے وقت بھی حضرت کی خدمت میں موجود تھے اور تدفین میں بھی شریک رہے، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمۃ کے وصال کی اطلاع ملنے پر یہ عاجز اور چچا عزیز محمد صاحب مرحوم دونوں پانی پت پہنچے۔ اول حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی اور مراقبہ کیا۔ وہاں کئی دن قیام رہا اور وہاں کے جملہ مزارات پر خصوصاً حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حاضر ہو کر ایصالِ ثواب اور مراقبہ کیا حضرت قلندر صاحب کی جائے قیام پر بھی حاضر ہوئے اور ان کے گھر کی چیزوں کی بھی زیارت کی۔ قلندر صاحب کے مزار پر ایک تو مسلم مجذوبہ ملتانی صاحبہ رہتی تھیں وہ از خود عاجز کے پاس آئیں اور اپنا تعارف کرایا، ان سے دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ وہ ملتانی صاحبہ پاکستان بننے پر کراچی آگئی تھیں یہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی اور وہ عاجز کو اپنے مکان پر بھی لے گئیں اور دعوت کا اہتمام بھی کیا۔ بعد ازاں پیر الٰہی بخش کالونی میں اپنا مکان خرید لیا تھا وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

پانی پت میں چند دن قیام کر کے یہ عاجز اور چچا صاحب دونوں دہلی پہنچے وہاں حضرت شاہ صاحبؒ کو تلاش کیا۔ شاہ صاحب ایم بی اسکول کابلی گیٹ میں معلم تھے وہاں ملاقات ہوئی۔ وہاں سے ہم تینوں

جامع مسجد گئے وہاں حضرت شاہ کلیم اللہ علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضر ہوکر ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کیا تو وہاں اسقدر سکون حاصل ہوا کہ بیٹھنے کے تھوڑی دیر میں ہی استغراق ہوگیا اور بہت فیض حاصل ہوا۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کوچہ پنڈت میں کئی دن قیام رہا اور دہلی کے جملہ مزارات پر حاضری کا شرف حاصل ہوا خصوصاً حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مزار پر بہت زیادہ حاضری رہی۔

جس مکان میں حضرت شاہ صاحبؒ کا قیام تھا اس کو دیکھ کر عاجز کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ وہ ایک کمرہ تھا جس میں صرف تین چار پائیاں بچھتی تھیں کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ ان کے بھانجے سید ذوالفقار حسین صاحب اور بھتیجے سید محمد مختار صاحب بھی مقیم تھے ایک چارپائی کھڑی کی جاتی تو اس مختصر جگہ ہی میں کھانا پکایا جاتا اور گرمی کے زمانے میں اسی کمرے کو بند کرکے رات گذاری جاتی۔ پھر دہلی کی گرمی اور بجلی کے پنکھے وغیرہ کا بھی کوئی انتظام نہیں اور چارپائیوں میں کھٹملوں کی کثرت بھی قابل ذکر ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی کمرے میں ایک بڑے عرصہ صبر و اطمینان سے بسر کیا حتیٰ کہ دہلی کو خیرباد کہہ کر پاکستان تشریف لے آئے۔

چونکہ حضرت والد صاحب کا پانی پت میں انتقال ہوا تھا اور انھوں نے حضرت قاری عبدالرحمن صاحبؒ پانی پتی کے مزار کے قریب دفن ہونے کو پسند کیا تھا لہٰذا حضرت والد صاحب کی وصیت کے مطابق وہیں دفن کیا گیا اس لئے جماعت کے تمام احباب نے باہم مشورہ کرکے ۱۹۴۵ء میں ایک اجتماع منعقد کیا۔ یہ عاجز اور چچا صاحب دونوں اس میں شرکت کے لئے پانی پت حاضر ہوئے وہاں پانچ چھ روز قیام رہا۔ حاجی عبدالکریمؒ مستری محمد رمضان صاحبان جو بانی اجتماع تھے انھوں نے ہمارے قیام و طعام کا بہت خیال رکھا اور بڑی خاطر و مدارات سے پیش آئے۔ ان دنوں بھی پانی پت کے تمام مزارات پر حاضری کا موقع ملا، نیز سونی پت بھی گئے اور وہاں کا میدانِ جنگ بھی دیکھا۔ پانی پت ایک مرکزی مقام ہے جہاں ہر وقت ریل گاڑیوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس لئے وہاں کی آمد و رفت میں بھی بہت سہولت تھی۔ کاندھلہ اور ضلع مظفر نگر کے رہنے والے حضرات بھی جن کا عاجز کے والد صاحب سے تعلق تھا وہ بھی بُعدِ مسافت طے کرکے اجتماع میں شریک ہوئے تھے اب پاکستان بننے کے بعد وہاں دریا پر پل بن گیا ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو پانی پت آنا جانا بہت آسان ہوگیا ہے۔ وہاں سے جان محمد کاندھلہ والوں نے یہ اطلاع بھی بھجوائی کہ آپ کے والد صاحب کے مزار پر باقاعدہ چراغاں ہوتا ہے اور اس کے گرد پھولدار پودے لگا دیئے گئے ہیں وغیرہ۔ بعد ازاں ہم دونوں پانی پت سے دہلی گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی رفاقت میں دہلی کے جملہ مزارات پر بھی حاضری دی اور ایصال ثواب کیا۔

۱۹۴۶ء کا ایک واقعہ ہے کہ عاجز نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک مکتوب لکھا کہ میرے لئے

کنٹرول ریٹ سے ایک سنگر مشین کپڑے سینے کی خرید لیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے میرے نام سے درخواست دیدی اور کئی ماہ بعد نمبر آنے پر حضرت شاہ صاحب نے خرید کر مجھے اطلاع دیدی۔ اس کے بعد انقلاب برپا ہوگیا۔ جب خط وکتابت اور آمدورفت کا راستہ کھلا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھے لکھا کہ مشین لانے کی اجازت نہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں یہاں فروخت کردوں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ حق تعالیٰ کا کرشمہ دیکھیے کہ جس دن حضرت شاہ صاحبؒ نے دہلی میں وہ مشین ایک ہندو کے ہاتھ فروخت کی اسی دن احمد پور شرقیہ میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے سنگر مشین نئی خریدی تھی اور اب میں اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میں نے وہ خرید لی اور اس طرح اس کا بدل مجھ کو مل گیا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ پاکستان آکر خیرپور ٹامیوالی ضلع بہاولپور میں مقیم ہوگئے۔ حسن اتفاق کہ ۱۹۵۷ء میں یہ عاجز سپرنٹنڈنٹ امتحانات مدرسہ فاضل خیرپور کی حیثیت سے خیرپور ٹامیوالی گیا اور کئی دن حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں قیام رہا پھر یہ سلسلہ چھ سات سال تک جاری رہا۔ ہر سال کئی کئی دن حضرتؒ کے ہاں قیام رہتا اور حضرت شاہ صاحبؒ سے علمی مجلسیں رہتیں اور وہاں کے قرب وجوار کے مزارات پر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی۔ اس زمانے میں اکثر حضرت کے ہاں ایک دو بکریاں ہوتیں لیکن کمال یہ تھا کہ بکریاں گھر میں پیشاب نہیں کرتی تھیں اور عمدہ غذا کی وجہ سے بھینس جیسا دودھ ہوتا تھا۔

غالباً ۱۹۵۰ء میں حضرت شاہ صاحب اور اس عاجز نے ۲۵ ہارس پاور کا ایک انجن خریدا جس سے کئی کام کیے جاتے تھے یعنی کٹی کاٹنا، کپاس بیلنا، نمک مرچ پیسنا، چاول نکالنا اور جننگ مشین وغیرہ یہ اشتراک تقریباً سترہ سال تک رہا لیکن الحمدللہ کہ کوئی معمولی سے معمولی بدمزگی کا موقع پیش نہیں آیا۔ بعد میں اس کو فروخت کردیا گیا۔

۱۹۵۰ء میں یہ عاجز حج کے ارادہ سے کراچی آیا اور پرانے حاجی کیمپ میں اپنا سامان رکھ کر صوفی محمد احمد صاحبؒ کا مکان تلاش کرنے کے لئے نکلا۔ ملاقات ہوجانے پر اُن کے ہاں دو تین یوم قیام کیا اس وقت یہ مشورہ طے پایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو تبلیغ کے لئے کراچی والوں کی طرف سے دعوت دی جائے چنانچہ اس عاجز نے کراچی سے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے مشورہ کے مطابق کراچی میں آمدورفت اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتدا میں حضرت شاہ صاحبؒ صوفی محمد احمد صاحبؒ کے مکان پر قیام فرماتے رہے اور حسب موقع مہینہ ڈیڑھ مہینہ قیام کرکے واپس تشریف لے جاتے رہے، بعد ازاں کراچی میں مستقل پروگرام کے تحت ناظم آباد میں ایک پلاٹ خرید کر مکان تعمیر کرا کر اس میں قیام پذیر ہوکر مستقل طور پر تبلیغ میں مشغول ہوگئے لیکن خیرپور ٹامیوالی میں بھی ہر سال ماہ دو ماہ کے لئے

تشریف لے جاتے اور وہاں جو جماعت قائم ہوگئی تھی اس کی اصلاح و تبلیغ فرماتے اور کراچی میں تو ماشاء اللہ بہت بڑی جماعت حضرت شاہ صاحبؒ کے طفیل تیار ہوگئی۔ نیز تالیف و تراجم کی وہ اعلیٰ خدمات انجام دیں جس کی مثال فی زمانہ مشکل ہے۔ آپ کی جملہ تالیفات کی اشاعت کا کام آپ کے ایک خادم حاجی محمد علی ناظم "ادارۂ مجددیہ" ناظم آباد کراچی آپ کی حیات ہی سے انجام دے رہے ہیں اور الحمد للہ کہ وہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے کراچی کے دورانِ قیام میں یہ عاجز جب بھی کراچی آتا حضرت شاہ صاحبؒ عاجز کی پُرتکلف دعوت کرتے اور جب تک میرا قیام کراچی میں رہتا حضرت شاہ صاحبؒ بھی عاجز کے پاس تشریف لاتے رہتے اور عاجز بھی حاضرِ خدمت ہوتا رہتا۔ مرض الموت میں بھی رمضان المبارک سے دو چار یوم قبل عاجز کی دعوت کی۔ عاجز کو بچش کا ایک نسخہ لکھ کر دیا کہ یہ بہت عمدہ ہے۔ اس وقت یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ آپ چند دن کے بعد ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے وقت عاجز کراچی میں ہی مقیم تھا۔ جماعت کے ایماء پر عاجز ہی نے حضرت شاہ صاحبؒ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور تجہیز و تدفین میں شریک رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ عجب اتفاق ہے کہ حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کے انتقال کے وقت بھی عاجز کراچی میں مقیم تھا اور ان کے جنازہ کی نماز بھی عاجز ہی نے پڑھائی تھی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت شاہ صاحبؒ بڑی خوبیوں کے انسان تھے حضرت کی پیشِ نظر سوانح سے ان کی خوبیاں اور اجاگر ہو کر سامنے آجائیں گی۔ عاجز کے ساتھ بڑا تعلق تھا اور وہ ہمیشہ ایک جیسا رہا کبھی اس میں کمی نہیں آئی۔ اپنے تعلقات کی ایک مختصر داستان عاجز نے بھی عرض کر دی ہے اور بس۔

⁂

چل خسروؔ گھر آپنے سانجھ پڑی سب دیس

(از حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی)

یہ ذرۂ بے مقدار جس کی انتہا ایک مشتِ غبار ہے[1] جبل پور (سی، پی) میں دوشنبہ ۱۰ شوال المکرم ۱۳۳۰ھ (۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء) کو پیدا ہوا۔ قریب ۴½ سال کی عمر میں قرآن پاک شروع کیا اور اللہ پاک کے خصوصی فضل سے بہت جلد مکمل کر لیا۔ والد صاحب مرحوم کئی سال تک علیل رہے۔ لیکن بیماری کی حالت ہی میں مجھے نماز کی ترکیب لکھوادی اور استقامت کے لئے دعا فرمائی۔ اسکول میں داخلہ ہوا اور اعلیٰ کامیابی کی بنا پر چار سال تک وظیفہ ملتا رہا۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد والدہ صاحبہ مرحومہ اور بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خاں مرحوم کے زیرِ تربیت رہا۔ ۱۹۲۸ء میں انجمن اسکول جبل پور سے نویں جماعت پاس کی۔ سی، پی میں گیارہویں جماعت میٹرک ہوتی تھی لیکن علی گڑھ میں دسویں جماعت میٹرک تھی اس لئے بڑے بھائی صاحب مرحوم نے ایک سال بچانے کے لئے مجھے علی گڑھ بھیج دیا۔ وہاں بفضلہ تعالیٰ بہت اچھے نمبروں سے ۱۹۲۹ء میں میٹرک پاس کیا اور وہیں سے ۱۹۳۶ء تک دو ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے۔ علی گڑھ میں شیخ علی جواد صاحب مرحوم (استادِ دینیات) کی بڑی شفقت رہی۔ پھر انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد بی اے کے زمانے میں حضرت قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادیؒ نے بڑا کرم فرمایا، تجوید اور روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ کی تکمیل کرانے کے بعد عربی کی تعلیم بھی فرمائی۔ مولانا سلیمان اشرفؒ سے تفسیر اور کچھ حدیث کی تعلیم بھی نصیب ہوئی۔ مولانا ابوبکر محمد شیث صاحبؒ کی شفقتوں سے بھی مستفید ہوا۔ پروفیسر ضیاء احمد بدایونیؒ، مولانا احسن مارہرویؒ، پروفیسر رشید احمد صدیقیؒ، حاجی حمید الدین خاںؒ نے خصوصی شفقت فرمائی۔ لیکن علمی کاموں میں پروفیسر ضیاء احمد بدایونیؒ، نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور ڈاکٹر محمد شفیعؒ سے ہمیشہ اور ان کے آخری ایام تک رہبری حاصل کی۔

علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحبؒ کے ورع و تقویٰ سے میں بہت متاثر ہوا بلکہ دین سے تھوڑا بہت شغف انہی کی صحبت میں حاصل ہوا، وہ شریعت کے سخت پابند تھے تواضع، انکسار، کم گوئی، بے نفسی وغیرہ میں ان جیسے بزرگ بہت کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ انھوں نے مجھے علی گڑھ سے رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی تھی کہ "ہمیشہ اللہ پاک سے اچھی امید رکھنا"۔ ان کی یہ

[1] حاجی محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ کی فرمائش پر یہ حالات اور تاثرات عرض کیے گئے ہیں۔ احقر۔ غلام مصطفیٰ خاں

نصیحت میری زندگی کے ہر ہر قدم پر کارگر ہوئی۔ علی گڑھ کے اس زمانے میں ان کی ایک اور نصیحت یا مشورہ یہ تھا کہ تم اب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ سے بیعت ہو جاؤ۔ لیکن میں نے کچھ ایسے مشائخ دیکھے تھے جن میں خود نمائی زیادہ تھی اور عجیب عجیب باتیں تھیں اس لئے میں خاموش ہو گیا اور ان کے مشورے پر عمل نہ کر سکا۔ پھر میں اپنے وطن جبل پور آگیا۔ کچھ ماہ بے کار رہا۔ پھر پبلک سروس کمیشن والوں نے کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں میرا تقرر کر دیا۔ حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحب ؒ نے علی گڑھ میں عین شفقت سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ انشاء اللہ میں تم کو قراءاتِ سبعہ (شاطبی) پڑھاؤں گا۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں جب کہ وہ ہجری سنین میں قریب ستر سال کے ہو چکے تھے اپنے وعدے کے ایفاء کی خاطر قریب ایک ہزار میل کا سفر تنِ تنہا طے فرما کر امراؤتی تشریف لائے اور رات دن محنت کر کے میری تکمیل فرمائی۔

امراؤتی کے قیام کے زمانے میں ایک مرتبہ (۱۹۳۸ء میں) تعطیل میں جبل پور گیا۔ وہاں سے الٰہ آباد، علی گڑھ، دہلی ہوتا ہوا اپنے عزیز دوست محترم چودھری عبدالحمید صاحب سے ملنے کے لیے جالندھر گیا۔ راستے میں سرہند شریف کا اسٹیشن تھا۔ مجھے اس وقت تک حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے متعلق (بڑے بھائی صاحب کی زبانی) صرف اتنا معلوم تھا کہ یہ ایسے بزرگ ہوئے ہیں جن کا ہر قول اور ہر فعل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عین پیروی میں رہا ہے۔ جب میں سرہند شریف کے اسٹیشن سے گزرنے لگا تو اس قدر کشش محسوس ہوئی کہ ڈبے سے چھلانگ لگانے کو جی چاہتا تھا۔ عجیب اضطراب تھا لیکن پھر کوئی واقعہ درپیش نہیں ہوا اور کئی سال گذر گئے۔ ۱۹۴۷ء میں میرا تبادلہ ناگپور ہو گیا اور اسی زمانے میں پاکستان کی تشکیل ہوئی۔ نومبر میں ہم لوگ ناگ پور سے کراچی کے لئے بمبئی کے راستے سے روانہ ہوئے۔ بڑے بھائی صاحب کراچی پہنچ چکے تھے۔ میں وہاں پہنچا تو چند روز کے بعد گود کا بچہ اور پھر اس کی والدہ نے داغِ مفارقت دیا۔ ناگ پور سے پروفیسر رفیع الدین صاحب کا خط آیا کہ چند ماہ کے لئے واپس آجائیں اور پھر موسمِ گرما کی تعطیل کے موقع پر کراچی چلے جائیں۔ چنانچہ ان کے مشورے کے مطابق میں ناگ پور پہنچا۔ لیکن سراج احمد سلمہ کی بیماری کے متعلق بڑے بھائی صاحب نے کراچی سے فون کیا تو میں جنوری ۱۹۴۸ء میں پھر کراچی کے لئے بمبئی کے راستے سے روانہ ہوا۔ بمبئی کی ایک مسجد میں (غالباً ۱۹ جنوری کو) ظہر کی نماز پڑھی نماز کے بعد مسجد میں آویزاں ایک چارٹ میں حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے اقوال دیکھے۔ ایک قول یہ تھا کہ "حق سبحانہٗ تعالیٰ را بواسطۂ آں دوست دارم کہ ربِّ محمد است صلی اللہ علیہ وسلم (مبداؔ و معاد)" اس قول کو دیکھتے ہی دل پر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے دل کو مضبوطی سے تھاما۔ ایسا لگتا تھا کہ قلب کی حرکت بند ہو رہی ہے۔ بڑی دیر میں دل قابو میں آیا۔

سبحان اللہ کیا قول ہے کہ حمد و نعت دونوں کو یکجا کر دیا ہے۔ شاید ایسا قول کسی زبان میں نہیں ہے۔

کراچی آنے پر اسلامیہ کالج میں میرا تقرر ہو گیا، یہ بالکل نیا کالج تھا اور پناہ گزینوں کے لئے ایک ٹھکانا تھا۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں سخت بیمار ہوا اور کئی دن مسلسل بخار میں مبتلا رہا۔ ایک دن ایم اے کے طالب علم مرزا اسحٰق بیگ صاحب میری عیادت کو آئے اور مجھ سے کہا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے لیے بخار کا تعویذ لے آؤں۔ میں نے کہا، ضرور لا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ضرور شفا ہے۔ پھر میں نے انھیں حضرت مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ کس طرح ان کی دعا سے اور کلامِ الٰہی پڑھ کر دم کر دینے سے شاہ عالم بادشاہ کی بیگم کو شفا ہو گئی تھی جبکہ دہلی کے بڑے بڑے اطبا عاجز آ چکے تھے۔ دوسرے دن مرزا اسحٰق بیگ صاحب میرے لئے تعویذ لائے کہ اسے پانی میں گھول کر پی لیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ ماشاء اللہ نیک اور نمازی ہیں آپ ہی گھول کر دیدیجئے۔ انھوں نے وہ تعویذ گھول کر مجھے دیا۔ میں نے اس کا پانی پیا تو پیتے ہی میرا بخار ختم ہو گیا اور دل میں فرحت پیدا ہوئی۔ میں نے کہا، مرزا صاحب، وہ کوئی اللہ والے ہوں گے جن سے آپ تعویذ لائے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ وہ میرے ہم جماعت اور پرانے دوست ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا، کہ وہ خود ہی آپ سے ملنے کے لئے آجائیں گے۔ چند روز کے بعد جب میں کالج جانے لگا تو ایک دن مرزا صاحب کے ساتھ اُن کے دوست صوفی محمد احمد صاحب کالج میں تشریف لائے۔ اُن سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور اس وقت سے مخلصانہ تعلقات شروع ہو گئے۔ میں نے ایک دن اُن سے کہا کہ آپ اسکول میں پڑھاتے ہیں۔ ایم اے پاس کر لیجئے تاکہ ترقی ہو۔ یہ رائے انھوں نے پسند کی اور پرائیویٹ طور پر امتحان کا فارم داخل کرا دیا۔ لیکن پابندی سے وہ اور حافظ رشید احمد ارشد صاحب (جو بعد میں کراچی یونی ورسٹی میں شعبۂ عربی کے صدر ہو گئے تھے) میری کلاس میں آنے لگے اور دونوں نے امتحان میں اچھے نمبر حاصل کئے۔

اسی دوران میں صوفی محمد احمد صاحب نے ایک دن مجھ سے فرمایا، کہ ہمارے حضرت صاحب (شاہ زوّار حسین صاحبؒ) آج تشریف لا رہے ہیں۔ آپ بھی اُن کے ساتھ میرے یہاں کھانا کھائیں۔ میں حاضر ہوا تو حضرت شاہ صاحبؒ کی سادگی، تقویٰ اور تواضع سے بہت متاثر ہوا پھر وہ خیر پور ٹامی والی تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر تشریف لائے اور میں نے اُن سے دوبارہ نیاز حاصل کیا۔ لیکن اس مرتبہ وہ جلد واپس تشریف لے گئے۔ پھر یہ ہوا کہ ایک دن میں اپنی اہلیہ مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے جا رہا تھا، صوفی محمد احمد صاحب بھی ساتھ ہو گئے۔ وہاں فاتحہ پڑھنے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا کہ آپ کی اجازت ہو تو میں یہاں قبر کے قریب بیٹھ جاؤں۔ میں کچھ نہ سمجھا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور بیٹھ جائیے

وہ مراقب ہوئے۔ ماشاء اللہ بڑے صاحب کشف تھے۔ مراقبے میں اُن سے میری اہلیہ کی باتیں ہوئیں لیکن میرے نانا مولانا عبدالقادر خاں صاحبؒ کے توسط سے۔ وہ میری اہلیہ کے دادا تھے اور مرحومہ کے والد صاحب بقید حیات تھے، غالباً اسی وجہ سے مولانا عبدالقادر صاحبؒ اس گفتگو کا واسطہ بنے۔ صوفی صاحب نے وہ باتیں مجھے بتائیں تو میرے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ عرصے تک یکایک چیخ نکل جاتی تھی۔ پھر میں نے صوفی صاحب سے عرض کیا کہ آپ اپنے ذکر کا طریقہ مجھے بتائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے ابھی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اپنے حضرت صاحب کو لکھتا ہوں۔ اگر وہ اجازت دے دیں گے تو میں بتادوں گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو انھوں نے لکھا۔ جواب آنے پر صوفی صاحب نے مجھے ذکر کا طریقہ بتادیا۔ میں گھر گیا اور عشاء کے بعد مراقبے میں بیٹھا۔ اسی وقت سے مجھ پر ایسی کیفیات شروع ہوگئیں کہ جن کا میں خود کو اب بھی اہل نہیں سمجھتا۔ غالباً ستمبر ۱۹۴۹ء میں بزرگوں کا سالانہ اجتماع مظفر گڑھ میں ہوا۔ مولانا محمد سعید گوہاتوی صاحبؒ اس کے مہتمم تھے اور وہ تین دن تک یہ اجتماع کراتے تھے۔ صوفی محمد احمد صاحب کے ساتھ میں بھی وہاں حاضر ہوا۔ وہاں بھی بفضلہ تعالیٰ عجیب انعامات ہوئے۔ صوفی صاحب کے توسط سے حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اس وقت تک بلکہ اس کے بعد بھی عرصے تک حضرت شاہ صاحبؒ بہت کم کسی کو بیعت فرماتے تھے۔ بہر حال میری درخواست پر تیسرے دن عشاء کے بعد مظفر گڑھ کی جامع مسجد کے ایک گوشے میں مجھے بیعت فرمایا (غالباً استخارہ بھی فرمایا تھا)۔ اس کے بعد سے ان کی توجہات اور دعاؤں سے بڑا کرم ہوا۔ دوسرے دن اُن کے ساتھ ملتان کے بزرگوں کے یہاں حاضری دی۔ پھر خیر پور ٹامیوالی بھی ہم لوگ حاضر ہوئے۔ غالباً بیعت ہونے کے دو دن بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھے دوسرا سبق دیا اور پھر ایسی عنایات شروع ہوئیں کہ بقیہ اسباق جلد جلد طے کرادیے۔ اللہ پاک کا بے حد احسان ہے کہ مجھ جیسے شخص پر ایسا کرم ہوا جو پیروں سے سخت بیزار تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

تصویر تری ہم نے اے جلوۂ جانانہ　　سو آئینے توڑے ہیں تب دل میں اُتاری ہے

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے بارہا کراچی میں ہم سب کو نوازا۔ کئی کئی دن صوفی صاحب کے یہاں قیام ہوتا تھا۔ ہم لوگ حاضر ہوتے تھے اور دیکھتے تھے کہ وہ اکثر پوری پوری رات مراقبہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم لوگوں کی درخواست پر منگھو پیر (حضرت عبدالرحمٰنؒ) کے مزار کے قریب رات گزارنے کا اہتمام ہوا۔ عشاء کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے (غالباً میری نیند کی وجہ سے) فرمایا کہ مجھے بہت نیند آتی ہے' بہتر ہے کہ سب لوگ سوجائیں۔ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قریب ہی لیٹ گیا اور لیٹتے ہی سو گیا۔ لیکن یکایک میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے بستر پر نہیں تھے۔ میں سمجھ گیا کہ مسجد میں ہوں گے۔ میں چپ چاپ دبے پاؤں

مسجد میں داخل ہوا۔ لیکن وہاں چٹائی پر میرا پاؤں پڑا تو آہٹ ہوئی جس کو سُن کر حضرت شاہ صاحبؒ فوراً لیٹ گئے۔ میں مُسکرانے لگا کہ کس قدر اخفائے حال فرماتے ہیں۔ ایسے واقعات کئی مرتبہ دوسرے مقامات میں بھی ہو چکے ہیں۔ مظفر گڑھ، مسکین پور شریف اور ملتان وغیرہ میں بھی ہم لوگ رات کو سو جاتے تھے لیکن حضرت شاہ صاحب ہمارے قریب ہی مُراقب ہوتے تھے اور ہماری اور ہمارے سامان کی نگرانی بھی فرماتے رہتے تھے۔ ایسی سخت ریاضت کی وجہ سے جوانی ہی میں اُن کی ڈاڑھی، سر اور سینے تک کے بال سفید ہو گئے تھے۔

اب میں دو طویل سفر بھی بیان کردوں۔ ۱۶ جون ۱۹۵۳ء کو حضرت شاہ صاحبؒ اور اماں جی مدظلہا کی معیت میں صوفی محمد احمد صاحب، ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی صاحب، یہ عاجز اور کئی اعزاء بحری جہاز سے حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲۴ جون کو جدہ پہنچے۔ اور وہاں سے جمعہ ۲۶ جون کو عصر کے بعد ہم سب لوگ مدینہ منورہ کے لیے بس میں روانہ ہوئے۔ حاجی کیمپ سے تھوڑی دُور چلنے کے بعد پولس تھانے کے قریب بس رک گئی۔ پولس کا کوئی افسر معائنے کے لیے آیا تو اُس نے مجھے اور میری اہلیہ کو زیادہ سواریوں کی وجہ سے سفر کرنے سے روک دیا ڈرائیور ہم لوگوں کو واپس حاجی کیمپ لانے لگا۔ میری عجیب کیفیت ہو گئی اور سخت اضطراب ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دعا فرمائی۔ اللہ کی شان کہ حاجی کیمپ پہنچتے ہی ایک افسر دوڑتا ہوا آیا اور ڈرائیور سے عربی میں اور مجھ سے اردو میں کہنے لگا کہ آپ لوگ ہرگز نہ اتریں بلکہ چلے جائیں۔ اللہ کا بڑا فضل ہوا اور میرا اضطراب دور ہوا۔ بس روانہ ہوئی۔ اس وقت تک پکی سڑک رابغ تک بنی تھی۔ آگے پورا راستہ پتھریلا تھا۔ چنانچہ دن کے وقت بس میں پنکچر ہو گیا اور کچھ دوسری خرابی بھی ہو گئی۔ گرمی سخت تھی اور سب لوگ پریشان تھے حضرت شاہ صاحبؒ کی ایسی دعا ہوئی کہ وہاں سے ایک ٹرک کا گذر ہوا جس کے بیٹھنے والے مجھ سے واقف تھے۔ انھوں نے ٹرک روک لیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اور آپ کے سب رفقاء اس ٹرک میں بیٹھ جائیں۔ آپ لوگوں کو ہم آگے منزل پر اتار دیں گے۔ وہاں آپ سب آرام کریں۔ بس ٹھیک ہو کر وہیں آجائے گی اور آپ لوگوں کو بٹھا لے گی۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ پاک کا بڑا فضل ہوا۔ اور ہم لوگ راستے میں آرام کرتے ہوئے ۲۸ جون کو مدینہ منورہ پہنچ گئے اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر قیام کیا۔ مولانا صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بعد سلام مسنون فرمایا کہ "زوار حسین، تم تو میری اولاد ہو ابھی سے بوڑھے ہو گئے ہو" (یعنی سخت ریاضت کی وجہ سے تمام بال سفید ہو چکے تھے) مدینہ طیبہ کی برکات اور فیوضات سے جس قدر ہم لوگ مستفیض ہوئے وہ سب حضرت شاہ صاحبؒ کے طفیل میں تھا۔ ۱۸ جولائی کو مغرب کے بعد وہاں سے مکہ معظمہ کے لئے روانگی ہوئی۔ رات بھر بس چلتی رہی۔ دن کو گرمی کی

وجہ سے قانوناً سفر ترک کیا۔ لیکن عصر کے قریب روانہ ہو کر جدّہ سے گزرتے ہوئے ہم سب لوگ وسطِ شب میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور وہاں قریب ایک ماہ کے قیام کے بعد ۱۹ اگست کو عرفات میں حج ادا کیا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔

دوسرا طویل سفر ہندوستان کا ہوا۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے ہندوستان کا ویزا بنوا کر میں خیرپور ٹامی والی پہنچا۔ وہاں سیلاب آیا ہوا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ اور بہت سے لوگ ساوی مسجد کے قریب جو اونچائی پر واقع ہے ٹھہرے ہوئے تھے۔ سیلاب کم نہ ہوتا تھا میں نے چاہا کہ واپس کراچی چلا جاؤں لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہاری وجہ سے مجھے تقویت ہے اس لئے یہیں رہو چنانچہ میں دس دن تک وہاں رہا۔ ایک دن اشراق کے بعد بلا کسی تمہید کے مجھ سے فرمایا کہ تم سندھ یونی ورسٹی چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا "بہتر ہے"۔ بس بات ختم ہو گئی۔ اس کے بعد میں کراچی آ گیا اور اپنا کام کرنے لگا۔ غالباً اپریل ۱۹۵۶ء میں سندھ یونی ورسٹی کے رجسٹرار کا خط میرے پاس آیا کہ یہاں کے وائس چانسلر صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ فلاں تاریخ کو آ جائیے۔ میں حاضر ہوا تو سلام کے بعد انھوں نے فرمایا کہ "آپ کی بڑی مہربانی ہو گی جو آپ یہاں آ جائیں"۔ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں۔ بس یہ میرا انٹرویو تھا۔ اس طرح مئی میں مجھے پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے مقرر فرما دیا لیکن میری گزارش پر مجھے ہندوستان کے سفر سے واپسی پر چارج لینے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ جون ۱۹۵۶ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کے لیے اور اپنے لیے دوبارہ ہندوستان کا ویزا حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ خیرپور ٹامی والی سے کراچی تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ کراچی سے حیدرآباد کو روانگی ہوئی۔ اس وقت قریب ۱۱ بجے رات کو حیدرآباد سے کھوکھراپار کے لیے گاڑی ملتی تھی۔ رات کو ہم لوگوں نے حیدرآباد میں کھانا کھایا اور کھوکھراپار کے لیے روانہ ہوئے۔ علی الصباح وہاں پہنچے۔ وہاں پاکستانی کسٹم کے معائنے کے بعد مُنابا او ر باڑمیل کے لیے گاڑی ملی۔ وہاں ہندوستان والوں کی طرف سے چیکنگ ہوئی۔ پھر گاڑی آگے بڑھی۔ دوپہر کو بچا ہوا کھانا کھا لیا۔ مغرب کے وقت لونی جنکشن پہنچے۔ وہاں رس گلے فروخت ہو رہے تھے۔ مجھے بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے چاہا کہ رس گلے خرید لوں۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے روک دیا کہ ہندو کی بنائی ہوئی چیز نہ کھائیں۔ آخر کار ہم لوگ بھوکے ہی رہے۔ اب گاڑی دوسری پکڑنی تھی۔ اس میں سوار ہو کر رات بھر کے سفر کے بعد صبح کو اجمیر شریف پہنچے۔ بھوک بہت لگی ہوئی تھی لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ پہلے مزار اقدس پر حاضری دیں گے۔ وہاں پہنچ کر حضرت شاہ صاحبؒ نے قریب ۲½ گھنٹے مراقبہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے طفیل میں مجھے ایسا نظر آیا کہ ان کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تحریری اجازت نامہ (خلافتِ چشتیہ) عطا فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی

عادت کے مطابق اس بات کو پوشیدہ رکھا لیکن میں نے دیکھا کہ مراقبے کے بعد وہ بہت خوش تھے۔ اب ہم لوگوں نے ایک مسلمان ہوٹل والے کے یہاں ناشتہ کیا۔ ناشتے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے دوبارہ مراقبہ کے لیے فرمایا اور اس مرتبہ بھی قریب دو گھنٹے تک حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مستفیض ہوتے۔ میں نے مسلمان ہوٹل والے سے راستے کے لیے کچھ کھانا لے لیا۔ اجمیر شریف سے قریب ۴ بجے سہ پہر کو گاڑی روانہ ہوئی اور نیمچ، جاورہ، رتلام، اندور ہوتی ہوئی کھنڈوہ پہنچی۔ وہاں سے اٹارسی کے لیے گاڑی میں سوار ہوئے اور وہاں سے عصر کے بعد جبل پور کے لیے روانہ ہوئے۔ بھوک کے مارے میرا بُرا حال تھا کیونکہ قریب ۲۴۔ ۲۵ گھنٹے پہلے کھانا کھایا تھا اور ہندو سے کھانا نہیں لے سکتے تھے۔ اتفاق سے گاڑی ایک ایسے اسٹیشن پر ٹھہری جہاں آم فروخت ہو رہے تھے۔ میں نے آم خریدے اور دھو کر حضرت شاہ صاحبؒ کو پیش کئے اور خود بھی کھائے۔ تب جان میں جان آئی۔ گاڑی قریب ۱۱ بجے رات کو جبل پور پہنچی۔ اس لئے ہم لوگ شہر نہیں گئے۔ بلکہ وہیں اسٹیشن کے مسافر خانے میں ٹھہر گئے۔ میں تو لیٹتے ہی سو گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب حسب معمول جاگتے رہے۔ صبح ہوئی تو ہم لوگ محمد صابر خاں صاحب (جو اب ریاض میں ہیں) کے یہاں محلہ بھان تلیا گئے۔ اسی محلّے میں پہلے میرا مکان تھا اور میرے خاندان والے بھی رہتے تھے۔ وہاں میرے تعلق کے لوگ بکثرت تھے اس لیے ملنے والوں کا ہجوم لگ گیا۔ حافظ عبدالرحیم صاحب اور ماسٹر عبدالکریم صاحب (جو اب قصبہ کالونی، کراچی میں ہیں) اُس وقت وہیں تھے۔ انھوں نے بھی بڑی خاطر تواضع کی۔ شام کو میرے بچپن کے دوست حافظ عبدالعزیز صاحب مرحوم اور محمد یوسف صاحب مرحوم نے ہم لوگوں کی دعوت کی۔ وہیں حافظ جمال الدین صاحب مرحوم بھی تشریف لے آئے۔ یہ ایسے استاد تھے جنھوں نے سیکڑوں حافظ تیار کیے تھے اور میرے بچپن ہی سے میرے شفیق دعاگو تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے میرے بچپن اور جوانی کے حالات بتاتے رہے۔ عصر کے وقت ہم لوگ تانگے میں بیٹھ کر رانی تالاب والے قبرستان میں فاتحہ پڑھنے گئے تھے۔ وہاں میرے والد صاحب مرحوم کی قبر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی مراقب رہے۔ پھر وہاں سے اس تالاب کے مشرقی رُخ پر جو عیدگاہ ہے وہاں مغرب کی نماز پڑھی۔ وہیں حضرت مفتی بُرہان الحق صاحب مدظلہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ اُن کے بزرگوں کے مزارات پر بھی فاتحہ پڑھی۔ پھر واپس محمد صابر خاں صاحب کے یہاں آکر آرام کیا۔ اس کے دوسرے دن جبل پور سے بس پکڑی۔ بس اسٹینڈ کے قریب ہی وہ بنگلہ ہے جس میں عبدالستار صاحب، عزیز الرحیم صاحب اور حاجی بشیر اللہ صاحب رہتے تھے۔ دُور سے وہ بنگلہ حضرت شاہ صاحبؒ کو دکھلایا۔ بس سے ہم لوگ قریب ۳ گھنٹے میں لکھنادون پہنچے۔ جہاں میری اہلیہ کا گھر تھا۔ وہاں چند روز قیام رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ وہاں مسجد میں مراقب تھا تو دیکھا کہ محراب کی طرف سے ایک سانپ ہم لوگوں کی طرف آ رہا ہے۔

میں گھبرا کر اُٹھا تو وہاں کوئی سانپ نہیں تھا لیکن جب گھر پہنچا تو حضرت شاہ صاحبؒ کی چارپائی کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اُسے مار کر باہر پھینکا۔ تو پھینکتے ہی خدا جانے کہاں غائب ہو گیا۔ لکھنا دون سے ہم لوگ چھپاڑہ گئے۔ وہاں میرے آبا و اجداد کبھی رہا کرتے تھے اور انگریزوں سے نبرد آزما ہوا کرتے تھے۔ پھر انجنیا گاؤں میں فیلفوس محمد خاں صاحب جاگیردار کے یہاں قیام رہا۔ وہاں سے سیونی پہنچے تو وہاں میری ممانی صاحبہ مرحومہ قبلہ حاجی محمد کشف الدجیٰ خاں صاحب، قبلہ وکیل سردار احمد خاں صاحب وغیرہ نے بہت زیادہ خاطر تواضع کی اور بلا مبالغہ دور اور قریب کے ہزاروں آدمی حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ لوگوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ سیونی میں ان کے قیام تک کے لیے جگہ نہ ملتی تھی۔ اس کثرت کو سی۔ آئی۔ ڈی والوں نے دیکھ کر اسی وقت سے میرا ہندوستان جانا روک دیا۔ بزدل قومیں اسی طرح شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ سیونی کے موٹر اسٹینڈ کے قریب میرے دادا کے دادا اور ان کے بھائی کے مزارات ہیں جو انگریزوں کے مقابلے میں شہید ہوئے تھے وہاں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے فاتحہ پڑھی۔ سیونی میں آخری مراقبے میں لوگوں کی بڑی کثرت تھی۔ میری زبان سے بے ساختہ یہ شعر نکل گیا:۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے — مولا ایسی رین کو بھور کبھو نہ ہوئے

لوگوں پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور گریہ و زاری شروع ہو گئی۔ بڑی دیر میں خاموشی ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان لوگوں کے خلوص سے بہت متاثر تھے اور آخر وقت تک وہاں دوبارہ جانے کے مشتاق رہے۔

وکیل سردار احمد خاں صاحب مرحوم کے بھائی مقبول احمد[1] صاحب جو پہلے کمشنر رہ چکے تھے اور اب حکومت میں سکریٹری تھے اپنی کار میں سیونی سے ہم لوگوں کو ناگ پور لے گئے۔ وہاں انھوں نے اپنے بنگلے میں ٹھہرایا اور ایسے ایسے پُر تکلف کھانے پیش کیے جن کے کھانے کا طریقہ بھی ہم کو معلوم نہیں تھا۔ پھر پروفیسر سید رفیع الدین صاحب کے بنگلے میں قیام رہا۔ ناگ پور کا ویزا تو نہیں تھا لیکن ہم لوگ ۳-۴ دن وہاں ٹھہرے حضرت بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی حاضری دی۔ پھر ناگ پور سے گرانڈ ٹرنک ایکسپریس سے روانہ ہوئے۔ اٹارسی، بھوپال، گوالیار سے آگرہ تک بہت طویل سفر تھا۔ آگرہ کا ویزا بھی نہیں تھا لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے پہلے آگرہ نہیں دیکھا تھا اس لئے میں نے انھیں تاج محل اور قلعہ کی سیر کرائی۔ بھوک لگی ہوئی تھی۔ ایک مسلمان کے ہوٹل سے چائے اور بسکٹ لئے۔ لیکن میں نے بسکٹ جلدی سے کھانے شروع کر دیئے اس خوف سے کہ کہیں حضرت شاہ صاحبؒ یہ نہ فرما دیں کہ وہ بسکٹ شاید ہندو کی بیکری کے ہوں گے۔ آگرہ سے قریب ۱۱ بجے دن کو دہلی کے لیے گاڑی روانہ ہوئی۔ راستے میں بھوک لگی تو ایک اسٹیشن پر آم خرید لیے اور انھیں دھو کر گزارا کیا۔ دہلی رات کو پہنچے اور وہاں محلہ لال کنواں میں نیو صدر ہوٹل میں قیام کیا۔ دہلی میں کھانے کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ وہاں

[1] آپ آج کل بھوپال میں ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری سے قریب چھ ماہ تک میرا بنگلہ خوشبو سے مہکتا رہا۔

مسلمانوں کے ہوٹل بکثرت ہیں۔ پھر میرے شاگردوں نے بھی دعوت کردی تھی حضرت شاہ صاحبؒ دہلی میں بہت عرصے تک رہ چکے تھے اس لئے میں ان مقامات میں بھی گیا جہاں حضرت شاہ صاحبؒ جایا کرتے تھے۔ وہ مکان بھی دیکھا جہاں ان کا قیام تھا مولوی تقریظ احمد صاحب مرحوم سے بھی ملاقات کی۔ یہ عالم بھی تھے اور معلم بھی، تکیہ والی مسجد میں بھی حاضر ہوئے جہاں مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ کے بھائی عبدالرشید صاحب کا مزار بھی ہے۔ شہر کے تمام اولیائے کرامؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حاضر ہوئے تو وہاں کوئی زائر نہیں تھا بڑا افسوس ہوا۔ حالانکہ وہاں پہلے بکثرت زائرین ہر وقت موجود رہتے تھے۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بزرگوں کے یہاں کچھ لوگ موجود تھے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی کچھ لوگ تھے حضرت نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اس مرتبہ کچھ لوگ نظر آئے (۱۹۵۳ء میں وہاں کوئی بھی نہیں تھا) لیکن راستے میں ایک شخص ایسا ملا جو غالباً خفیہ پولس کا تھا۔ اس نے بہت سے سوالات کئے اور ان میں بہت الٹ پھیر کی لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی دعا سے میں نے اُسے ایسے جوابات دیے کہ وہ یہ بھی پتا نہ چلا سکا کہ ہم لوگ پاکستان سے آئے ہوئے ہیں۔ دہلی میں حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ کے طفیل میں مجھے ظاہر ہوا کہ حضرت محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ پانی پت آؤ تو بس میں آنا۔ اسٹیشن کے قریب ملے گی۔ اس میں سہولت ہوگی۔ ہم لوگ پھر بس ہی میں پانی پت گئے وہاں پہنچے تو راستے میں ایک ہندو ملا۔ اس نے کہا کہ کل ایک مسلمان یہاں آگیا تھا تو ہم نے اُسے مار ڈالا میں نے کہا کہ تم نے کوئی خاص بات تو نہیں کی ہمارا وقت آجائے گا تو ہم بھی مار دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد ہم لوگ حضرت محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر قریب ۲½ گھنٹے مراقب رہے لیکن کوئی سورما ہم لوگوں کو مارنے نہیں آیا۔ پھر ہم لوگ بس میں دہلی آگئے۔ دہلی میں میری اہلیہ اپنے بھائی کے ساتھ اس ہوٹل میں آگئیں۔ پھر ہم سب لوگ سرہند شریف کو روانہ ہوئے۔ اب ہمارے ساتھ ایسے لوگ بھی تھے (خود میری اہلیہ بھی) جن کے پاس سرہند شریف کا ویزا نہیں تھا ہم سب لوگ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے مراقبے سے فارغ ہوکر باہر صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سکھ پولس والا ہم سب کے پاسپورٹ دیکھنے کے لیے آیا۔ ہم لوگ اب فکرمند تھے کہ بعض کے پاس وہاں کا ویزا نہیں تھا۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی زندہ کرامت اور حضرت شاہ صاحبؒ کی دعا کی یہ شان دیکھی کہ اُسے ہم میں سے صرف وہ لوگ نظر آئے جن کے پاس وہاں کا ویزا تھا بس ایسے ہی لوگوں سے اس نے پاسپورٹ لیا اور اندراج کرکے واپس دے گیا۔ یہ عجیب واقعہ ہوا۔

سرہند شریف سے روانہ ہو کر ہم لوگ امرتسر پہنچے۔ وہاں ہندوستان والوں کی طرف سے سامان کا معائنہ ہوا۔ ایک سکھ سی آئی ڈی والے نے حضرت شاہ صاحبؒ سے میرے متعلق تنہائی میں پوچھا کہ یہ کیا پاکستان کے کوئی لیڈر ہیں؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ" اس سے تو زور سے بولتے بھی نہیں بنتا۔ یہ کیا لیڈر ہو گا"۔ (حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ واقعہ بعد میں مجھے بتایا)۔ غالباً ہندوستان کی حکومت اپنی بزدلی کی وجہ سے یہاں بھی مجھے شک کی نظر سے دیکھ رہی تھی اور اسی لئے اس نے ہندوستان میں میرا داخلہ بند کر دیا ہے کہ میرے جانے سے وہاں کی حکومت کا فوراً تختہ الٹ جائے گا۔ ہندوستان سے واپسی پر حضرت شاہ صاحبؒ سمہ سٹہ جنکشن پر اُتر کر خیر پور ٹامی والی تشریف لے گئے اور میں سیدھا کراچی چلا آیا اور چند روز کے بعد حیدر آباد جا کر سندھ یونی ورسٹی میں ۱۴ جولائی ۱۹۵۶ء کو چارج لے لیا۔

قریب ڈیڑھ سال کے بعد حضرت مولانا عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے کراچی تشریف لائے اور جمعرات ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء (۲ رجب ۱۳۷۷ھ) کو جماعت کے ساتھ غریب خانے میں (حیدر آباد میں) قدم رنجہ فرمایا (اس کے بعد بھی ۲ دو مرتبہ ان کی تشریف آوری یہاں ہوئی)۔ دوسرے دن حضرت شاہ صاحبؒ بھی تشریف لے آئے تو جماعت کے سامنے اعلان کرتے ہوئے مولانا صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے فرمایا کہ "شاہ صاحب جو (چیز) آپ نے غلام مصطفٰے کو دی ہے میں بھی اسے دیتا ہوں"۔

اللہ اللہ۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اب حضرت شاہ صاحبؒ کے مزاج کی چند خصوصیات بھی عرض کر دوں۔ ان کے مزاج میں اخفائے حال اور نگاہ میں بڑی حیا تھی۔ آج کل لوگ اپنی بیوی بچوں کا ذکر احباب کے سامنے کرنے میں عار نہیں سمجھتے بلکہ خوش ہو کر بیان کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کبھی ایسا ذکر نہیں کیا ـــــ کسی شخص میں شرع کی رو سے کوئی خامی دیکھتے تھے تو اس سے روبرو کہنے کی بجائے اس شخص کے کسی قریبی تعلق والے سے عمومی طور پر ذکر فرماتے تھے۔ مثلاً میرے ایک خاص کرم فرما کے متعلق (بغیر ان کا نام لیے ہوئے) مجھ سے فرمایا کہ بعض لوگ عجیب ہیں کہ داڑھی تو رکھ لی لیکن انگریزی بال بھی رکھے ہوئے ہیں ـــــ ٹخنوں سے نیچے پائنچے دیکھ کر عمومی طور پر ناپسندی کا اظہار فرما دیتے تھے۔ جماعت والوں کو دیکھتے رہتے تھے کہ کون شخص کس طرح کپڑے یا موزے پہنتا یا اتارتا ہے، جوتا کونسا پہلے پہنا اور کونسا پہلے اتارا۔ کھانا کس طرح کھایا، پانی کس طرح پیا۔ ایک مرتبہ میں نے پانی کا گلاس صرف داہنے ہاتھ میں لے کر پیا۔ تو تھوڑی دیر کے بعد عام طریقے پر فرمایا کہ میں نے اپنے علماء کو دیکھا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے (داہنا ہاتھ اوپر اور بایاں نیچے) گلاس کو پکڑتے تھے ـــــ ایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں اندر جانے کا اتفاق ہوا تو واپسی پر تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگوں سے فرمایا کہ شریعت کیسی پیاری چیز ہے،

اس نے مٹی سے ہر گندگی کو ڈھانپ دینے کی کیسی عمدہ ہدایت فرمائی ہے۔ اکثر اوقات بکثرت لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور ہر شخص اپنے لیے دعا کراتا تھا حضرت شاہ صاحبؒ پھر بار بار دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے بلکہ خاموشی سے دعا فرماتے جاتے تھے۔

سنت کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ بہت تیز چلنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ صوفی محمد احمد صاحب اور یہ عاجز بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ مسکین پور شریف گیا، شہر سلطان سے بس ملی لیکن اس نے بہت دور اتار دیا غالباً دو میل کا فاصلہ تھا۔ عصر کا وقت تھا حضرت شاہ صاحبؒ نے چلنا شروع کیا اور ہم لوگ پیچھے ہو لیے۔ وہ چل رہے تھے کہ گویا زمین ان کے قدموں میں سمٹی جا رہی تھی اور ہم لوگ باقاعدہ دوڑ لگا رہے تھے۔ آخر ہم لوگوں نے ہار مان لی اور راستے ہی میں نماز ادا کی۔ لیکن حضرت شاہ صاحب مسکین پور شریف پہنچ گئے اور وہیں مسجد میں نماز پڑھی۔ اسی طرح کئی مرتبہ علی پور سے مسکین پور شریف کا راستہ طے ہوا کہ وہ تو ہم لوگوں سے بہت زیادہ آگے تھے اور ہم لوگ راستہ ہی ناپ رہے تھے۔

حافظے کی یہ شان تھی کہ زندگی کے بے شمار واقعات کی پوری تفصیل یاد تھی اور تبحر علمی کا عالم یہ تھا کہ بعض مرتبہ عشا کے بعد کوئی مسئلہ چھڑ گیا تو اس کی جزئیات اس قدر تفصیل سے بیان فرمائیں کہ تہجد کا وقت آ گیا پھر تہجد کی نماز شروع ہو گئی اور مراقبے کے بعد فجر کی نماز ادا فرمائی۔

اب ہم اس واقعے کی طرف آتے ہیں جو سب کو پیش آتا ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے عرس کے موقع پر جنوری ۱۹۸۰ء میں وہ حیدر آباد تشریف لائے۔ حیدر آباد کے لیے اُن کے قدوم میمنت لزوم کی یہ آخری سعادت تھی۔ یہاں سے واپسی پر کچھ عرصے کے بعد طبیعت کی ناسازی شروع ہوئی۔ پیٹ کی خرابی وغیرہ تو عرصے سے چل رہی تھی۔ اب چہرۂ مبارک اور تمام بدن میں ورم شروع ہوا۔ کراچی میں بہت علاج کیا۔ لیکن حکیم جمشید صاحب کے علاج سے فائدہ ہوا اور دو مرتبہ ورم[1] بھی کم ہو گیا۔ (اس کی تفصیل قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب لکھیں گے) میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ حیدر آباد کے کئی ڈاکٹر مل کر حاضر ہونا چاہتے ہیں تاکہ باہمی مشورے سے علاج کریں لیکن ڈاکٹری علاج پسند نہیں فرمایا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو قبلہ مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب مدظلہ کو زحمت دوں کہ وہ ہومیو پیتھک علاج کریں۔ لیکن ایسا علاج بھی پسند نہیں تھا۔ آخر وہ وقت آ گیا جس کے دیکھنے کے لئے ہم لوگ تیار نہیں تھے۔ یعنی ۲۲ رمضان المبارک کو اشراق کے بعد کراچی سے حیدر آباد فون آیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہم سب کو یتیم چھوڑ دیا۔ حیدر آباد سے بکثرت حضرات روانہ ہوئے۔ کراچی کے حضرات بھی بے شمار تھے۔ عصر کے بعد اس سیاہ کار نے جنّتی کفن میں اُن کو ملبوس دیکھا۔ بے تاب ہو کر دوڑا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ شہر خموشاں کی طرف روانگی ہوئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے

---

[1] عزیز گرامی ابو رحمت اللہ خاں ماشاء اللہ سخت ریاضت کرتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ سے انھوں نے سلبِ مرض کے لئے اجازت چاہی۔ بڑی مشکل سے اجازت دی لیکن پھر دو تین روز کے بعد منع فرما دیا کہ جو کچھ اللہ پاک کو منظور ہے وہی بہتر ہے۔"

وقت کسی نے یہ دو شعر کہے تھے جو میں بھی دل ہی دل میں پڑھ رہا تھا :-

سرو سیمینا کہ تنہا می روی　　سخت بے مہری کہ بے ما می روی

اے تماشا گاہِ عالم روے تو　　تو کجا بہر تماشا می روی؟

بعض آنکھوں نے دیکھا کہ اتوار کی بارش ہو رہی ہے اور رحمت کے بادل چھائے ہوتے ہیں سب مجھے امیر خسروؒ کا یہ شعر یاد آیا :-

ابر و باراں و من و یار ستادہ بہ وداع　　من جدا گریہ کناں، ابر جدا، یار جدا

افسوس کہ ۷۰ سال کا وہ خزینہ جس میں علوم ظاہری و باطنی کا گراں قدر سرمایہ پوشیدہ تھا گوشۂ زمین میں پوشیدہ کر دیا گیا۔ لوگ اپنی محرومیِ قسمت پر رو رہے تھے۔ لیکن۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ـــــ ع

آج وہ کل ہماری باری ہے

لوحِ مزار کے لیے یہ قطعۂ تاریخ عرض کیا ہے :-

آہ رفت آں شیخِ ما تسکینِ قلب و جانِ ما　　رہنما و مقتدائے ہر کبیر و ہر صغیر

حافظ و حاجی کہ ہم ورع و تقویٰ داشتہ　　باعمل عالم کہ ساعی بود در خیرِ کثیر

بے مثال اندر علومِ فقہ و تفسیر و حدیث　　بے ہمال اندر طریقت در ریاضت بے نظیر

خوش بیان و خوش کلام و خوش مزاج و خوش عمل　　از ضیائے پاکِ عثمانی نگاہش مستنیر

قطبِ دیں، عینِ ولایت، شاہ زوارِ حسین

ھ　ا　۴　ن

دارِ جنت بقعہ او ذالک الفوز الکبیر

ع　ا　۹　۸　ن

سہ شنبہ ۲۲ رمضان المبارک　۵ راگست ۱۹۸۰ء

تأثرات

(از حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب مدظلہ العالی خانقاہ سراجیہ کندیاں)

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات والتحیات فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے محترم المقام ذوالمجد والمناقب جناب مولانا محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ العالی مشرف مطالعہ فرمائیں کہ آپ کا مکتوب گرامی شرفِ صدور لایا۔ جناب حضرت مولانا المکرم سیّد زوار حسین شاہ صاحب قدس سرہ العزیز و نور اللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت آیات نہ صرف آپ حضرات مخلصین و مریدین کے لئے ایک صدمۂ جانکاہ ہے بلکہ جملہ اہلِ اسلام این دیار کے لئے ایک ناقابلِ تلافی دینی و روحانی نقصان ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ مرضیٔ مولیٰ برہمہ اولیٰ۔ صبر و شکیبائی کے سوا اور کیا چارہ ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فقیر کو متعدد بار ملاقات کا موقع ملا، اور اس میں آپ ہی ذریعہ بنے۔ علیٰ وجہ البصیرت عرض کیا جاتا ہے کہ سلسلۂ فضلیہ نقشبندیہ کے وابستگان میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص منفرد اور ممتاز مقام حاصل تھا۔ بلکہ اس مذکورہ سلسلہ میں اپنے جملہ برادرانِ طریقت سے بازی لے گئے۔

اس کی خاص وجہ مرحوم و مغفور کا اتباعِ شریعت، پابندیٔ سنت مطہرہ، نسباً اہلِ بیت اطہار کا خلف الرشید ہونا۔ اور حضورِ حضرت امام ربّانی مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضراتِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خاص محبت، انس، مودت، عقیدت اور اتباع اتم ہیں ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

فقیر دعا گو ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے خاص جوارِ رضا و قرب و رحمت و مغفرت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین، فقیر راقم الحروف کو جملہ برادرانِ ملت اپنا خادم سمجھیں اور خدمت کا حکم کرتے رہیں، والسلام مع الاکرام۔

تأثرات

از حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہ العالی
مہتمم ادارۂ ندوۃ المصنفین و ماہنامہ برہان دہلی
(خلف الرشید حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی علیہ الرحمہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند)

مخلصم و برادرم جناب حاجی محمد اعلیٰ صاحب دام مجدہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ صغیر احمد صاحب کی معرفت پہنچا تھا، مولانا الحاج سید زوار حسین صاحب کی رحلت کی افسوسناک خبر معلوم ہوکر روحانی صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم غیر معمولی خصوصیات کے حامل تھے۔ عالم، متقی، پرہیزگار، اعلیٰ درجہ کے مصنف، فیض رساں، منکسر المزاج، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کے لئے یہ حادثہ نہایت المناک ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ صبر عطا فرمائے۔ ابھی تو مرحوم کو بہت سی خدمات انجام دینی تھیں، ان کے کام میں حق تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی تھی۔ عمر تو ابھی ایسی نہیں تھی۔ اس وقت مرحوم بہت یاد آرہے ہیں، اُس وقت کی ملاقات کا سماں سامنے ہے۔ جانا سب کو ہے مگر ایسے حضرات کی جُدائی سے ملّت کا جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ . . . . میری نظر بہت موٹی ہوگئی ہے۔ لکھنے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ خط بھی ناہموار ہوگیا ہے۔ آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ . . . . اپنے یہاں سب کو سلام و دعا پہنچائیے۔ مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی سے بوقتِ ملاقات سلام فرمادیں۔ فقط والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی
ماہنامہ برہان جامع مسجد دہلی
۲۴ر فروری ۱۹۸۱ء

طرح باطن کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ انسان کے اندر بھی ہزاروں امراض اور بیماریاں ہیں بالکل اسی طرح روحانی اور دینی اعتبار سے قلب کے اندر بھی ہزاروں بیماریاں ہیں جیسے حُبِّ جاہ، حبِّ مال، حسد، بغض، عداوت، تکبر، کفر و شرک وغیرہ، یہ سارے انسان کے قلب کو بیمار کردیتے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین جس طرح ظاہری اعمال کے لئے ہے اسی طرح باطنی اعمال کے لئے بھی ہے اسی لئے آپ کا ایک بڑا مقصد تزکیہ وطہارت ہے اور یہ تزکیہ وطہارت، یعنی لوگوں کے قلوب کو پاک وصاف کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص شان تھی اسی کو حضراتِ صوفیہ نے اپنے قلوب میں جذب کیا اور وہ اس کے مظہر بن گئے اور انھوں نے اس سلسلہ میں بڑا کام کیا۔

آجکل بہت سے لوگ تزکیہ کی اس شان سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اس کا انکار ناممکن ہے، خود قرآن پاک کی یہ آیتیں آپ کے سامنے ہیں۔ اور وہ حدیث جس کو ام الاحادیث اور حدیثِ جبرئیل کہتے ہیں جو حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے وہ ساری حدیثوں کی اصل ہے اور جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب اس کی شرح ہیں۔ جس طرح سورۂ فاتحہ ام القرآن ہے اور سارا قرآن اس کی شرح ہے بالکل اسی اعتبار سے یہ حدیث ہے۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے اس کو ایمان بتایا۔ پھر اس نے پوچھا ما الاحسان۔ احسان کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "تم اپنے رب کی عبادت اس طور سے کرو جیسے کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم میں یہ بات نہ ہو تو کم سے کم یہ تو ہو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے"۔ یہی وہ احسان ہے جس کو اس آیت کے اندر تزکیہ اور تصفیہ کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے ــــ لوگوں نے اور شارح احادیث نے اس موقع پر کہا ہے کہ یہ حدیث دو مرتبوں کو بیان کررہی ہے ایک مراقبہ کو اور دوسرا مشاہدہ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک ہی مقام کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا سندھی وغیرہ کی رائے ہے۔

غرضکہ احسان ایک نسبت ہے جس کو یہاں تزکیہ اور طہارت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے قد جاء کم من اللہ نور وکتٰب مبین۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے لئے دو چیزیں بھیجی ہیں ایک کتاب اور دوسرے نور۔ کتاب کیا ہے؟ وہ کتاب ہدایت ہے یعنی قرآن مجید، جس کی شرحیں موجود ہیں۔ اور نور کیا ہے؟ وہ ایک نسبت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ میں منتقل ہوئی اور صحابہؓ سے منتقل ہوکر تابعین میں اور تابعین کے بعد تبع تابعین میں، ان کے بعد ائمہ میں، ان کے بعد حضراتِ صوفیہ کے اندر وہی نسبتِ نوری ہے جو ایک کے بعد دوسرے میں

منتقل ہوتی رہی اور بفضلہ تعالیٰ ابھی تک اس کے اثرات وثمرات موجود ہیں۔

غرض جو لوگ تصوف کا انکار کرتے ہیں تو گویا وہ دین کے ایک بہت بڑے حصے کا انکار کرتے ہیں یعنی دین کے اندر روحانیت اور نورانیت کا جو پہلو ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ خود صحابۂ کرامؓ اور کبار صحابہؓ سب ہی اس نورانیت سے آراستہ تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیف اصبحت (تم نے کیسے صبح کی؟) قال مؤمناً حقاً (عرض کیا کہ میں بالکل سچے طور پر ایمان لایا) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ دیکھو تم بہت اہم بات کہہ رہے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کی بات کہنا کہ میں سچا مومن ہوں مشکل ہے۔ اس کے بعد صحابیؓ نے عرض کیا کہ میں نے اس دنیا کو بالکل چھوڑ دیا، میں راتوں کو قیام کرتا ہوں اور جاگتا رہتا ہوں اور دن کو بھوکا رہتا ہوں، یعنی روزہ رکھتا ہوں، میں عرش الٰہی کو بالکل اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ جنت آپس میں مل رہے ہیں اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ دوزخی آپس میں ضم ہو رہے ہیں، لڑ رہے ہیں اور جہنم میں گر رہے ہیں —— یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ صحابہؓ کے اندر رب العلمین نے یہ کیفیت پیدا کر دی تھی کہ وہ عرشِ الٰہی کو اپنے سامنے دیکھتے تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کے انفاس قدسیہ کا اثر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی خاص طریقہ نہیں بتایا تھا بلکہ اُن کے اندر یہ صفتِ احسان آپؐ کی صحبت اور عبادات یعنی نماز، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے سے پیدا ہو جاتی تھی۔

آج ہماری نماز اور روزوں میں وہ کیفیت نہیں ہے اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ صوفیہ کے کسی نہ کسی حلقہ سے ہمارا تعلق ہو اور کسی شیخ کے ساتھ وابستہ ہوں پھر ان کے اذکار و اوراد کریں تاکہ وہ کیفیت حاصل ہو، ورنہ جس شخص کے اندر نماز، روزہ، اوراد و ادعیہ سے احسان کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کو کسی صوفی کی ضرورت نہیں۔

مولانا علی میاں نے اپنی کتاب میں مولانا اسمٰعیل کاندھلویؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ مولانا اسمٰعیل جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے دادا تھے، ان کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے انتقال کے بعد غسل وغیرہ میں دیر ہو گئی کیونکہ ان کے بہت مرید تھے وہ دہلی، آگرہ وغیرہ دور دور سے آنے والے تھے اس لئے ان کے انتظار میں دیر ہو گئی تو اسوقت ایک شخص کی آنکھ لگ گئی جو اسی غم میں تھا۔ اس نے مولانا اسمٰعیلؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ جلدی کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع

صحابہؓ میرے انتظار میں ہیں، یہ تھا ان کا مقام۔ نیز مولانا اسمعیل صاحبؒ کے لئے لکھا ہے کہ وہ مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس دور کے قطب الاقطاب اور ساری دنیا کے مرجع خلائق تھے اور عرض کیا کہ حضرت میں صرف نماز روزہ، تہجد اور یہ اذکار و اوراد کرتا ہوں اور میں سلسلہ کے جو اذکار ہیں وہ نہیں کرتا تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت گنگوہیؒ نے کچھ دیر توقف کیا اور مراقبہ کے بعد فرمایا کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو صفتِ احسان درکار تھی وہ اللہ رب العالمین نے آپ کے نماز، روزہ اور حج وغیرہ سے پوری فرما دی۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر ایسی قوت موجود ہے کہ وہ اس صفتِ احسان کو نماز روزہ اور حج وغیرہ سے پورا کر سکتا ہے تو پورا کرے لیکن یہ پوری نہیں ہوتی اس لئے کہ آج انسان کے ساتھ مادیت کا دور اور کشاکشِ حیات ہے اور دنیا کے عجیب و غریب حالات ہو گئے ہیں پھر اتنے مانع اور موانع ہیں کہ انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا مشکل ہے، اسی لئے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین سے خود یہ سلاسل کے سلسلے شروع کئے تاکہ صفتِ احسان پیدا ہو۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث موجود ہیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جو قلوب ہیں یہ ایسے زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ آپ لوہے کو کسی ایسی ہوا میں رکھدیں جو مخالف ہو تو جلد ہی اس پر زنگ آجائے گا یا آپ لوہے پر پانی ڈالدیں یا کوئی اور چیز ڈال دیں تو زنگ آجائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بالکل اسی طرح انسان کے قلوب پر بھی (گناہوں کے سبب) زنگ آجاتا ہے۔ اور اُن کی جِلا کیا ہے؟ وہ اللہ کا ذکر ہے۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ ذکر اللہ کی تین صورتیں ہیں۔ ایک ذکرِ لسانی، دوسرے ذکرِ قلبی اور تیسرے ذکر بالجوارح۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ جو فائق اور ممتاز عبادت ہے اور جس کو عماد الدین کہا گیا ہے وہ نماز ہے اس لئے کہ نماز جامع اذکار ہے۔ اس میں تینوں قسم کے ذکر موجود ہیں، اس میں قلبی ذکر بھی موجود ہے اور لسانی ذکر بھی، اور جوارح کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس لئے کہ انسان نماز میں قیام کر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، وہ رکوع اور سجدہ کر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے غرض کہ یہ سارے اذکار ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا جو بڑا مقصد تھا وہ تزکیہ تھا اور اس تزکیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ اور تابعین سب

مزکّٰی و مطہر تھے، ان کے قلوب بالکل پاک صاف تھے اور وہ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر تھے ۔
ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ کا وہ درجہ ہے کہ اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر کوئی چیز خرچ کرو اور صحابہؓ وہی چیز ایک مُد یا اس کے نصف خرچ کریں تو بھی وہ اجر کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ صحابہؓ کا مقام اخلاص کی وجہ سے زیادہ بلند ہے ۔ اور انسان کے اندر اخلاص اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا اللہ رب العالمین کے ساتھ صحیح تعلق اور اس کے قلب میں تزکیہ اور طہارت نہ پیدا ہو جائے ۔

غرض تزکیہ اور طہارت مقاصدِ نبوت میں سے ہے اور یہ مخصوص چیز ہے اور سلف نے اس کو بڑی محنتوں سے حاصل کیا پھر ان حضرات نے جو یہ سلاسل (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، اور سہروردیہ وغیرہ) قائم کئے یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے فقہ کے اندر مکاتبِ فکر ہیں ۔ یہ بھی اسی قسم کی چیزیں ہیں اور ان سب کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے وصول الی اللہ، جو موقوف ہے اوراد و اذکار پر، اور اوراد و اذکار اس لئے ہوتے ہیں کہ ان سے مُردہ قلوب کے اندر حیات پیدا ہو جائے ۔ اس لئے کہ قلوب کی بھی زندگی ہے جیسا کہ انسان کی زندگی ہے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے تو توبہ ایسی چیز ہے جیسا کہ پانی، اور پانی سے چیز دھل جاتی ہے تو توبہ اس کے سارے گناہوں کو دھو دیتی ہے ۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کے قلب کو گھیر لیتا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں ذٰلک موت القلب (یہ قلب کی موت ہے) ۔ دنیا تو اس کو زندہ سمجھتی ہے اور چلتا پھرتا دیکھتی ہے لیکن اللہ اور رسولؐ کے ہاں اس کی موت ہو گئی ۔ تو یہ ذکر دراصل حیاتِ قلب ہے ۔

اس سلسلہ میں اللہ رب العالمین نے بہت سے اشخاص پیدا کئے اور بکثرت اربابِ حقائق پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے زمانے میں اس قسم کا کام کیا اور بہت سے لوگوں کی اصلاح کی ۔ انہی لوگوں میں سے حضرت مولانا زوار حسین صاحبؒ بھی تھے ۔

حضرت مولانا زوار حسین صاحبؒ عجیب آدمی تھے کہ انھوں نے اپنی پوری زندگی خود بنائی یہ ان کی زندگی کی خصوصیت ہے جو میں سمجھتا ہوں ۔ اور لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ والدین ان کی زندگی بناتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کہتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی خود

اجازت وخلافت سے سرفراز ہونے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے جو بڑا اہم کام کیا وہ تصوف اور فقہ کی کتابوں کی تالیف وتصنیف ہے۔ فقہ انسان کے ابتدائی اعمال کو درست کرتی ہے اور تصوف انسان کے باطن اور قلب کی اصلاح کے لئے ہے اور یہی دونوں چیزیں ہیں جس سے انسان کے ظاہر وباطن کی حفاظت ہوتی ہے۔ لہذا انھوں نے فقہ میں بڑا کام کیا ہے بہت سارے فتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر بدعات شروع ہوجاتی ہیں۔ آپ دیکھئے بڑے بڑے سلسلے، بڑے اچھے اچھے لوگ جو پکے سُنّی تھے ان میں فتنے شروع ہوگئے یہاں تک کہ وہ شیعہ ہوگئے یا بدعتی ہوگئے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ نے فقہ پر زور لگایا اور فقہ کی چار ضخیم جلدیں لکھیں اگر انسان فقہ کا علم حاصل کرلے تو وہ رافضی یا بدعتی نہیں بن سکتا۔ یہ ان کی خاص حکمت تھی تاکہ انسان کے اندر بدعات پیدا نہ ہوں کیونکہ یہ بدعت ہی ہے جو انسان کے اعمالِ حسنہ کو بالکل کھاجاتی ہے۔ اور جو کام سنت کے مطابق ہو اگرچہ بہت حقیر اور چھوٹے سے چھوٹا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقبول ہوگا اور بدعت کے اعتبار سے بڑے سے بڑا کام بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہوگا۔ اسی نکتہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو کہیں سے کہیں پہنچادیا اور اسی کی بڑی ضرورت ہے لہذا ان کے جانشینوں کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہی ہے کہ ان کے جانشین مولانا زوار حسین صاحبؒ کے مشن کو جاری رکھیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو بدعات سے بچائیں جیسا کہ مولانا زوار حسین صاحبؒ نے اس کو سنت کے مطابق چلایا ہے وہ بھی اس کو اسی انداز سے چلاتے رہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ان ساری بدعات اور خرافات سے محفوظ رکھے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شاہ صاحبؒ میری نظر میں

مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ

یہ دین جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے ہیں، اس دین متین کے تین جز ہیں: ایک جز کا تعلق ہے قلب کے یقین اور ایمان سے جس کی تشریح علمِ کلام سے متعلق ہے اور اس فن کے مدون اور جمع کرنے والے حضرات کو متکلمین کہا جاتا ہے، اور کوئی انسان اس وقت تک راہِ ہدایت پر نہیں آ سکتا، جب تک کہ وہ ''اہلِ السنۃ والجماعت'' کے طریقے کے مطابق اپنے عقائد کو درست نہ کر لے۔ اس سلسلے کے ائمہ امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ جیسے حضرات ہیں اور ان کی تعلیمات علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ نے جا بہ جا اس بات پر زور دیا ہے کہ اصلاح کے سلسلے میں سب سے پہلے ''اہل السنۃ والجماعت'' کے عقیدے کے مطابق اپنے اعتقاد کو درست کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

دین کا دوسرا جز یہ ہے کہ جس قدر اعمالِ شرعیہ بھی انجام دیے جاتے ہیں اور جو بھی احکامِ الٰہی بجالائے جاتے ہیں، ان کے متعلق حلال و حرام، مکروہ، مباح، مستحب، واجب اور فرض کی تفصیل معلوم کی جائے۔ شریعت کی اس تفصیل و تحقیق کا تعلق علمِ فقہ سے ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر (بڑا) احسان کیا جب کہ ان ہی میں سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور ان لوگوں کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چار منصب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ تلاوتِ کتاب

۲۔ تزکیہ

۳۔ تعلیم کتاب اور

۴۔ حکمت

اگلے انبیاء علیہم السلام جتنے بھی آئے ہیں، ان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور آپ آخری نبی ہیں، اب آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔

اگلے انبیاء چونکہ مختلف بستیوں کے لئے مختلف زبانوں کے لئے مختلف ممالک کے لئے ہوتے تھے اور ان کی تعلیم کو دوام نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم کی حفاظت کا انتظام بھی نہیں کیا۔ جس نبی کی تعلیم کو جس حد تک چلنا تھا اس حد تک وہ چلتی رہی اور اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے دوسری شریعت بھیجدی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابد الآباد کے لئے آئے ہیں جب تک یہ عالم قائم ہے ان کی شریعت اس وقت تک نافذ العمل رہے گی اس لئے حق تعالیٰ کی توفیق سے آپؐ کی ساری تعلیمات کی حفاظت اس امت نے خوب اچھی طرح کی۔ آپؐ کے زمانے میں ریکارڈنگ کا کوئی سلسلہ نہ تھا جو آواز کو منضبط کر لیا جاتا مگر اس امت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اس نے تلاوتِ کتاب کے سلسلہ میں حروف کی صفات، مخارج، ان کی لمبائی چوڑائی غرض وہ تمام اوصاف جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تلاوت کے اوصاف تھے آج تک بعینہٖ اسی طرح سے محفوظ ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کتاب اللہ کی تشریح میں جو کچھ کر کے دکھایا اور جو کچھ زبانی بتایا، کتاب اللہ کو جس ٹون اور لہجہ میں جس انداز اور جن صفات کے ساتھ سنایا وہ سب محفوظ ہیں اور جو کچھ اس کی تشریح میں آپؐ نے بیان فرمایا، کر کے دکھایا وہ بھی محفوظ ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے لئے محدثین نے اپنی عمریں وقف کیں، فقہا نے اپنی قوتیں اور توانائیاں اس میں لگا دیں اور مفسرین نے اس کی تشریح کو پورے طور پر محفوظ رکھا۔

تصحیح عقائد اور احکامِ شرعیہ کی تفصیل کے بعد دین کا تیسرا جزو جو سب سے اعلیٰ ہے وہ اصلاحِ باطن ہے یعنی اعمال کی اندرونی کیفیات سے متعلق ہے جس کا تعلق قلب کی اصلاح سے ہے جب قلب کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اعمالِ صالحہ سے اخلاص کی بدولت انوار پیدا ہوتے ہیں جن کی بنا پر قربِ حق نصیب ہوتا ہے اسی اخلاصِ عمل کا نام درحقیقت تصوف ہے اور جن حضرات کے حصہ میں یہ دولت آئی ہے وہ حضرات صوفیہ کہلاتے ہیں۔ متکلمین، محدثین، مفسرین، فقہا اور صوفیا، یہ وہ حضرات ہیں جو سب کے سب شریعتِ نبویؐ اور تعلیم مصطفویؐ کے حامل ہیں اور ان ہی کا صدقہ ہے کہ اس امت میں یہ دینِ حق جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اسی طرح آج بھی اپنی اصلی شان کے ساتھ قائم ہے اور ہر طبقہ کے اندر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرماتا رہتا ہے جو اس دین کے حامل ہوتے ہیں اور ان کیفیات اور تعلیمات کے علمبردار ہوتے ہیں۔ لہذا یہ دین پہلے کی طرح آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے۔ اس بات کو پھر ذہن میں رکھئے کہ عقیدے کا تعلق علم کلام سے ہے، اصلاحِ عمل کا تعلق فقہ سے اور اندرونی کیفیات کا تعلق تصوف سے۔ یہاں ہندوستان میں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت

دینے والے بہت سے بزرگ آئے اُن کی مساعی جمیلہ سے یہاں اسلام کا نور چمکا، روح کو غذا ملی۔ روحانی اصلاح کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے طائفۂ اولیا کو توفیق دی اور یہ حضرات گروہ در گروہ یہاں آتے رہے۔ پہلے اس ملک میں چشتی حضرات آئے انہی کے ساتھ فردوسی بھی آئے پھر سہروردی آئے قادری آئے، پھر آخر میں نقشبندی آئے۔

برصغیر پاک و ہند کا علاقہ اصل میں تو حضراتِ چشت اہلِ بہشت کا مفتوحہ علاقہ تھا اور اقلیم دل پر اصل فرمانروائی ان ہی کی تھی لیکن ہزارۂ دوم کے آغاز پر نقشبندی حضرات اس زور کے ساتھ یہاں آئے کہ ان کی نسبت سب پر چھا گئی۔ پوری اقلیم ہند کے اندر اُن کے بڑے بڑے خانوادوں نے دین کا نور پھیلانے میں وہ شاندار خدمات انجام دیں کہ باید و شاید۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا خاندان اس سلسلہ کا گلِ سر سبد ہے۔ ان حضرات کے بڑے اثرات و برکات ہیں جن سے ہندوستان سے لیکر کابل و خراسان تک نے یکساں فیض پایا۔ اور یہ سلسلۂ فیض روم تک پہنچا۔ پھر اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان ہوا، اس خاندان کے سب افراد اسی نقشبندی سلسلے کے حامل تھے اور ان کی غالب نسبت بھی نقشبندی نسبت ہے۔ ان حضرات سے اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف کی بھی بڑی خدمت لی اور ان کے ذریعہ ایک عالم کی تربیت بھی ہوئی۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے طفیل ولایت کا وہ سلسلہ قائم ہوا اور ایسا طبقہ پیدا ہوا کہ جن کو بہت جلد قربِ حق حاصل ہوتا چلا گیا نیز ان حضرات نے تصوف کو بھی بہت ہی قرینہ سے مرتب کیا اور خاص طریقہ سے اس کو مدون فرمایا لہذا جو حضرات اس راستے سے گذرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پہلے ولایتِ صغریٰ پھر ولایت کبریٰ اور پھر ولایتِ علیا کے مدارج کس طرح طے ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بعد پھر طریقہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ ہوئے پھر ان کے بعد شاہ غلام علی صاحب علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ کو سنبھالا پھر حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کے بعد حضرت دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور اسی سلسلہ کے ساتھ وابستہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے علم و عمل کا ظہور اُن کی جامع و بسیط تالیفات اور ان کی مخلص جماعت ہمارے سامنے ہے۔ اس جماعت کو جو کچھ بھی توفیق حاصل ہوئی ہے یہ سب اُن ہی کی صحبت کی برکت سے ہے۔

درحقیقت توبہ کرلینا، بُرائی چھوڑ کر نیکی کی طرف آجانا اور معصیت کی زندگی سے طاعت کی طرف لوٹ آنا جس بندہ خدا کی صحبت سے یہ بات پیدا ہوجائے وہ بڑا ولی اللہ ہے اور سب سے

بڑی کرامت یہی ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ (۶/۱۲۳) کیا (ایسا نہیں ہے کہ) جو شخص مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ساتھ وہ چلتا ہے) پس جو قلب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے وہ میت ہے اور جو قلب اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور ہو وہ حیّ یعنی زندہ ہے۔ لہٰذا جن بزرگوں کی صحبت میں یہ بات پیدا ہو جائے وہ ان کی سب سے بڑی کرامت ہے۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے میرا تعلق بہت پرانا تقسیم سے پہلے کا ہے۔ شروع میں تو کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ ہمارے ایک دوست مولانا ادریس صاحب دہلوی تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بخشے۔ اس زمانے میں مجھے خوشنویسوں کی وصلیوں کو دیکھنے کا شوق تھا چنانچہ مولانا ادریس صاحب سے اس کا ذکر آیا، انھوں نے کہا ہمارے ایک دوست خوشنویس ہیں آپ کو ان کے پاس لے چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ مجھ کو لیکر مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب یاد نہیں کہ مولانا اس زمانہ میں کس جگہ رہتے تھے۔ مولانا صاحبؒ سے ہماری یہ پہلی ملاقات تھی۔ مولانا کو دیکھکر جو پہلا اثر طبیعت پر ہوا وہ یہ کہ یہ مولوی صاحب خاموش طبیعت بالکل چپ رہنے والے ہیں۔ وصلیوں کے متعلق مولانا نے معذرت کر دی کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی دو ایک مرتبہ مولانا ادریس کے ہمراہ آپ کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا پھر ایک عرصہ بعد ۱۹۴۲ء میں دہلی پہنچا تو مولانا ادریس صاحب نے میری دعوت کی، اس میں حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب بھی مدعو تھے، پوری دعوت میں ہم تو زیادہ گو فضول باتیں کرنے والے تھے مگر مولانا پر وہی خاموشی کی کیفیت طاری تھی جو نقشبندیوں کی نسبت بھی ہے۔ ربودگی کی ان کے ہاں کیفیت ہی دوسری طرح کی ہوتی ہے وہاں تو "دل بیار دست بکار" کا معاملہ ہے، شاید وہ بھی اپنے اسی شغل میں ہوں گے، میں اس وادی کا شناور کیا آشنا بھی نہیں مجھے پتہ بھی نہیں تھا سمجھتا تھا کہ مولانا کم گو، بزرگ، نیک آدمی ہیں، بس شروع میں یہی ایک تاثر تھا۔

اس کے بعد پھر مولانا کو اس وقت دیکھا جب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے، خانیوال میں ذکر کرنے والوں کا حلقہ جمع تھا۔ مولانا آئے اور خاموشی کے ساتھ ذکر کے حلقہ میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اب معلوم ہوا کہ ان کو بھی اس سے بڑی مناسبت ہے۔

اس کے بعد کراچی میں منشی محمد اعلیٰ صاحب نے جب وہ جہانگیر روڈ کے کوارٹرز میں رہتے تھے دعوت کی جس میں حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب علیہ الرحمہ۔ اور مولانا زوار حسین صاحبؒ بھی تشریف فرما تھے اپنی کرم فرمائی کے سبب سے حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے مجھے بھی دعوت دیدی تھی۔ میں ٹھیرا کھانے کا رسیا دعوتوں میں شرکت موجب برکت سمجھتا ہوں فوراً آموجود ہوا۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا تو وہیں

نمازِ باجماعت ادا کی گئی۔ حضرت مولانا بدرِ عالم صاحبؒ نے نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ "بھئی کوئی صاحبِ نسبت ہوا کرے تو بتا دیا کریں"۔ اب معلوم ہوا کہ یہ خاموش بزرگ صاحب نسبت بھی ہیں ورنہ ہم تو اب تک مولانا کو بس ایک خاموش کم گو آدمی سمجھتے تھے۔ مولانا کی بزرگی کے بارے میں یہ پہلا تاثر تھا۔ پھر آہستہ آہستہ مولانا سے تعلق بڑھتا گیا۔

مولاناؒ کی ولایت اور کمالات سے متعلق تو مولانا کے خلفا اور منتسبین جانیں جنھوں نے مولانا سے استفادہ کیا ہے، مجھ پر تو مولانا کا جو سب سے بڑا تاثر ہے وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مولانا بڑے بزرگ آدمی تھے، علم سے بھی بہرہ ور تھے اور تعلق باللہ کے سلسلے میں بھی وہ مجاز اور مرشد تھے اس کے باوجود مولانا سے زندگی میں برسوں ہی تعلق رہا اور مولانا بے تکلفی کے ساتھ غریب خانہ پر رونق فرما بھی ہوتے رہتے تھے بہاولپور میں بھی یہاں بھی مگر کبھی یہ بات نہیں دیکھی کہ ان کی زبان پر کسی قسم کا اپنا کوئی تعارف آیا ہو اور اپنے آپ کو کہیں وہ سامنے لائے ہوں، یہ بہت ہی بڑی بات ہے۔ فَلَا تُزَكُّوا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (یعنی اپنے آپ کا تزکیہ مت کرو، اپنے آپ کی تعریف مت کرو، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ تم میں متقی کون ہے۔ بزرگ ہونے کے باوجود اور بڑا ہونے کے باوجود یہ کمال کہ اپنے کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے اور اپنی عظمت کو بالکل محو کر دیا جائے بہت بڑی بات ہے ورنہ عام طور پر تو جس کو اللہ تعالیٰ کچھ دیدیتا ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے اعرفونی (مجھے پہچان لیجئے مجھے پہچان لیجئے)۔ چنانچہ اب لوگوں کی یہ عام عادت سی ہوگئی ہے، مولوی ہو یا صوفی وہ اپنا تعارف کرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کورے مٹکے میں جب پانی بھرتے ہیں تو سوں سوں ضرور کرتا ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ خود اپنی کوئی کرامت بتا دیں گے کوئی کشف بتا دیں گے۔ بعض لوگوں کو ایسا بھی دیکھا ہے کہ ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اپنے قلب سے ٹھوکر دے کر بتایا کہ ہمارا قلب بھی جاری ہے۔ ہم نے مولانا کی جو صفت دیکھی وہ یہ تھی کہ ان میں ایسی باتوں کا مطلقاً شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا اور میرے نزدیک یہ سب سے بڑے کمال کی بات ہے۔ صدیقیت کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ آدمی بہت اونچا ہونے کے باوجود اپنے کو کچھ نہ سمجھے مجھے تو سب سے زیادہ مولانا کی جس چیز نے اپیل کی وہ یہی ہے۔

دوسری چیز جو مولانا میں دیکھی وہ یہ کہ پہلے تو مولانا خاموش ہی رہتے تھے مگر پھر جب تعلقات بڑھے تو مولانا کو دیکھا تقریر بھی کرتے تھے، معارف اور تصوف کے سلسلہ میں بھی گفتگو فرماتے تھے، علمی گفتگو بھی فرماتے تھے۔ مسائل کے سلسلہ میں اگر کسی عبارت میں کوئی اشکال پیش آجاتا تو پوچھنے میں

کوئی تکلف نہیں تھا۔ مسائل میں تو میرا کچھ بس نہیں چلتا تھا وہ تو میں مفتی ولی حسن صاحب کے حوالہ کر دیتا تھا۔ بہر حال مولانا میں باایں ہمہ بزرگی و علم کسی بات کے دریافت کرنے اور کسی اشکال کو پیش کر کے اس کے حل کی درخواست میں کسی قسم کی جھجک نہ تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نوازا تھا۔

تیسری بات جو اُن میں محسوس کی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی۔ چند سالوں میں ان کے قلم سے ضخیم ضخیم جلدیں نکلیں۔ تصوف کے سلسلہ میں فقہ کے سلسلہ میں۔ یہ بات ویسے تو شاید اہم نہ معلوم ہو لیکن آدمی جب تصنیف کرنے بیٹھتا ہے اس وقت اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کام کے لئے کتنا وقت درکار ہوتا ہے اور کتنی مدت صرف ہوتی ہے۔ مولانا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام اور احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں وسعت اور برکت عطا فرمائی تھی کہ یہ ضخیم ضخیم جلدیں مرتب ہو گئیں، یہ بھی میرے نزدیک ایک کرامت ہے۔ غرض ایک کرامت تو مولانا کی جماعت، دوسری ان کی بے نفسی، تیسری تصنیفات میں برکت۔ اور پھر یہ دیکھا کہ پوری زندگی میں عام طور پر من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے) کا نمونہ تھے۔ ان کی گفتگو کے اندر کبھی ادھر اُدھر کی بات ہوتی ہی نہیں تھی، کام کی بات ہوتی تھی باقی باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ یہ بھی کہنے کو تو معمولی باتیں ہیں مگر زندگی میں جب یہی چیزیں معمول بن جاتی ہیں تو یہی ولایت کی دلیل ہوتی ہیں اور مولانا کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں سے نوازا تھا جن میں سے یہ چند چیزیں بھی تھیں جو میں نے ذکر کیں اور جن کا میرے اوپر خاص اثر ہے۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے مراتب کو بلند فرمائے اور ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ رکھے، ان کے فیوض سے ہمارے قلب کو آراستہ فرمائے اور ان کی صحبت اور توجہ جیسی دنیا میں ہمارے حال پر تھی آخرت میں بھی ہمارے کام آئے اور وہ ہمارے لئے باعثِ شفاعت ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کا معاشرتی پہلو

(از جناب پروفیسر مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہ العالی)

محمد اعلیٰ صاحب کا خط میرے نام موصول ہوا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ آپ بھی شاہ صاحبؒ کے متعلق اپنے تاثرات لکھ کر بھیجیں۔ انشاءاللہ لامراد تیمناً یہ چند سطور لکھ کر میں اس باسعادت محفل میں شریک ہو رہا ہوں ورنہ درحقیقت مجھ سے فاضل تر افراد شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہتر انداز میں روشنی ڈالیں گے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد کا واقعہ ہے۔ میں شاہ ولی اللہ اورنٹیل کالج منصورہ ضلع حیدرآباد میں پرنسپل تھا۔ وہاں ایک فوجی افسر کا خط مجھے موصول ہوا۔ اس نے لکھا تھا کہ مجھے شروع ہی سے تصوف کا شوق ہے۔ مگر فوجی ملازمت اس شوق کی تکمیل میں حارج رہی ہے۔ اب میں فوج سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ اس لئے آپ مجھے کسی حق پرست پیر کا پتہ بتائیے جس کے ہاتھ پر میں بیعت ہو جاؤں۔ اس وقت میرے ذہن میں دو نام آئے، جو میں نے اس کو لکھ کر بھیج دیئے۔ ایک نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا تھا جن کی خدمت میں احقر کو نیاز حاصل تھا۔ دوسرا نام سید زوار حسین شاہ صاحب کا تھا جن سے میں ناآشنا تھا۔ اس وقت مجھے یہ بات بھی نہیں معلوم تھی کہ خود ڈاکٹر صاحب بھی شاہ صاحب کے متوسلین میں سے ہیں۔ حالات نے پھر ایسا رخ بدلا کہ جن سے میں ناواقف تھا ان سے گہری رشتہ قائم ہو گیا۔ اور پھر مجھ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

شاہ صاحب کی زندگی کے کئی رخ اور کئی پہلو ہیں۔ وہ عالم دین تھے، وہ صاحب تصنیف تھے، وہ شیخ طریقت تھے جن کے متوسلین اور مسترشدین کا حلقہ کافی وسیع ہے۔ میں شاہ صاحب کی معاشرتی زندگی کے متعلق چند باتیں پیش کروں گا۔ جن کی میری نگاہ میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

شاہ صاحب اس دور کے صاحبانِ طریقت سے کئی باتوں میں منفرد تھے۔ وہ متقی اور پرہیزگار تھے مگر غلو اور تشدد سے دور۔ جلوت اور خلوت سب جگہ یک رنگی تھی۔ ان کی زندگی خانوں میں بٹی ہوئی نہیں تھی۔ تکلفات، تصنعات اور رسومات سے خالی تھے۔ کوئی خاص امتیازی علامت ان کے یہاں نہیں تھی۔ پیروں میں ایک عادت کبر گوئی اور خودستائی کی ہوتی ہے۔ میرے خاندان میں چار پانچ پیر ہیں۔ میں ایک واقف کار کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ شاہ صاحب میں اس عادت کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ رہائش، وضع قطع، لباس، طور طریقوں میں شاہ صاحب نے عام پیروں کے رسمی اور امتیازی انداز اختیار نہیں کئے۔ وہ ایک عام مسلمان کی طرح

سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔

پیر اور علما، اپنے حلقۂ ارادت سے باہر شاذ ہی کسی سے ملتے ہیں۔ شاہ صاحب سیاسی اور مذہبی گروہ بندیوں سے لاتعلق تھے۔ وہ سب سے بلا تکلف ملتے تھے۔ ۲۵ مئی ۱۹۰۲ء کو پکے قلعہ حیدرآباد میں جماعتِ اسلامی کا اجتماع ہو رہا تھا۔ مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے شاہ صاحب وہاں اجتماع گاہ میں بلا تکلف چلے آئے۔ اس واقعہ نے میرے دل پر اثر کیا۔ میرے خسر بھوپال سے آئے تھے اور عزیز آباد میں اپنی لڑکی کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کی بیماری کے زمانہ میں شاہ صاحب کئی مرتبہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔

شاہ صاحب خوشحال تھے، خوش پوشاک تھے اور ایک متوسط درجے کے انسان کی زندگی بسر کرتے تھے جس میں سادگی تھی، نہ تکلف تھا نہ تصنع، واضح رہے کہ متقدمین میں امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ اور ان کے بعد ملتان کے سہروردیہ بزرگ بڑے خوش حال تھے اور بڑے آرام سے زندگی گزارتے تھے۔ امام غزالیؒ نے ترکِ ملازمت اختیار کرکے فقر وفاقہ کی زندگی کو زیادہ اہمیت دی۔ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم سے بعد کے آنے والے صوفیا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

شاہ صاحبؒ کی زندگی بڑے نظم وضبط کی زندگی تھی، ان کو اپنے اقوال اور افعال پر بڑا کنٹرول حاصل تھا۔ رشتہ داری کی زندگی میں کوئی موقعہ ایسا نہیں آیا کہ ان کا طرزِ عمل معیار سے فروتر رہا ہو۔ اشخاص اور افراد کے متعلق اظہارِ رائے کرنے میں وہ بڑے محتاط تھے ــــــ شاہ صاحب کم گو تھے۔ بات کرنے میں وہ پہل نہیں کرتے تھے۔ سوال کا جواب وہ مختصر انداز میں دیتے تھے۔ بعض دفعہ اس بات کے کہنے میں بھی کوئی باک نہیں تھا کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں ہے۔ گفتگو کرنے میں حیا تھی اور ایک عجیب معصومانہ انداز پایا جاتا تھا ــــــ شاہ صاحب کو اپنے جذبات پر بھی ضبط حاصل تھا۔ ملاقات کے موقعہ پر بھی یکساں رکھ رکھاؤ رہتا تھا۔ جذبات کی فراوانی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح رنج وغم کے موقعہ پر بھی غیر معمولی تاثر کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔

شاہ صاحبؒ کو فقہی مسائل کی تحقیق سے زیادہ دلچسپی تھی۔ آپ کی تصانیف بھی تصوف اور فقہ سے متعلق ہیں۔ بیشتر وقت فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ فقہ میں وہ مفتی ولی حسن صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی رائے کو زیادہ وزن دیتے تھے۔

ذھب الذین یعاش فی اکنا فھم
بقی الذین حیا تھم لا تنفع

مردِ حق آگاہ

(از جناب مولانا مظہر علی خاں صاحب - اصطفا منزل - مدینہ منورہ)

داستاں بن سکے تو لے لیجئے　　　یاد ہیں چند واقعات مجھے!

مشفقی و محبی ڈاکٹر صاحب[1] - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - نوازش نامہ نظر نواز ہو کر کاشفِ حالات ہوا - یاد آوری اور اظہارِ قرب کے لئے انتہائی مشکور ہوں اور یہ انداز نگاہوں میں ہے کہ

عبد و معبود کے توسل کا　　　عجز کو ایک واسطہ کہئے!

(۱) مخدومی شرف الدین (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کوئی مجھے جنیدِ وقت لکھتا ہے، کوئی شبلیِ دوراں کے نام سے یاد کرتا ہے اور کسی کو امام الوقت لکھنا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ میں اپنی مسلمانی کے "میم" سے نہیں بلکہ اپنے کفر کے "کاف" سے واقف نہیں ہو سکا ہوں -

(۲) مخدومی مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نفس کے اعتبار سے یہودی و نصرانی سے بھی اپنے کو بدتر خیال کرتا ہوں بلکہ کتّے سے بھی"۔

اب اگر آپ نے اسی "سنت" کو اپنایا ہے تو میرے لئے تو اور سند ہے اور مقامِ شکر بھی کہ یہ سنت الحمد للہ ثم الحمد للہ ابتک جاری اور ساری ہے۔ پھر آپ سے روحانی رشتہ، جدی رشتہ، درسی رشتہ اور ذاتی رشتہ۔ بس کیا کیا لکھوں کہ چہار جانب سے کیسی محبت کی یلغار ہے اور میرے لئے کسقدر مسرت و اطمینان کا باعث یہ تفصیل بنی ہے -

آہ! ثم آہ!! شاہ صاحب کی یاد نے پھر کروٹ لی۔ اُن کی سادگی، اخفا، خاطر، نوازش، پاسداری، ہمت افزائی، توجہ، قربت غرضکہ کس کس چیز کا ذکر کروں؟

جس سے جگرِ لالہ میں پڑ جائے وہ ٹھنڈک!　　　صحراؤں کے دل جس کو لرز جائیں وہ طوفاں!!

آخری ملاقات کے لمحات ذہن میں گھومنے لگے۔ میجر عمر صاحب افطار کے لئے لینے آئے اور پھر ہم لوگ مخدومی زوار حسین شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے دردولت پر حاضر ہوئے۔ قدرے انتظار کیا عصر کے بعد کا وقت تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وضو وغیرہ کر کے اور تیار ہو کر تشریف لائے۔ مجھے سیٹ پر بیٹھا دیکھتے ہی بڑی معذرت کرنے لگے جیسا کوئی چھوٹا بڑے سے تکلیف دہی اور انتظار کی معذرت کرتا ہے (جبکہ اس زمانے میں چھوٹے

---

[1] محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی -

بھی اس کا کہاں خیال رکھتے ہیں ؟) پاس آکر پچھلی سیٹ پر ساتھ ہی بڑے محبت کے انداز سے بیٹھ گئے، باتیں ہوتی رہیں، میں مزاج دریافت کرتا رہا اور بڑے سکون اور تشکر آمیز انداز سے جواب دیتے رہے۔ پھر عمر صاحب کے گھر پاپوش نگر پہنچے، گھلے ملے ہمیشہ کی طرح باتیں کرتے رہے۔ اذان کے وقت چیزیں پیش کی گئیں۔ فرمایا۔ پرہیز ہے، البتہ پھل کھا لوں گا۔ پیروں پر حسبِ سابق ورم ہے۔ تکلیف چہرے سے ظاہر لیکن دعوت کی سنت پوری ہو رہی ہے۔ نماز کے لئے عرض کیا تو علالت کی معذرت کی اور مجھ سے بڑی محبت سے امامت کے لئے فرمایا اور میں "الامر فوق الادب" کے تحت آگے بڑھا۔ فراغت کے بعد کچھ نوش فرمایا۔ اظہارِ تکلیف کو چھپاتے ہی رہے اور قبل عشاء واپسی میں ساتھ ہوا اور پھر گھر پہنچ کر بڑی شفقت سے رخصت ہوئے اس کے بعد مدینہ شریف میں خبر پہنچی کہ واصل بحق ہو گئے۔

ایک مرتبہ میں ملاقات کے لئے کافی سال ہوئے حاضر ہوا تھا، گھر پر موجود نہ تھے۔ شام کو دیکھا کہ عمر صاحب کے ساتھ اسکوٹر پر غریب خانہ پر تشریف لے آئے۔ میں نے شرمندگی اور زحمت کا اظہار کیا۔ بڑی شفقت سے فرمایا "کیوں آپ آسکتے ہیں تو کیا میں نہیں آسکتا؟" اس انداز نے پورے جسم میں ایک ٹھنڈک محسوس کی۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر منظور صاحب کے ہاں محفل میں ساتھ ہوا۔ میری تقریر تھی۔ بڑے ذوق سے سنی، ختم پر ہنس کر فرمایا کہ "آپ کو اشعار بڑے اعلیٰ معیار کے یاد ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ایک وقت میں اتنے معیاری اشعار پڑھنے کو مل جاتے اور سب کو فائدہ ہوتا!" یعنی چھپ جاتے۔ جب کوئی کتاب چھپتی اور ملاقات ہوتی تو خود نوازتے ورنہ مدینہ شریف میں اصطفا منزل میں بھجوایا کرتے۔ کس کس چیز کا ذکر کروں اور کہاں تک؟

مدینہ شریف میں اصطفا منزل میں کئی مرتبہ قیام کیا۔ لوگوں کے سلسلہ میں بھی تعارفی خطوط لکھا کرتے تھے۔ ایک دن مخدومی و محترمی عبدالحئی صاحب کے درِ دولت سے واپسی پر ساتھ ہوا۔ ہم لوگ حرم شریف جا رہے تھے۔ میں نے جماعتوں کی افراط و تفریط کا ذکر کیا ہنس کے فرمایا انہی شدتوں نے بڑا نقصان کیا ہے! جو مزاج میں اوسط کا انداز تھا وہی تحریر و تقریر میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کبھی ہفتہ واری محفلوں میں درِ دولت پر بھی حاضر ہوا۔ شفقت فرماتے تھے اور قریب بٹھاتے تھے۔ وہی ولیوں والا اخلاق، ایثار، انکساری، خدمت، اتباعِ سنت، محبت، عمل، معمولات ــــ غرضکہ اخلاقِ نبوی کا نمونہ تھے، بے ضرورت بات نہیں، بے موقع اشارہ بھی نہیں اور موقع پر خود مخاطب کرتے تھے۔ کبھی کبھی مجھ سے علمی باتیں بھی کرتے اگرچہ من آنم و من دانم والا معاملہ ہے۔ اور اُن کی علمی خدمات ظاہر و معلوم ہیں اور علمی دنیا کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے اور روحانیت کا مقام بھی صاحبِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں ـــــــ

خاکسار تو فرمانِ نبویؐ کے تحت اتنا ہی عرض کر سکتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے کہ "جس کی اچھائی کی گواہی اکثریت دے وہ جنتی ہے"۔ اور شاہ صاحب کو تو حاضر و غائب میں کسی ایک شخص کو بھی تعریفی کلمات کے علاوہ کچھ کہتے نہیں سنا ہے اور یہی ان کی روحانی، عملی، علمی کارناموں کو سرفہرست لانے کے لئے بہت کافی ہے۔ ان کے سلسلہ میں بھلا میں کیا لکھ سکتا ہوں۔ ہاں! ایک بزرگ دوست، مخلص، مشفق کے متعلق کچھ اظہار کر کے اپنی انتہائی سعادت سمجھ رہا ہوں کہ بزرگوں کا ذکر بھی ایک روحانی تسکین ہے کہ ع

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے!

اسی سلسلہ میں ایک دوسرے مشفق صوفی محمد احمد صاحب بھی یاد آگئے جن سے مخرمی کاٹریا صاحب (جو شاہ صاحب کی صحبت میں طویل عرصہ رہے) ملانے لے گئے تھے۔ اس وقت ان کی بینائی متاثر تھی کافی دیر تک اور کئی مرتبہ باہمی دلچسپی کا اظہار کرتے رہے اور بڑی شفقت و مسرت کا اظہار فرمایا۔ ان میں بھی وہی درویشانہ بانکپن موجود تھا جس سے روح کو لذت، دل کی تقویت کا سامان مہیا ہوتا رہتا تھا۔

اور اب مخدومی ڈاکٹر صاحب (غلام مصطفٰے صاحب حیدرآباد) ڈاکٹر گاندھی صاحب کراچی وغیرہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عالم، عامل اور مخلص ہستیوں کی کمی ظاہر و معلوم ہے۔ لیکن معدوم نہ ہوں گے۔ بقول فرمانِ نبویؐ "جب تک آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین سے غلہ اگتا رہے سمجھ لے کہ دنیا میں اولیا موجود ہیں"۔ اور ولی کی دوسری مختصر تعریف ان کا "خادم" ہونا ہی ہے ورنہ مخدومیت کے لباس میں تو بڑے بڑے لوگ کپڑوں اور لباسوں، جبّوں اور دستاروں میں ملبوس نظر آتے ہیں جس کی خبر اب سے بہت پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے وعظ میں فرمائی ہے کہ "یہ ایک ایسی چیز ہے جو کپڑوں کے رنگ لینے، چہروں کو متغیر کرنے، مونڈھوں کو جھکانے، ہتھیلیوں کے زرد کر لینے، تسبیح و تہلیل میں انگلیاں ہلانے، حکایات بزرگانِ دین اور احادیثِ نبویؐ بیان کرنے سے نہیں حاصل ہوتی، یہ تو خود کو پہچان لینے سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ تھوڑی سی باتیں تھیں جو حکماً پیشِ خدمت کر دی ہیں ورنہ "سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے"

زیادہ حد ادب۔ طالبِ دعا۔ خیر طلب

مظہر مدنی

تاثرات وجذبات

(از حضرت مولانا محمد محبوب الٰہی صاحب مدظلہ، ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور)

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات بندہ کمترین لاشئے مسکین محمد محبوب الٰہی عفی عنہ کی جانب سے مخدومی محبی حاجی محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ ملاحظہ فرمائیں کہ گرامی نامہ بحالت عین انتظار پہنچ کر موجب تشفی واطمینان ہوا چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ سے آپ کا واسطہ بہت قوی تھا اور ہے اس لئے مجھے فکر تھی کہ اس صدمہ نے آپ کا نہ معلوم کیا حال بنا دیا ہوگا۔ گرامی نامہ پڑھ کر اطمینان ہوا کہ ماشاء اللہ آپ راضی برضائے الٰہی ہیں۔ سبحان اللہ۔

ماہنامہ ''بینات'' میں تو میں نے آپ کے قلمبند کردہ احوال پڑھ لئے ہیں اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق خاندانی نیز دہلی میں ملازمت وغیرہ کے احوال بھی معلوم ہوگئے ہیں جن میں بعض نئے ہیں اور تازہ ہیں۔ آپ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فقیر کے تاثرات وجذبات اور روابط وغیرہ قلمبند کرنے کے لئے تحریر فرمایا ہے چنانچہ عرض ہے کہ فقیر کو خوب یاد ہے کہ دہلی میں ایم بی اسکول میں ملازمت کے زمانے میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کبھی کبھی مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی کے شعبۂ فاضل میں جس کا ایک مدرس یہ عاجز تھا تشریف لاکر فقیر کے شاگرد خاص مولانا محمد ادریس صاحب مرحوم سے ملاقات وگفتگو کیا کرتے تھے اس وقت سے ہی فقیر ان کے چہرہ پر انوار ولایت مشاہدہ کرتا تھا لیکن ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد یہ عاجز لاہور آکر مقیم ہوگیا اور شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق کچھ علم نہ ہوسکا کہ کہاں مقیم ہیں۔

۱۹۵۰ء میں جب بتوفیق اللہ تعالیٰ حضرت نائب قیوم زماں مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند سے ایک دوست کے ذریعہ تعارف ہوا پھر لاہور میں ہی ان کی تشریف آوری پر ملاقات ہوئی احوال سنیہ حضرت صاحب موصوف دیکھکر اور کچھ مکتوبات مجددیہ اور تحفۂ سعدیہ (در حالات ومقامات بانی خانقاہ سراجیہ مجددیہ، کندیاں ضلع میانوالی) کا مطالعہ کرکے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت صاحب موصوف کے دست حق پرست پر بیعت ہوجانے کا جذبہ پیدا ہوگیا اور بتوفیق اللہ تعالیٰ ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۳۷۰ھ کو بوقت فجر سعادت بیعت حاصل ہونے کے فوراً بعد مراقبہ میں سر بالی ذکر ذات کا احساس پیدا ہوگیا اس کے بعد ایک الہامانہ انداز میں حضرت نائب قیوم زمانؒ کی خدمت میں خانقاہ پاک بکرات وبرات جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ اسی زمانے میں فقیر نے علاقہ بہاولپور میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد وتبلیغ طریقہ کا چرچا سنا۔ تاحال شناختہ گفتگو کا موقع نہ ملا تھا۔

کراچی جانا ہوا تو فقیر کے ہمشیرزادہ محمد اخلاق مرحوم نے جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سے اپنی عقیدت و

محبت کا ذکر کیا تو فقیر کو اشتیاق پیدا ہوا کہ ان سے ملاقات کی جائے لہذا ہم دونوں آرام باغ بس اسٹاپ پر پہنچے اور پیر الٰہی بخش کالونی جانے والی بس کا انتظار کرنے لگے۔ اسی انتظار میں تھے کہ حسن اتفاق سے ڈاکٹر صاحب موصوف کو پیر کالونی سے آنے والی بس سے اترتا ہوا دیکھا تو ہم دونوں وہیں رک گئے۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی جو بہت متواضعانہ اور بزرگانہ انداز میں ملاقی ہوئے اور آرام باغ کی مسجد میں چند منٹ ٹھہر کر گفتگو فرمائی اور ٹھنڈی بوتل بھی اپنی طرف سے ہم دونوں کو پلائی۔ اثنائے گفتگو میں انھوں نے عاجز کے پیر و مرشد حضرت نائب قیوم زمانؒ سے اپنی ملاقات کا اور ان کے قلب سے اپنے قلب پر انوار نازل ہونے کا ذکر کیا تو ایک عجیب کیفیت سرشاری میں عاجز کو اپنے شیخ سے مزید عقیدت بڑھی پھر اسی ملاقات میں یا دوسری ملاقات میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ذکر خیر فرمایا کہ ان کا قیام جیکب لائن ٹاور والی ہیں ہے اور اشاعت طریقہ پاک میں سرگرم ہیں۔ اس قسم کے احوال ڈاکٹر صاحب موصوف کی زبانی سنکر فقیر کو بھی اشتیاق پیدا ہوا کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے مشافہۃً گفتگو ہو تو بہتر ہے۔ یہ موقع فقیر کو حاجی محمد اعلیٰ کے دولت خانہ پر نصیب ہوا۔

ہوا یہ کہ فقیر حاجی محمد اعلیٰ صاحب کو ساتھ لیکر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے دولت کدہ کی طرف جارہا تھا کہ راستہ میں گھر کے قریب ہی دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لارہے ہیں، ملاقات کے بعد حاجی محمد اعلیٰ کے مکان پر نشست ہوئی اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب منگلوریؒ کی مخصوص چائے کی پیالی جو حاجی صاحب موصوف کے پاس بطور تبرک تھی اس میں ہی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے چائے نوش فرمائی اور فقیر نے بھی اس پیالی میں چائے پی۔ یہ ملاقات اور زیارت فقیر نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی پُر رعب شخصیت کے ساتھ کی۔ باوجودیکہ فقیر کو معلوم تھا کہ جب تک سلوک مکمل نہ ہو جائے درویش کو اپنے شیخ کے سوا کسی دوسرے طریقہ کے یا اپنے طریقہ کے کسی اور شیخ سے ملنا نہیں چاہئے کیونکہ اس سے قبلۂ توجہ منتشر ہو جانے کی وجہ سے بقول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرؒ کا اندیشہ ہے۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے اس کے بعد بھی کئی بار ملاقاتیں ہوئیں آپ کی صحبت سے ادراکِ فیض بھی ہوا مگر قبلۂ توجہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

فقیر کو جب ماہ نامہ "بینات" سے ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ کو آپ کی رحلت کا حال معلوم ہوا تو بہت رنج ہوا اور فوراً بقدر توفیق ایصالِ ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات و مراتبِ قرب سے سرفراز فرمائے اور سب پسماندگان کو جن میں نسبی اولاد کے علاوہ جملہ متوسلین شامل ہیں صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات اور تاثرات

(از جناب حافظ رشید احمد ارشد صاحب سابق صدر شعبۂ عربی کراچی یونیورسٹی)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ سے میری ملاقات غالباً ۱۹۳۸ء میں دہلی میں اس وقت ہوئی جب ہم دونوں دہلی میونسپل بورڈ کے ماتحت دو مختلف اسکولوں میں معلم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اسی زمانے میں جب میونسپل بورڈ کا کوئی تعلیمی جلسہ ہوا تو اس وقت ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوئے یہ ایک سرسری ملاقات تھی تاہم آپ کی نورانی شکل و صورت نے پہلی نگاہ میں مجھے بیحد متاثر کیا۔ بعد ازاں میں نے اسی بورڈ کے تعلیمی اجتماع کی مطبوعہ روداد میں حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک مضمون پڑھا جو "اردو خوشخطی" عنوان پر لکھا ہوا تھا، اس سے بھی میں بہت متاثر ہوا۔

حضرت شاہ صاحب کابلی گیٹ دہلی کے میونسپل اسکول میں فارسی کے مدرس تھے اور ملازمت میں مجھ سے سینیر تھے کیونکہ میں پنجاب میں ریاست کپور تھلہ کے ایک ہائی اسکول کی ملازمت چھوڑ کر دہلی آیا تھا اور سب سے پہلے سبزی منڈی دہلی کے ایک میونسپل اسکول میں عربی کا معلم مقرر ہوا تھا پھر میرا پہاڑ گنج کے اسکول میں تبادلہ ہو گیا تھا وہاں بھی میں عربی کے معلم کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔

حضرت شاہ صاحبؒ تقسیم ہندوستان تک کابلی گیٹ دہلی کے اسکول میں کام کرتے رہے تھے، غالباً میری حضرت شاہ صاحبؒ سے دہلی میں صرف دو تین دفعہ ملاقات ہوئی ہوگی۔ آپ کو پہلی دفعہ دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ نہایت خاموش طبع سنجیدہ اور نیک طینت انسان ہیں اس زمانے میں بھی غالباً آپ کی ڈاڑھی گھنی تھی اور نورانی شکل و صورت تھی۔ تاہم مجھے آخر وقت تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے منسلک ہیں اور لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔

پاکستان میں ملاقات جب میں ۱۹۴۷ء کے آخر میں پاکستان آیا اور سینٹرل گورنمنٹ ہائی اسکول جیکب لائن کراچی میں معلم عربی کی حیثیت سے کام کرنے لگا تو وہاں صوفی محمد احمد صاحبؒ بھی ملازم تھے۔ ایک دفعہ صوفی صاحب نے کسی شخص سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ کا نام لیا۔ آپ کا نام سن کر میں چونکا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صوفی صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے مرید ہیں۔

اس زمانے میں صوفی محمد احمد صاحب کراچی میں مارٹن روڈ کے کوارٹر میں سنہری مسجد کے قریب رہتے تھے اور میں بھی مارٹن روڈ کے ایک سرکاری کوارٹر میں اُن کے قریب رہتا تھا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ

صوفی صاحب کے کوارٹر میں شام کو حلقۂ ذکر ہوتا ہے اور حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب اس حلقۂ ذکر کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ چونکہ میں دونوں حضرات سے متعارف تھا اس لئے ایک دو دفعہ ملاقات کے لئے گیا وہاں حضرت شاہ صاحبؒ مجھ سے ایسے خلوص و مودت سے ملے جیسے کہ برسوں سے مجھ سے گہرے تعلقات ہوں حالانکہ دہلی میں آپ سے میری ملاقاتیں سرسری اور سرراہے ہوتی تھیں۔

ایک دفعہ بعد نماز مغرب سنہری مسجد سے نکلتے ہوئے میری حضرت شاہ صاحبؒ سے اتفاقیہ ملاقات ہوئی اس وقت آپ اپنے مریدوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ صوفی محمد احمد صاحب کے مکان کی طرف لوٹ رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ مجھے دیکھ کر بڑے تپاک کے ساتھ ملے اور مجھ سے گفتگو فرماتے رہے آپ کے پیچھے مریدوں کی جماعت لمبی قطار میں ادب و احترام کے ساتھ کھڑی رہی، میں اس خیال سے کہ آپ کے مریدوں کو زحمتِ انتظار نہ ہو جلد ہی آپ سے رخصت ہو گیا۔

پاکستان کے ابتدائی سالوں میں حضرت شاہ صاحبؒ ریاست بھاول پور کے ایک قصبہ خیر پور ٹامیوالی میں مقیم تھے اور کراچی میں اپنے مریدوں کی نگرانی کے لئے کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے مگر جب آپ نے ناظم آباد میں اپنا مکان بنوا لیا تو مستقل طور پر کراچی ہی میں رہنے لگے تھے۔ وہاں بھی میں حاجی محمد اعلیٰ کے ساتھ کبھی کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ابھی تک میں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت نہیں کی تھی تاہم ملاقات کے لئے کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا۔ بیعت نہ کرنے کے باوجود آپ اس خاکسار پر بیحد توجہ فرماتے تھے اور جب کبھی میں حاضر ہوتا تھا تو صرف میری طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرماتے تھے۔

مرشد کامل کی تلاش کسی زمانے میں مجھے مرشد کامل کی تلاش رہی کیونکہ مجھے کئی رات ایسے خواب آئے تھے جن میں ہمیشہ میں راستہ بھول جاتا تھا اور بھٹک کر "گم کردہ راہ" ہو جاتا تھا جب میں حاجی محمد اعلیٰ صاحب سے ایسے خوابوں کا تذکرہ کرتا تھا تو وہ مجھے ہدایت فرماتے تھے کہ میں کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لوں انھوں نے اس مقصد کے لئے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنیؒ کا نام بھی لیا مگر ایسے حالات پیش آتے رہے کہ جب کبھی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی کراچی تشریف لاتے تھے تو مجھے ان کی آمد کا علم نہیں ہوتا تھا اور جب علم ہوتا تھا تو پتہ چلتا تھا کہ وہ کراچی سے تشریف لے جا چکے ہیں یوں ان سے ملاقات ممکن نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کا اسم مبارک میرے ذہن میں محفوظ تھا اور میرے کئی رفقائے کار آپ کے مرید تھے اس لئے غور و فکر اور شرح صدر کے بعد میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ میں حاجی محمد اعلیٰ کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان واقع ناظم آباد جا کر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لوں جب ہم آپ کے گھر پہنچے اور میں نے اپنے اس مقصد کا اظہار کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہوئے

فرمانے لگے "آپ خود عالم ہیں اس لئے میرے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ میں آپ سے بیعت لوں" بہرحال میرے اصرار پر آپ نے مسنون طریقے کے مطابق بیعت لی بعد ازاں ذکرِ قلبی اور درود و استغفار بکثرت پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

چونکہ میری اہلیہ بھی عرصہ دراز سے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتی تھیں اس لئے جلد ہی میں نے حضرت شاہ صاحبؒ، حاجی محمد اعلیٰ اور مفتی ولی حسن صاحب کو گھر پر مدعو کر کے اپنی اہلیہ، دختر، بڑی بہو، دو لڑکوں اور ایک برادر نسبتی کو آپ کے دست مبارک پر بیعت کرائی۔

گھٹنوں کی تکالیف اور دیگر عوارض کی وجہ سے میرا چلنا پھرنا اور حاضر ہونا جلد ممکن نہ تھا اس لئے آپ نے از راہِ نوازش ہر جمعرات کو حلقۂ ذکر میں حاضری سے مجھے مستثنیٰ کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب کبھی سہولت ہو حاضر ہو سکتا ہوں میرے لئے کسی مدت یا زمانے کی قید نہیں تھی۔ تاہم جب کبھی میں حاضرِ خدمت ہوتا تو اس خاکسار پر حضرت شاہ صاحبؒ بیحد توجہ دیتے تھے اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ لیکن دیگر حاضرین کی ضروریات کی خاطر میں جلد رخصت ہونے کی کوشش کرتا تھا۔

ابتدائی تعلیمات بہرحال مجھے افسوس رہا کہ میں اپنی تکالیف کی وجہ سے زیادہ حاضرِ خدمت نہیں ہو سکا اس اثنا میں آپ نے لطائفِ ستہ کی تکمیل فرما دی تھی جو ایک مبتدی سالک کے لئے ضروری ہے مگر ابھی تصوف و سلوک کی بہت سی منزلیں باقی ہیں جو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکیں اور آخر وقت تک میں ایک مبتدی سالک ہی رہا۔ ہمارے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ آپ اسقدر جلد ہم سے رخصت ہو جائیں گے اور آپ کا روحانی سایہ ہم پر قائم نہیں رہے گا۔ بہرحال ان ابتدائی تعلیمات کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے پابندیٔ صوم و صلوٰۃ کے ساتھ اوراد و وظائف اور ذکر و شغل کا شوق پیدا ہوا۔ بیماری اور تکالیف کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ نے زیادہ اوراد و وظائف کی تلقین نہیں کی صرف ذکرِ قلبی اور بکثرت درود و استغفار کی پابندی کرنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ اس لئے میں نے لطائفِ ستہ کے ساتھ ذکرِ قلبی اور درود و استغفار کا ورد کرنے ہی پر اکتفا کیا۔ آپ کے روحانی تصرف کی بدولت میں نے حج و عمرہ کرنے کا عزمِ مصمم کیا اور آخر کار اپنی اہلیہ کے ساتھ حج و عمرہ کرنے کی ۱۹۷۵ء میں سعادت حاصل ہوئی۔ اس سلسلے میں آپ نے جو مفید مشورے دیئے تھے وہ میرے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئے اور حج کے موقع پر مجھے غیبی امداد حاصل ہوئی اور میں نے نہایت سہولت کے ساتھ حج کر لیا۔

وفات آخر زمانے میں جب آپ بیمار ہوئے تو ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ آپ اسی بیماری میں دنیا سے رخصت ہو جائیں گے کیونکہ ہم آپ کی عیادت کے لئے جانے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ ایک دن حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے آکر ہمیں اچانک اطلاع دی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فوراً ہم آپ کے گھر حاضر ہوئے جب غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد آپ کی زیارت کرائی گئی تو ہم نے یہ دیکھا کہ آپ نہایت سکون کے ساتھ آرام فرما رہے ہیں اور آپ کا روئے مبارک خنداں اور مسکراتا ہوا تھا جیسا کہ نیک، صالح اور بزرگ حضرات کی نشانی ہوتی ہے، خدا آپ کے درجات جنت الفردوس میں بلند کرے۔

اوصافِ حمیدہ حضرت شاہ صاحبؒ کے اوصافِ حمیدہ اور فضائل و خصائل کو بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے، یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ میرے پیر و مرشد تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ جیسے نیک اور صالح و شریف انسان اس سے پہلے کم دیکھے تھے۔ جب تقریباً نصف صدی پیشتر میں نے سب سے پہلے دہلی میں آپ کا دیدار کیا تھا تو اس وقت آپ میرے لئے بالکل اجنبی تھے مگر آپ کو دیکھ کر آپ کی نورانی شکل و صورت سے بہت متاثر ہوا تھا اس کے بعد جب کبھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو سمجھتا تھا کہ اس خاکسار پر آپ کی عنایت و شفقت سب سے زیادہ ہے اور آپ ایک پیر و مرشد کی طرح نہیں بلکہ ایک بے تکلف مخلص دوست کی طرح گفتگو فرماتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شفقت و عنایت ہر ایک چھوٹے بڑے شخص کے ساتھ ایسی ہوتی تھی۔ عام پیروں کی طرح آپ کے اندر مشیخت اور غرور و تکبر نام کو بھی نہ تھا بلکہ آپ نہایت سادہ اور منکسر المزاج انسان تھے، ہر شخص سے خنداں پیشانی کے ساتھ ملتے تھے اور ان کے سوالات کا نہایت تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

علمی تصانیف آپ کی علمی، روحانی اور فقہی قابلیت کا ثبوت آپ کی تصانیف ہیں چنانچہ عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ آپ کا سلسلۂ تصنیف و تالیف بھی آخری وقت تک جاری رہا اور اس مختصر حیاتِ مستعار میں آپ متعدد بلند پایہ تصانیف اپنی یادگار میں چھوڑ گئے ہیں۔ عمدۃ السلوک، عمدۃ الفقہ، زبدۃ الفقہ اور حیات حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کے مایۂ ناز شاہکار ہیں۔ آپ سلوک و تصوف کے دقیق مسائل کو بھی اس قدر آسان زبان اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان فرماتے تھے کہ ایک عام آدمی اور معمولی لکھا پڑھا انسان آسانی سے انہیں سمجھ جاتا تھا۔ عمدۃ الفقہ کئی جلدوں میں ہے اس میں تمام متعلقہ مسائل کو جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے کئی دفعہ مجھے کسی فقہی مسئلہ کی ضرورت ہوئی اور میں نے کئی مشہور کتب میں اس کو تلاش کیا تو وہاں مجھے وہ مسئلہ نہیں مل سکا مگر جب آپ کی کتاب عمدۃ الفقہ میں اسے تلاش کیا تو فوراً مل گیا یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ حیات مجددؒ بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالات اور تعلیمات پر حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کی دیگر کتب مع ترجمہ شائع کرائی ہیں اور مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے حالات و تعلیمات پر نہایت محنت اور تحقیق کے ساتھ کتابیں شائع فرمائی تھیں۔ آپ نے مکتوباتِ معصومیہ کے تینوں دفتروں کا اردو میں ترجمہ شائع فرمایا اور اب آپ کی وفات کے بعد آپ کی آخری تصنیف انوارِ معصومیہ شائع ہوئی ہے۔

جذبات و تاثرات

(از جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی مدیر ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور)

(محترم جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی مدظلہ العالی کو جب اس عاجز کے عریضہ سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی رحلت کا علم ہوا تو اس کے جواب میں رنج والم بھرا ایک مختصر گرامی نامہ اس عاجز کے نام ارسال فرمایا اور جیسا کہ مکتوب گرامی میں تحریر ہے اسی وقت اپنے جذبات و تاثرات کو قلمبند کر کے اپنے ہفت روزہ "خدام الدین" میں شائع کر دیا۔ پھر اس عاجز کی درخواست پر سوانح کے لئے ایک مبسوط مضمون تحریر فرمایا جس کا عنوان ہے "حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی احسانات"۔ آپ کی یہ تینوں تحریریں پیش کی جاتی ہیں۔" (مرتب)

مکتوب گرامی

مکرم و محترم زیدت معالیکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا مختصر گرامی نامہ ملا۔ کتابوں کا بہر حال شکریہ، لیکن اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق جو خبر تھی اس نے ہلا کر رکھ دیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ڈیڑھ ماہ بعد اس حادثہ کی اطلاع ہو رہی ہے اپنی دلی کیفیات آپ کو بتا نہیں سکتا۔ کانپتی قلم کے ساتھ ایک مختصر نوٹ لکھ کر کاتب صاحب کے سپرد کر دیا ہے۔ اگر آپ یا حضرت کا کوئی دوسرا متعلق ایک مفصل مضمون لکھ کر ارسال فرما سکیں تو کرم ہوگا تاکہ میں چھاپ سکوں۔ اگر مفصل مضمون نہ ہو تو نوٹس مجھے ارسال کر دیں میں مضمون تیار کر لوں گا بہر حال کوئی شکل ہو منتظر رہوں گا۔

ایک نادرۂ روزگار ہستی کا سانحۂ ارتحال ہمارے مخدوم و کرم فرما جناب محمد اعلیٰ صاحب ناظم ادارہ مجددیہ کراچی کا گرامی نامہ محررہ ۱۳ ستمبر کل ہی موصول ہوا جس سے یہ جانکاہ خبر معلوم ہوئی کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے گل سرسبد اور عظیم المرتبت دینی و علمی رہنما مصنف، علام حضرت الشیخ مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ ۲۲ رمضان المبارک بعمر ۶۹ سال طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے ــــ خبر پڑھ کر دل پر بجلی گری اور پھر اس بات کا شدید احساس ہوا کہ قریباً ڈیڑھ ماہ بعد اس حادثہ کی اطلاع ہو رہی ہے ــ

حضرت شاہ صاحبؒ سے احقر کی ملاقات محض ایک مرتبہ ہوئی۔ خط کے ذریعہ چند بار ملاقات ہوئی۔ احقر کی درخواست پر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری قدس سرہ پر اپنا گراں قدر مقالہ "بنوری نمبر" کے لئے ارسال فرمایا۔ ہم نے حضرت بنوری نمبر

اور پھر حضرت لاہوری نمبر اُن کی خدمت میں ارسال کئے بہت خوش ہوئے۔ ڈھیروں دعائیں دیں۔

حضرت والا نے حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سوانح و تعلیمات پر گراں قدر کتاب لکھی جس کی مثال اردو لٹریچر میں کم ہی ملے گی۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے خلف الرشید اور علمی وارث حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ کیا جو ایک شاہکار ہے اور چھپ چکا ہے۔ "عمدۃ الفقہ" کے نام سے فقہی مسائل پر چند جلدوں میں مبسوط کتاب لکھی جس کا خلاصہ "زبدۃ الفقہ" کے نام سے کیا۔ دونوں چھپ چکی ہیں اور بھی آپ کے قلم سے بہت کچھ نکلا ہے۔ اس دور میں ایسے صاحب دل حضرات خال خال نظر آتے ہیں۔ قلم میں اس صدمہ کی برداشت کا یارا نہیں۔ رُواں رواں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور ان کی جسمانی و روحانی اولاد کو صبر و اجر کی نعمت نصیب ہو۔ غمزدہ علوی (بشکریہ "خدام الدین" لاہور)

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی احسانات

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ سے احقر کی ملاقات تو غالباً دو ہی مرتبہ ہوئی لیکن ان کے علم و فضل کا شہرہ ایک عرصہ سے سن رکھا تھا۔ اور اس کا سبب دو بزرگ تھے ایک حضرت مولانا السید محمد یوسف بنوری قدس سرہ دوسرے حضرت مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا بنوریؒ کی ذاتِ گرامی سے کون واقف نہیں؟ کہنا چاہیے کہ وہ امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ کے علوم کے حقیقی وارث تھے۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین نگینوی مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہما کے وہ فیض یافتہ تھے، عرب و عجم میں ان کا احترام تھا اور اہل علم ان کے قدردان۔ زندگی کے آخری سالوں میں حضرت امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کی قائم کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر رہے اور انہی کے دورِ امارت میں ۱۹۷۴ء کی تحریک مقدسہ ختم نبوت بھی ہوئی جس کے موقعہ پر علاوہ مجلس امارت کے تمام ملکی پارٹیوں کی مجلس عمل کے وہ سربراہ رہے۔ انہی مولانا بنوریؒ کے قلم سے ان کے ماہنامہ "بینات" میں شاہ صاحب مرحوم کی کتاب "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ" پر تبصرہ پڑھا۔ مولانا نے جس انداز سے تبصرہ کیا اس نے مجھے شدید متاثر کیا اور میں اس نادیدہ مصنف کی کتاب خریدنے فوراً بازار چلا گیا۔ یاد پڑتا ہے کہ ۸۳۲ صفحات کی (درمیانہ سائز) یہ کتاب چار پانچ دنوں میں پڑھ کر دم لیا۔ مولانا بنوری نے کتاب کا جس انداز سے تعارف کرایا تھا کتاب اس کی ہو بہو تصویر تھی۔ احقر نے تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے حضرت الامام مجدد قدس سرہ سے متعلق بہت کچھ پڑھا تھا لیکن مجھے اس کتاب نے بے حد متاثر کیا اور میرے دل میں خواہش پیدا ہونے لگی کہ صاحب کتاب کی زیارت کروں لیکن یہ مرحلہ بڑی

دیر بعد آیا جس کا ذکر میں آئندہ چل کر کروں گا۔

دوسرے بزرگ جنھوں نے میری توجہ شاہ صاحبؒ کی طرف مبذول کرائی وہ میرے محترم بزرگ حافظ ریاض احمد اشرفی تھے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ، نقشبندی سلسلہ سے متعلق، روزنامہ جنگ راولپنڈی کے ایگزیکٹو ایڈیٹر، مرنجاں مرنج، ذاتی لائبریری بے مثال کتابوں کے شیدائی اور قدردان، میرے والد بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی دام مجدہم کے راولپنڈی میں مخلص ترین دوست، ایسے دوست کہ حقیقی بھائیوں میں ایسا پیار خال خال نظر آئے، اسی ناطہ سے ان کی ہم پر نظر شفقت تھی۔ متعدد علمی مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتا۔ ایک دن نماز سے متعلق میں نے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو ایک کتاب نکال لائے، نام عمدۃ الفقہ مصنف کا نام مولانا سید زوار حسین شاہؒ صاحب۔ حافظ صاحبؒ کی عادت تھی کہ جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو کتاب دیکھ کر بتاتے۔ علم مستحضر تھا، اپنی وسیع و عریض لائبریری پر نظر تھی، بنیادی ماخذ کی کتابیں بکثرت تھیں یہی اصل سرمایہ تھا اور بغیر نام و نمبر ہر کتاب کا انھیں علم تھا ایک دم ہاتھ ڈالتے اور کتاب نکال لاتے، اردو کی اچھی کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا انہی میں عمدۃ الفقہ تھی، متعلقہ صفحہ کھول میرے سامنے رکھ دیا مجھے اطمینان ہوگیا پھر فرمانے لگے کہ مصنف غضب کے آدمی ہیں بڑے "لکھاڑ" ہیں، جزئیات پر بھرپور نظر ہے، اتنی مستند اور جامع کتاب میں نے نہیں دیکھی اور پھر خوشی یہ ہے کہ اپنے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ ہیں۔ بات آئی گئی ہوئی ـــ احقر ۱۹۷۴ء کے آخر میں لاہور آگیا، یہاں آکر کراچی کے ایک صاحب نعمت اللہ قادری سے ملاقات ہوئی۔ ابو معاویہ متعارف نام تھا، کتابوں کا دھندا، اسی دھندے میں کراچی سے پشاور تک دوڑتے، ان کا میرا تعلق مثالی ہوگیا حتیٰ کہ میں ان کے احسانات تلے دب گیا، اچھے افراد سے ملانا اور اچھی کتابیں فراہم کرنا ان کا کام تھا، افسوس سال گذشتہ کراچی میں ایک حادثہ کا شکار ہوکر شہید ہوگئے فرحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان سے میں نے عمدۃ الفقہ کا ذکر کیا کہنے لگے کراچی آؤگے تو بات کریں گے تاآں کہ حضرت مولانا بنوری کا انتقال ہوگیا۔ احقر نے مولانا عبیداللہ انور کے ایماء سے خدام الدین کے مولانا بنوری نمبر کا اعلان کردیا اسی سلسلہ میں کراچی کا چودہ[14] دن کا سفر کیا جن حضرات سے بطور خاص ملنا مقصود تھا ان میں حضرت شاہ صاحب مرحوم کا نام سرفہرست تھا۔ کراچی گیا تو آپ بھاولپور کے سفر میں تھے اس لئے ملاقات نہ ہوسکی جس کا افسوس رہا تاہم آپ کے انتہائی عقیدت مند خادم اور آپ کی کتابوں کے ناشر حاجی محمد اعلیٰ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ موصوف ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔ تہذیب کا چلتا پھرتا نمونہ، نیکی و شرافت کا مرقع۔ ان سے مل کر خوشی ہوئی۔ اس وقت تو مجھے

عمدۃ الفقہ دستیاب نہ ہو سکی لیکن بعد میں ان کی عنایت سے پورا سیٹ دستیاب ہو گیا جس میں دوسرا حصہ نہ معلوم انھوں نے کس طرح پاپڑ بیل کر فراہم کیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

میں حاجی محمد اعلیٰ سے درخواست کر آیا۔ واپس آکر لاہور سے حضرت شاہ صاحب کو خط لکھا ان کا محبت بھرا جواب آیا اور چند دن بعد مولانا بنوری سے متعلق ایک خوبصورت مضمون آگیا جو خدام الدین کے بنوری نمبر میں شامل ہے۔

اس کے بعد کراچی میں حاجی محمد اعلیٰ صاحب اور مرحوم ابو معاویہ صاحب کی وساطت سے حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقاتیں ہوئیں جن کی تعداد جیسا کہ عرض کیا دو سے زیادہ نہیں، دورِ حاضر کے مشائخ و صاحبزادگان کے عام طور طریقوں کی مناسبت سے ایک عجیب سا تخیل میرے ذہن میں تھا لیکن جب ہم ناظم آباد میں ان کے مکان پر پہنچے تو جلدی سے کسی کو بھیج کر بیٹھک کا دروازہ کھلوا کر ہمیں بیٹھنے کو فرمایا اور اطلاع آئی کہ ابھی آرہا ہوں اور پھر چند ے بعد ایک وجیہ قد آور لیکن سادگی و شرافت کا مرقع، چائے اور لوازمات کی ٹرے اٹھائے ہمارے سامنے کھڑا تھا، ٹرے رکھ کر غایت درجہ محبت و خلوص سے ملے، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ معانقہ کے دوران مجھ جیسے ہیچمدان اور ذکر و فکر سے محروم انسان نے ان کے قلب صافی میں ذکر الٰہی کی جلنے والی آگ محسوس کی اور لمحہ دو لمحہ کیلئے میرا دل بھی متاثر ہوا۔ (اے کاش یہ نعمتِ عظمیٰ برابر نصیب ہو جائے) سال گذشتہ کی عدم ملاقات کا افسوس فرمانے لگے۔ بنوری نمبر جس کی رسید وہ پہلے بذریعہ خط دے چکے تھے اس پر اپنی مسرت و خوشی کا اظہار فرمایا دعائیں دیں، مولانا عبید اللہ انور صاحب کی صحت کا حال پوچھا حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا مختصر تذکرہ کیا اور پھر ہمارے ساتھ چائے نوش فرما کر عصر کی اذان سن کر اٹھ کھڑے ہوئے قریبی مسجد میں ہم سب گئے وہ بھی ہمراہ تھے اور خدا کے گھر میں سب کے ساتھ مل کر سجدہ ادا کیا ——— مجھے رہ رہ کر وہ پیرزادے اور صاحبزادے یاد آنے لگے جو اول تو نمازوں کا دیسے ہی ٹھٹھرا کر فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوۃ کا مصداق بنتے ہیں اور اگر زحمت فرماتے بھی ہیں تو گھر یا اپنی مزعومہ خانقاہ کی چاردیواری میں جماعت کے اہتمام کے بغیر ہی نماز پوری کر لیتے ہیں اور اگر جماعت کا اہتمام ہو بھی تو مسجد کا ثواب تو بہر حال ضائع ہوتا ہے۔

ملاقاتوں کا سلسلہ تو جیسا کہ عرض کیا بڑا مختصر ہے تاہم ان کی کتابیں اور تراجم میں نے بغور دیکھے اور جو کتابیں برابر سرہانے رہتی ہیں ان میں یہ کتابیں بھی ہیں۔ مرحوم کی بعض کتابیں تو وہ ہیں جو ان کی مستقل تصانیف ہیں اور بعض وہ ہیں جو تراجم کے ضمن میں آتی ہیں۔

مستقل تصانیف میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نامی کتاب سرِ فہرست ہے جس کا ذکر میں کر چکا ہوں اور گویا ان سے میرے غائبانہ تعلق کی بنیاد ہے۔ شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب حضرت الامام مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی سیرت و سوانح پر مشتمل ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ سے اس ملک کا کوئی باشعور انسان ناواقف نہیں۔ بقول اقبال "وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان" تھے۔ سرہند کی بستی سے اٹھنے والے اس فقیر نے تن تنہا وہ کام کیا جو ایک بڑی جماعت نہ کر سکے۔ حکومتِ مغلیہ جس کو بادشاہ کی جہالت اور علماء سوء اور مشائخ بے ننگ و نام کی ملی بھگت غارت کر رہی تھی اور اس کے برے اثرات ہمارے ملک پر مستولی ہو رہے تھے اس کا رُخ کمال درجہ تدبر و فراست سے ایسا موڑا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہمارے بعض قلم کاروں نے حضرت مجدد صاحبؒ کی تحریک پر چھینٹے بھی برسائے جن میں شیخ محمد اکرام صاحب مرحوم بھی ہیں جن کے سلسلۂ کوثر بات کا میں بڑا قدر دان ہوں لیکن افسوس کہ انھوں نے بلاوجہ زیادتی کا ارتکاب کیا۔ ہمارے مخدوم سجادہ نشین درگاہ خانقاہِ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ نے حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین میں خوب خوب جائزہ لیا ہے، اور اس طرح انھوں نے پورے حلقہ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

بہر حال حضرت مجدد صاحبؒ کے شخصی اور خاندانی حالات، ان کی تحریک اصلاح اور اس معاملہ میں ان کی سعی و کوشش کی جتنی بھرپور عکاسی اس کتاب میں کی گئی ہے حضرت مجدد صاحبؒ کی سوانح سے متعلق کسی اور کتاب میں ایسی عکاسی نظر نہ آئے گی۔ چونکہ آپ اس سلسلۂ مبارکہ کے عظیم البرکت شیخ بھی تھے اس لئے عقیدت و محبت کی دنیا میں ڈوب کر یہ کتاب لکھی لیکن اتنی عقیدت کے باوجود آپ کو مبالغہ آرائی نظر نہ آئے گی اور یہ خدا کا کرم ہے۔ ساتھ ہی یہ خوبی تھی کہ آپ قدیم عربی و فارسی ماخذ سے براہِ راست واقف تھے "پیران تسمہ پا" کی طرح محض بڑوں کی کمائی کھانے والے، علم و معرفت سے کورے نہ تھے اس لئے آپ نے قدیم ماخذوں سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کے حصول کے لئے بے پناہ جدوجہد کی ــــ بلا مبالغہ سوانح کی دنیا میں یہ کتاب ایک شاہکار ہے اور رہتی دنیا تک بحمدہٖ اس کا نام رہے گا۔

اس سلسلہ کی آپ کی دوسری کتاب انوارِ معصومیہ ہے اور یہ کہنا چاہئے کہ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا دوسرا حصہ ہے کہ اس میں آپ کی اولاد در اولاد کا تذکرہ ہے۔ جو محنت و خلوص آپ کو پہلی کتاب میں نظر آئے گا اسی کا رنگ یہاں بھی جھلکتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے تیسرے فرزند اور جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ وہ گرامی قدر صاحبزادے ہیں جنھوں نے "پدرم سلطان بود" کے

نعرہ پر قناعت نہ کی بلکہ عظیم باپ کے علوم و معارف کی حقیقی معنوں میں وراثت سنبھالی نتیجہ یہ کہ وہ آسمانِ علم و معرفت پر آفتاب بن کر چمکے اور ان کی وجہ سے اصلاح و تجدید کا کام بہت پھیلا۔ لیکن اردو زبان کا دامن اس عظیم انسان کے ذکر سے خالی تھا اور خود نسبتِ مجددی رکھنے والے حضرات میں بہت کم ایسے لوگ تھے جو آپ کی قد آور شخصیت سے واقف ہوں۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ نے برصغیر کے حالات کی کایا کلپ میں بڑا مؤثر رول ادا کیا ہے۔ عالم اسلام کے نامور مجاہد و مفکر عالم مولانا عبید اللہ سندھی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ انھوں نے امام مجددؒ کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کی۔ امام ولی اللہؒ کے اندازِ فکر پر ان کے خلف الرشید شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس تحریکِ جہاد کی داغ بیل ڈالی اس کے امیر و امام حضرت السید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کے آباؤ اجداد کے ذہنی اور فکری رشتے آقائے سرہند سے ملتے ہیں اور پھر اس کے بعد سے اب تک برصغیر چھوڑ حرمین شریفین، شام و عراق، ترکی اور ماوراء النہر کے علاقوں میں اس سلسلہ کے مشائخ کا ایک طویل سلسلہ ہے جو مصروفِ عمل ہے بلکہ تازہ ترین اطلاعات یہ ہیں کہ روس جیسی خدا نا آشنا حکومت کی عمل داری میں مجددی سلوک اس تیزی سے ابھر رہا ہے کہ وہاں کے اربابِ حل و عقد پریشان ہو کر رہ گئے ہیں —— بہر حال انوارِ معصومیہ حضرت شاہ صاحبؒ کا وہ شاہکار ہے جو ان دیار میں حضرت مجدد صاحبؒ کی اولادِ امجاد کے کام کو متعارف کرانے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تیسری تصنیف یا تالیف "عمدۃ الفقہ" ہے۔ اسلامی علوم و فنون میں "فقہ" کا جو مقام ہے اس سے اہلِ علم ناواقف نہیں۔ فقہاء ہی ہمارے وہ محسن ہیں جنھوں نے اپنی صبر آزما کوششوں سے اسلام کا عملی نقشہ اس انداز سے پیش کیا کہ ایک ایک سطر گویا قرآن و سنت کا عطر و نچوڑ معلوم ہوتی ہے۔ قرآنی کلیات اور حدیثی ارشادات کو ایک نظامِ عمل کے طور پر پیش کرنا اسی گروہ کا کام ہے۔ پر افسوس جس طرح دنیا میں ہر محسن کی ناقدری کرنے والے موجود ہیں اسی طرح اس قدسی صفت طبقہ کی مخالفت میں اپنی صلاحیتیں غارت کرنے والے بھی موجود ہیں، علی الخصوص سید التابعین سراج الفقہا امامنا الہمام سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی قدس سرہ کی خداداد ذکاوت و فقاہت کی عظمتوں اور بلندیوں سے نا آشنا لوگوں نے انھیں تو بہت ہی زیادہ اپنی ناوک افگنی کا شکار کیا جب کہ صاحبِ دل یوں کہتے ہیں۔

اعد ذکر نعمان لنا فات ذکرہ   ھو المسک ما کررتہ یتضوع

عربی اور فارسی میں فقہ کی کتابوں کا ایک شاندار ذخیرہ موجود ہے جو ہمارے ملی و دینی لٹریچر کا ایک اہم ترین حصہ ہے اردو میں بھی اچھا خاصا مواد موجود ہے مثلاً امام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی کتاب علم الفقہ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا بہشتی زیور اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم الدہلوی کی تعلیم الاسلام تو وہ کتابیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت بخشی اس کے علاوہ بھی اس فن میں کتابوں کی کمی نہیں لیکن ہمارے شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب عمدۃ الفقہ تو گویا شاہکار ہے، افسوس اس کے چار ہی حصے شائع ہو سکے اور پھر شاہ صاحب وہاں پہنچ گئے جہاں ہر کسی کو جانا ہے لیکن قوم کو جو دے گئے وہ بھی عظیم سرمایہ ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں تیار ہوئیں بڑے سائز کی خوبصورت، کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلی جلد ایمان اور طہارت کے مسائل پر ہے تو دوسری نماز کے مسائل پر اور تیسری زکوٰۃ و روزہ جبکہ چوتھی حج کے مسائل پر ——— شاہ صاحب قدس سرہٗ نے فقہ کے قدیم ذخیرہ کو سامنے رکھ کر بقول کسے "ہنڈی کی چندی" نکالی ہے اور ہر باب کی ایک ایک جزئی کو شامل کر لیا ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے اس کتاب نے بے حد متاثر کیا اور اگر کبھی یہ سوال ہوا کہ تمہیں کونسی کتابیں پسند آئیں تو میں عمدۃ الفقہ کا نام ضرور لوں گا ——— عمدۃ الفقہ جیسا کہ عرض کیا ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے، کہنا چاہیئے کہ فقہی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا ——— اور ظاہر ہے کہ عوام کے لئے ایسے مفصل ذخیرہ علمی سے استفادہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ عوام کے لئے تو ہلکے پھلکے لٹریچر کی ضرورت ہے جو اُن کے استعداد کے مطابق ہو زبدۃ الفقہ ایسی ہی کتاب ہے جو کہنا چاہئے عمدۃ الفقہ کا خلاصہ ہے۔ فاضل مصنف نے بقلمِ خود یہ کام بھی کیا اور یہ خلاصہ معرضِ وجود میں آگیا ——— ان تصانیف کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کی تصانیف میں عمدۃ السلوک، حیاتِ سعدیہ، طریقہ حج اور دعائیں اور گلدستۂ مناجات بھی ہیں جن میں سے احقر نے ایک ایک کو دیکھا پڑھا اور گہرا اثر لیا۔ اور اپنی لائبریری میں انھیں خاص جگہ دی۔

سلوک و تصوف، اسی حقیقتِ کبریٰ کا نام ہے جسے قرآن و حدیث میں تزکیہ و احسان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پیغمبرانہ فرائض کا یہ ایک اہم حصہ ہے اور اس کا تعلق دل کی دنیا سے ہے۔ پیغمبر امی علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اہلِ صلاح و تقویٰ کی ایک جماعت جب سے اب تک برابر اس فرض کی ادائیگی میں منہمک ہے اور مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ برصغیر کی حد تک اسلام اور اسلامی روایات کی اشاعت کا بڑا کام انہی اہلِ دل کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ یہ پاکبازانِ امت جس طرح صفائی قلب کا کام کرتے ہیں اس کی تفصیلات بہت سے اہلِ قلم نے لکھیں اور

شاہ صاحبؒ نے بھی عمدۃ السلوک میں اسی عنوان پر خامہ فرسائی کی۔ ظاہر ہے کہ وہ محض صاحبِ قلم نہیں بلکہ صاحبِ دل بھی تھے اس لئے اس کتاب میں اس "فن" سے متعلق تفصیلات کے بین السطور آپ کو واردات وکیفیاتِ قلبی بھی نظر آئیں گی اور یہی اس کتاب کا امتیاز ہے۔

حیاتِ سعیدیہ اس مردِ حق آگاہ کی سوانح ہے جس کے آستانہ کی جاروب کشی کا شرف شاہ صاحب کو حاصل ہوا اور پھر آپ خود ویسے ہی مردِ حق آگاہ بن گئے۔ شیخ کی آنکھوں کے تارے اور گویا ان کی تربیت کے شاہکار۔ شیخ کے حالات ووقائع پر قلم اٹھانے کے بعد اعتدال کی دنیا میں رہنا ہر کسی کا کام نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ یہاں پورے پورے کامیاب نظر آتے ہیں اور یہ خدا کا خاص فضل ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

طریقۂ حج اور دعائیں۔ حج جیسے اسلامی رکن وفرض سے متعلق کتاب ہے۔ حج کے مختلف اعمال ومقامات کی دعائیں ترجمہ کے ساتھ جمع کرکے اس راہ کے مسافر کے لئے ایک سفری گائیڈ تیار کردیا ہے اور گلدستۂ مناجات مختلف زبانوں میں مختلف اہلِ قلوب کی دعاؤں اور مناجاتوں کا مجموعہ ہے جس میں جامع کا سوز دروں اور خلوص خوب خوب ٹپکتا ہے۔

یہ تو ہوا شاہ صاحب کا تصنیفی اور تالیفی سرمایہ ــــ ترجمہ کی دنیا میں مبدأ ومعاد، معارفِ لدنیہ اور مکتوباتِ معصومیہ کے تراجم آپ کی سعی ومحنت سے معرضِ وجود میں آئے۔ اول الذکر دو رسالے حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قلم سے ہیں گو اصل رسائل کئی مرتبہ چھپے لیکن میرے خیال میں تراجم تو بالکل سامنے نہیں آئے۔ کئی کئی قلمی اور مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھ کر صحیح متن کا اہتمام اور پھر شگفتہ وسلیس ترجمہ کرکے شاہ صاحب نے علومِ مجددی کے قدر دانوں پر احسانِ عظیم فرمایا۔ لطف یہ ہے کہ رسائل میں جو اشعار ہیں ان کا ترجمہ اشعار میں کیا جس سے مرحوم کے ذوقِ شعری کا اندازہ ہوتا ہے اور احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ اس صنفِ کلام کو اپناتے تو اپنے وقت کے اساتذہ میں شمار ہوتے لیکن یہ کام آپ جیسے لوگوں کے شایانِ شان نہیں اس لئے اس طرف رُخ نہیں کیا ضرورت اور بات ہے۔ سرکارِ دوعالم علیہ السلام کا اس باب میں ارشاد ہے "ھو کلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیح" کہ ایک طرح کا کلام شعر بھی ہے اور اس کے حسن کا دارومدار مقاصد پر ہے ــــ افسوس کہ ہر دور کے شعراء نے اپنی شاعری کو شاہد وشراب کی نذر کردیا، بلکہ پھر سلاطین وملوک اور ان جیسے لوگوں کی تعریف میں اپنی صلاحیتیں گنوادیں، ہاں ایسے بھی ہیں پر بہت کم تعداد میں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی اس صلاحیت کو دین کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔

مکتوباتِ معصومیہ حضرت الامام مجدد قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے

مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے عظیم باپ کی طرح مکتوبات کے ذریعہ اصلاحِ ملت کا بڑا کام کیا، یہ ذخیرہ آج تک عوام کی دسترس سے باہر تھا کہ فارسی میں تھا اور اب عوام کا کیا رونا خواص تک فارسی جیسی شیریں زبان سے محروم ہو کر رہ گئے ہیں۔ احقر کو یاد ہے کہ ہم جب درسِ نظامی کی تکمیل کے لئے مدرسہ عربی خیر المدارس میں گئے (احقر اور اس کے بڑے بھائی مولانا حافظ عزیز الرحمٰن خورشید) تو پورا ایک سال باقاعدہ فارسی ہمیں پڑھائی گئی جس کے نتیجہ میں اتنی استعداد پیدا ہو گئی کہ فارسی میں بول چال اور خط و کتابت آسان ہو گئی۔ لیکن آج ہماری وہ دانشگاہیں اس سے خالی ہیں جن میں ان علوم کی تعلیم ہوتی تھی فیا حسرتا۔ بہر حال شاہ صاحب نے کرم کیا اور یہ ان کا بڑا احسان ہے جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ احقر کو یاد ہے کہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو اس وقت غالباً مکتوباتِ معصومیہ کا دفتر اول چھپ چکا تھا یا تکمیل کے مرحلہ میں تھا میں نے استدعا کی کہ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ کے مکاتیب کا ترجمہ بھی فرما دیں۔ آپ کا عزم بھی تھا اور اس کے بعد آپ یہ کرنا بھی چاہتے تھے لیکن افسوس زندگی نے مہلت نہ دی۔

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے مکاتیب محض مکاتیب نہیں کہ کسی باپ نے بیٹے کے نام یا دوست نے دوست کے نام خطوط لکھ دیئے ہوں اور کسی نے محض عقیدت و محبت میں جمع کر کے چھپوا دیئے ہوں بلکہ یہ مکاتیب وہ عظیم الشان علمی ذخیرہ ہیں جس کی ایک ایک سطر سے علم و معرفت کی شعاعیں پھوٹتی ہیں ___ حضرت مجدد صاحبؒ کی زبردست تحریکِ اصلاح انہی مکاتیب کی ہی تو مرہونِ منت ہے۔ انہی مکاتیب نے کایا پلٹی اور علماءِ سوء اور مشائخ بے ننگ و نام کا فسوں ٹوٹا اور اکبری و جہانگیری الحاد ختم ہو کر سیدھے راستہ کی داغ بیل پڑی۔ مدتوں سے یہ مکاتیب اہلِ علم کے مطالعہ میں ہیں اور ان سے برابر استفادہ ہو رہا ہے۔ مرحوم پنجاب کے اہم شہر امرتسر کے مولانا نور احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان مکاتیب کی اصلاح و حواشی کا کام بڑی محنت سے کیا اور پھر کمال درجہ انہیں عقیدت سے چھاپا لیکن افسوس ہے کہ ان کا عمدہ ترجمہ نہیں ہوا۔ ایک ترجمہ ہوا جو چھپا بھی لیکن سچ پوچھیں تو یہ حضرت الامام مجددؒ سے زیادتی ہے۔ بدعات و رسومات کے سب سے بڑے دشمن کے مکاتیب کا ترجمہ ایسے صاحب کریں جن کی زندگی کی متاع ہی بدعت و رسوم سے پیار ہو، ظلم نہیں تو کیا ہے؟ مترجم نے اپنے بگڑے ہوئے ذوق کی رعایت کر کے ترجمہ کیا جو بہر طور افسوسناک ہے۔ حضرت الامام السید مجدد قدس سرہ کے طریقۂ طیبہ کے ورثاء پر یہ فرض ہے کہ وہ آپ کے مکاتیب کے صحیح اور شگفتہ و شستہ ترجمہ کی فکر کریں ___ خاص طور پر عروس البلاد دہلی کی معروفِ زمانہ خانقاہِ مظہری کے اربابِ علم

اور صاحبِ دل خدام اور ضلع میانوالی کے رہگزاروں میں سلوکِ مجددی کی سب سے بڑی اور فقید المثال خانقاہ کے شیخ طریقت حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہم کی علوم و معارف پروری سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ دیں گے تاکہ یہ ذخیرہ عوام کی دسترس میں آسکے۔

احقر کا نہ اہلِ علم میں شمار ہوتا ہے نہ صحافیوں اور ادبار کے زمرہ میں وہ آتا ہے ــــــ ایک فقیر بے نوا اور عاجز و گنہگار بندہ ہوں جو اپنے مرحوم دادا جان حضرت الحاج الحافظ غلام یاسین نقشبندی مجددی کی سلامت روی اور اخلاص وللہیت کے صدقہ کسی نہ کسی درجہ میں خدمتِ دین و علم میں مصروف ہے، اسی سبب اہلِ علم اور اربابِ طریقت کی مجالس میں باریابی ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے اہلِ فضل و کمال کی نظرِ شفقت ہے ــــــ خدا معلوم ہمارے جناب محمد اعلیٰ صاحب نے کیا خیال کر کے احقر کو متعدد گرامی ناموں میں ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحبؒ کی زیر ترتیب سوانح کے لئے مضمون ارسال کروں۔ ایک ذرۂ بے مقدار اس اقلیمِ علم و معرفت کے بادشاہ سے متعلق لکھتا تو کیا؟ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ جناب محمد اعلیٰ صاحب عزم کر چکے ہیں کہ مجھ سے لکھوا کر چھوڑیں گے ـــ بس ان کے مخلصانہ اصرار محبت و شفقت نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا اور اس جنون میں یہ بے ربط اور مہمل تحریر قلم برداشتہ لکھدی ــــــ خدا کرے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی پاکیزہ سوانح میں یہ ٹاٹ کا پیوند ثابت نہ ہو اور عشاق و خدامِ زواری کی بارگاہ میں یہ بے ربط سطور قبول ہوں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور شاہ صاحبؒ کے ساتھ اپنی رحمت خصوصی کا معاملہ فرمائے اور امت کو ان کا سا سوز دروں نصیب فرمائے۔

اللهم تقبل منا انك انت السميع العليم

پیکرِ علم و عمل حضرت سیّد زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(از جناب ثناء الحق صاحب صدیقی۔ ایم اے (علیگ)

حضرت شاہ زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ نہ میرے مرشد تھے، نہ پیر اور نہ استاد، لیکن اُن سے مجھے بے پناہ عقیدت تھی۔ اتنی عقیدت جو غالباً اکثر مریدوں کو اپنے پیر سے نہ ہوتی ہوگی۔ مجھے حضرت شاہ صاحبؒ سے ان کے مرید خاص اور میرے کرم فرما حاجی محمد اعلیٰ قریشی نے ملایا تھا۔ لیکن اس سرسری ملاقات کے بعد سے حضرت شاہ صاحبؒ کی نظرِ عنایت مجھ پر ایسی ہوئی گویا میرے اُن سے برسوں کے تعلقات ہیں۔ میں اُن سے نیازمندانہ ملتا اور وہ مجھ پر مربیانہ شفقت فرماتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقاتوں کا سلسلہ کئی سال تک چلا۔ بعض تقریبات میں بھی ملاقات ہوئی اس طرح میں ان سے کافی قریب ہوگیا۔ جتنا قریب ہوتا گیا اتنی ہی ان کی خوبیاں مجھ پر ظاہر ہوتی گئیں ویسے تو شاہ صاحب حُسن و خوبی کا پیکر اور علم و حلم کا مجسمہ تھے لیکن جس خوبی نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ میرے دل پر اثر کیا وہ اُن کی سادگی اور منکسر المزاجی تھی۔ جو ہستی مسند علم و فضل پر متمکن ہو، جس کا سلسلۂ رشد و ہدایت اسقدر وسیع ہو اور جس سے اپنے زمانہ کی بڑی بڑی ہستیاں اکتسابِ فیض کر رہی ہوں اس میں اتنی سادگی، اسقدر خاکساری اور ایسی کسرِ نفسی یقیناً ایک اعجاز ہے۔ شاہ صاحبؒ کی سادگی ان کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ میں نمایاں تھی۔ ان کے مزاج میں سادگی تھی، ان کا رہن سہن سادہ تھا، اور ان کی تقریر و تحریر سادہ تھی۔ انھوں نے صفائی ستھرائی کو بھی سادگی کے ساتھ مخلوط کر رکھا تھا۔ پاکی اور پاکیزگی کا انھیں پورا خیال رہتا لیکن نمائش و آرائش اور دکھاوے سے ان کی زندگی عاری تھی۔ وہ گفتگو میں بھی کبھی اظہارِ قابلیت کے لئے نہ بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرتے، نہ غیر مانوس اصطلاحات کو کام میں لاتے اور نہ پیچیدہ جملے بولتے۔ الفاظ نہایت آسان اور عام فہم اور فقرے صاف اور سلجھے ہوئے ہوتے تھے۔ لہجہ میں خشونت کا نام نہیں تھا۔ نہایت نرم اور دھیمے لہجہ میں گفتگو کرتے تھے، کیسا ہی علمی موضوع ہوتا وہ اسے سیدھے سادے الفاظ میں بیان کر دیتے۔ لیکن ان ہی سیدھے سادے معمولی الفاظ، چھوٹے چھوٹے فقروں اور دھیمے لہجے میں ایسی تاثیر تھی کہ ہر بات سننے والے کے دل میں اُترتی چلی جاتی تھی۔ جب وہ کوئی بات کسی کو سمجھاتے ہوتے تو ان کے کسی بھی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ ان کے دل میں تفوق و برتری کا معمولی سا بھی جذبہ موجود ہے بلکہ از اول تا آخر

کسرِ نفسی اور خاکساری کا اظہار ہوتا تھا۔ کبھی کوئی شخص سوال کرتا تو اس کو نہایت نرمی سے جواب دیتے تھے۔ اکثر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دوسرے کو سمجھا نہیں رہے ہیں بلکہ اس سے خود کچھ سمجھ رہے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سادگی و پرکاری کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ نہ بھاری بھرکم الفاظ ہوتے نہ تشبیہات واستعارات کی بھرمار ہوتی اور نہ فلسفیانہ اور مناظرانہ انداز ہوتا تھا۔ انھوں نے بہت کچھ لکھا، فقہ کے مسائل بھی بیان کئے، تصوف وسلوک پر بھی لکھا۔ مسئلہ وحدت الوجود اور تعینات وتنزلات کی بھی تشریح وتوضیح کی لیکن کہیں بھی نہ اہمال ہے نہ الجھاؤ، نہ ابہام ہے نہ ژولیدگی، ہر بات نہایت واضح اور سلجھے ہوئے انداز میں، زبان صاف، سادہ اور سلیس، اندازِ بیان دلکش، تحریر میں نہ خشکی و یبوست اور نہ رنگین بیانی وقافیہ پیمائی۔ ان سب باتوں کے باوجود ہر بات جاذبِ توجہ اور مؤثر۔ دقیق مسائل کو پڑھتے وقت بھی قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ حضرت کی ہر تحریر کو اتنی ہی دلچسپی سے پڑھتا ہے جتنی دلچسپی سے ناول اور افسانے پڑھے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شاعرانہ ذوق بھی نہایت ستھرا تھا اور ان کی شاعرانہ صلاحیتیں بھی ان کی زندگی کی طرح دین ومذہب کے لئے وقف تھیں۔ ان کی منظومات میں عموماً شرعی مسائل اور تصوف کے بعض پہلو بیان ہوئے ہیں۔ کسی دوسری زبان بالخصوص فارسی سے ترجمہ کرتے وقت وہ اس بات کا التزام کرتے تھے کہ نثر کا ترجمہ نثر میں ہو اور اشعار کا اشعار میں۔ شعر بھی نہایت سادہ زبان میں ہوتے ہیں لیکن نہ بندشِ الفاظ اور تراکیب میں کہیں جھول دکھائی دیتا ہے، نہ تعقیدِ لفظی ومعنوی کا کوئی شائبہ ہے اور نہ زورِ بیان میں کوئی کمی۔ گلدستہ مناجات میں انھوں نے بزرگانِ دین کی یا ان سے منسوب بعض دلکش اور پُرتاثیر مناجاتوں کو یکجا کرکے سب کا منظوم ترجمہ بھی شائع کیا ہے جو اثر وتاثیر میں کچھ کم نہیں ہے۔

اُن کی ایک خوبی اپنی جگہ منفرد ہے کہ پیرِ طریقت ہونے کے باوجود اُن کا دامن شریعت کے ساتھ زیادہ مضبوطی سے بندھا ہوا تھا، نہ کبھی انھوں نے گفتگو میں یہ محسوس ہونے دیا کہ وہ شریعت کو طریقت سے فروتر سمجھتے ہیں اور نہ کہیں تحریر میں یہ تصور ابھرنے دیا۔ بہت سے لوگ کہتے تو یہ ہیں کہ طریقت احسان ہی کا دوسرا نام ہے اور احسان نام ہے اخلاص فی العبادات کا لہٰذا طریقت اور شریعت میں کوئی فرق نہیں، مگر جب ان کے خیالات کا اچھی طرح جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو برائے بیت ہوتی ہے ورنہ ان کے نزدیک طریقت کے مقابلہ میں شریعت کی کوئی حقیقت نہیں ہے

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کھلم کھلا شریعت کا استخفاف کرتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر یا تحریر سے کبھی بھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ شریعت یا اہلِ شریعت کو حقیر سمجھتے ہوں۔ وہ طریقت کو واقعی احسان کے مترادف قرار دیتے تھے، نہ شریعت سے اس کو الگ سمجھتے اور نہ شریعت کو ادنیٰ درجے کی شے بتاتے۔ اس چیز کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف فقہی مسائل سے متعلق ہیں اور سلوک پر بھی جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی غالب عنصر شریعت کا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا تصنیف و تالیف کا معیار بہت بلند تھا۔ خیالات میں عمق اور جامعیت زبان سادہ، سلیس اور رواں اور اندازِ بیان دلکش اور ژولیدگی سے پاک۔ ان کی تصانیف کی خوبی یہ ہے کہ ان کو عوام و خواص سب سمجھ سکتے اور ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کی تحریریں حشو و زوائد سے معرّیٰ اور معلومات کا خزانہ ہیں۔ میں نے ان کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں پڑھی جس سے میری معلومات میں معتدبہ اضافہ نہ ہوا ہو۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عبادت و ریاضت، اوراد و وظائف اور رشد و ہدایت کے کاموں میں انہماک کو دیکھتے ہوئے جب ان کے تصنیفی کام پر نظر پڑتی ہے تو وہ ایک اعجاز معلوم ہوتا ہے سُنا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے وقت میں برکت اور کشادگی پیدا کر دیتا ہے اور وہ تھوڑے وقت میں بہت سے کام کر لیتے ہیں اس کا تجربہ شاہ صاحبؒ کے معاملہ میں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس وقت میں اتنا کام کر لیتے تھے۔ ان کی کتابوں کی تعداد، موضوعات کا تنوع، کتابوں کی ضخامت اور دقیق مضامین کو دیکھ کر یہ باور کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کسی ایسے شخص کا کام ہے جس کا کوئی لمحہ ذکر و فکر عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت سے خالی نہیں تھا لیکن جو کام آنکھوں کے سامنے ہوا ہو اُس پر شک و شبہ بھی کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً وہ ایک ایسی ہستی کا کام تھا جس کو اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید حاصل تھی۔ کسی اہلِ دل شاعر نے صحیح کہا ہے ع

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں

شاہ صاحبؒ کی جملہ تصانیف کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(۱) فقہ
(۲) سلوک
(۳) بزرگانِ دین اور مشائخ کی سوانح عمریاں اور ان کے کارنامے۔

فقہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب عمدۃ الفقہ نہایت ضخیم اور جامع ہے۔ مضامین کی

کثرت اور کتاب کی ضخامت کی وجہ سے اِس کو کئی حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ پہلا حصہ کتاب الایمان و کتاب الطہارت ہے، دوسرا حصہ کتاب الصلوٰۃ ہے، تیسرا حصہ کتاب الزکوٰۃ وکتاب الصوم ہے اور چوتھا حصہ کتاب الحج ہے۔ الگ الگ موضوعات پر ایسی ضخیم کتابیں کم از کم اردو زبان میں ہماری نظر سے نہیں گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے وقت شاہ صاحبؒ نے عوام کی نفسیات اور ضرورت کو سامنے رکھا اور یہ سوچ لیا کہ ان مسائل سے متعلق عوام کے دلوں میں کیا کیا سوالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور عام فہم انداز میں ان کے جوابات کیسے دیئے جا سکتے ہیں۔ سوالات کا یہ سلسلہ ذہن میں قائم کر کے انھوں نے ہر ایک کے اطمینان بخش جوابات دینے شروع کئے اور جب تک خود پوری طرح مطمئن نہیں ہو گئے انھوں نے اس مسئلہ کو نہیں چھوڑا۔ مثلاً حج کے سلسلہ میں مواقیت کا ذکر آتا ہے، آغازِ اسلام سے ہی سرزمینِ عرب پر پانچ مقامات جن کے نام ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن، ذات عرق اور یلملم ہیں اس کام کے لئے مقرر کئے گئے ہیں جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر مقام کو میقات کہا جاتا ہے۔ شروع زمانہ سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ پانچوں مواقیت کے نام بتا دیئے جاتے ہیں اور یہ وضاحت کر دی جاتی ہے کہ کونسا میقات کن کن ممالک کے لئے ہے۔ چونکہ صدیوں سے حالات ایک ہی نہج پر چلے آرہے تھے اور لوگ شعائرِ اسلامی کی بجا آوری میں چون وچرا کو دخل نہیں دیتے تھے اس لئے ہر فرد کی تشفی کے لئے یہ باتیں کافی ہوتی تھیں۔ ہم خود بچپن سے یہی سنتے چلے آرہے ہیں کہ برصغیر سے جانے والے عازمینِ حج کو جیسے ہی یلملم کی پہاڑی نظر آتی ہے فوراً اعلان ہو جاتا ہے اور لوگ احرام باندھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات اسقدر تواتر سے سنی تھی کہ اس کو حتمی فیصلہ سمجھ لیا تھا اور اس میں قیل وقال کی کوئی گنجائش دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن گذشتہ چند سالوں میں دنیا کے حالات تیزی سے بدلے، عقلیت کا زور بندھا، دلیل وبرہان کے بغیر کسی بات پر آمنّا وصدقنا کہنے کا رواج ختم ہوا اس لئے فقہا کو بھی سابقہ انداز میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کے نقطۂ نظر سے مواقیت کی بحث از سرِ نو اٹھائی اور ان ممالک سے جانے والوں کے لئے میقات کے تعین پر تفصیلی بحث کی اور مسئلہ کا ہر طرح جائزہ لینے کے بعد اور تمام علماء کی رائیں پیش کر کے آخر میں وہی فیصلہ کیا جس کے مطابق پہلے سے عمل ہو رہا ہے یعنی پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کے لئے یلملم کے محاذات سے احرام باندھنا لازمی ہے۔ بحث طویل ضرور ہو گئی ہے لیکن اسی کے ساتھ موجودہ دور کے عقلیت پسند ذہن کے لئے اطمینان کا سامان بھی فراہم ہو گیا۔

یہ تو ایک مثال تھی ورنہ ہر معاملہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی انداز اختیار کیا اور مسئلہ زیر بحث کا ہر طرح جائزہ لیکر اس طرح بیان کر دیا کہ موجودہ دور کے انسان کے نقطۂ نظر سے بھی اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

تصنیف کا یہ انداز سامنے رکھا جائے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کام کی وقعت کافی بڑھ جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ کام واقعات کو صرف ترتیب دینے کا نہیں رہ جاتا بلکہ حکیمانہ نظر بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکیمانہ نظر دے کر خیر کثیر سے نوازا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عمدۃ الفقہ ایک ایسی تصنیف ہے جس کو کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک عظیم کام کہا جا سکتا ہے اور دین وشریعت کی یہ ایک بڑی خدمت ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر ہمیشہ یہ حقیقت رہی کہ دین کی تعلیم عوام اور خواص سب کے لئے ہے۔ ایسے لوگوں کو بھی شرعی احکام کی بجا آوری کرنی ہوتی ہے جن کو تفصیلات و جزئیات جاننے کی خواہش ہوتی ہے اور جو ہر بات کو عقل کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں اور اُن لوگوں کو بھی اِن پر عمل کرنا ہوتا ہے جو تفصیلات جاننے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اول الذکر کے لئے تو عمدۃ الفقہ کی ضخیم جلدیں تیار کیں اور مؤخر الذکر کے لئے زبدۃ الفقہ کا سلسلہ مرتب کر دیا جس کو عمدۃ الفقہ کا جامع خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ زبدۃ الفقہ میں بھی مضامین اور مسائل سب وہی ہیں جو عمدۃ الفقہ میں ہیں لیکن لمبی چوڑی بحثیں نہیں ہیں۔ لہذا زبدۃ الفقہ کی بھی اتنی ہی افادیت ہے جتنی عمدۃ الفقہ کی۔

تصوف کے موضوع پر عمدۃ السلوک نام کی کتاب تحریر فرمائی۔ یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی دور کی تصنیف ہے، پھر اس پر نظر ثانی کر کے دوبارہ شائع کیا گیا اور اب حال ہی میں پانچویں بار نہایت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ اور اب یہ ایک شاہکار تصنیف کا درجہ رکھتی ہے۔ بظاہر تصوف کی کتاب ہے لیکن اس کے بیشتر حصہ میں مسائل شرعیہ سے بحث کی گئی ہے۔ آخری حصہ میں تصوف کی اصطلاحات کی تشریح ہے جیسے تعینات، تنزلات، وحدت الوجود، سیو اربعہ۔ عروج، نزول وغیرہ لیکن ان کو بھی خالص علمی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور عقیدہ کا درجہ نہیں دیا گیا۔ اس چیز سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں شریعت کا کس قدر احترام تھا

تصوف کی ان اصطلاحات کو اس طرح سلجھا کر پیش کیا ہے کہ معمولی سوجھ بوجھ کے انسان کیلئے بھی ان میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

بزرگانِ دین کی سوانح عمریوں اور ان کے کارناموں سے متعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کئی تصانیف ہیں، لیکن حیاتِ مجددؒ کو اختراع فائقہ کا درجہ حاصل ہے۔ کئی سال پہلے ایک تبصرہ میں اس کو اس موضوع کے لئے "حرفِ آخر" قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی اب بھی یہ حیثیت برقرار ہے اس میں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی حیاتِ مبارکہ کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں رہنے دیا۔ تاریخی پس منظر، سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات حضرت مجدد صاحبؒ کے اجداد اور سلسلۂ طریقت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پھر حضرت مجدد صاحبؒ کے تفصیلی حالات، تعلیمات اور خلفاء کے متعلق پوری شرح و بسط سے لکھا گیا ہے۔ خصوصاً وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے دقیق مسئلہ کو حضرت مجدد صاحبؒ کی تحریروں خصوصاً مکتوبات امام ربانیؒ کی روشنی میں اس قدر عام فہم بنا کر پیش کیا ہے کہ اس سے حضرت مجدد صاحبؒ کا موقف بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور اس متنازعہ مسئلہ کی حقیقت بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ کی دوسری کڑی انوارِ معصومیہ ہے جو حضرت خواجہ محمد معصومؒ خلف الرشید و خلیفۂ اجل حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سوانح اور کارناموں کا حسین مرقع ہے۔ اس کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہے کہ اس موضوع پر یہ پہلی جامع تصنیف ہے۔

غرض حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفی کارنامے بھی بیحد وقیع ہیں اور ان کی کسی تصنیف کو بھی دوم درجہ کی نہیں کہا جا سکتا۔

آخر میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اس مادی دور میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات انسانیت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ ان کی ذات میں اکثر وہ اوصاف موجود تھے جو مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت کو نور سے بھر دے۔

سید زوّار حسین شاہ صاحبؒ

(از جناب ڈاکٹر ظہور احمد صاحب، کوٹ مومن، سرگودھا)

۱۹۲۵ء میں ٹھسکہ میرانجی ضلع کرنال کے لوئر مڈل سکول کو مڈل سکول کا درجہ دیدیا گیا اور میرے والد صاحب کو وہاں کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔ میں اس وقت آٹھویں جماعت میں تھا۔ تین لڑکے وہاں پہلے تھے اس طرح ہم آٹھویں میں چار لڑکے ہو گئے اور ان چار لڑکوں میں ہی ایک ہمارے ہونے والے پیر صاحب بھی تھے، پتلے دبلے، ہنس مکھ، خوش طبع اور محنتی، میرے ساتھ بہت اچھے تعلقات ہو گئے۔ آپ نہایت شریف النفس تھے، کھیلوں میں بھی خوب حصہ لیتے تھے لیکن ہمیشہ شائستہ ہی رہے کبھی گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ حافظ کمال الدین صاحبؒ سے ناظرہ قرآن پڑھا۔ گھر میں شیعیت کا اثر تھا لیکن شاہ صاحبؒ کی طرف سے کہیں ایسی بات میرے نوٹس میں نہیں آئی۔ نماز ہمارے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔

۱۹۲۶ء میں ہم نے ورنیکلر مڈل پاس کیا۔ میں انگریزی کی طرف چلا گیا اور شاہ صاحب ان ٹرینڈ ٹیچر اسی اسکول میں لگ گئے۔ آپ بڑی محنت سے بچوں کو پڑھاتے تھے۔ پھر جے وی کرنال سے کی اور کسی اور جگہ لگ گئے وہاں کسی نے حضرت دادا پیر صاحب کی تعریف کی اور حضرت شاہ صاحبؒ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب سے بھی پانی پت میں کچھ پڑھا اور پھر دہلی میں ملازمت کر لی وہاں علماء سے ملاقاتیں رہیں۔

اس دوران میں مجھ سے کم ہی ملاقات ہوتی۔ میں ڈاکٹری پڑھنے چلا گیا۔ چھٹیوں میں گھر شاہ آباد جاتا تو ٹھسکہ کے کسی صاحب سے ملاقات ہوتی تو شاہ صاحب کا بھی ذکر آتا۔ کسی نے بتایا وہ تو اب بزرگ ہو گئے ہیں اور مریدوں کو حلقہ میں بٹھا کر توجہ دیتے ہیں جس سے لوگوں کو جذبہ ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض نوعمر لڑکے لوٹتے لوٹتے مسجد میں منبر کے نیچے گھس گئے۔ ایک دو دفعہ مجھے بھی شرفِ نیاز حاصل ہوا تو میں نے ازراہِ مذاق پوچھا کہ یہ کیا جادو سیکھ لیا اور شاہ صاحب حسب عادت مسکرا دیئے۔

۱۹۴۰ء میں میرا تبادلہ ٹھسکہ میراں جی کا بطور ڈاکٹر انچارج ہو گیا۔ چھٹیوں میں حضرت شاہ صاحبؒ ہاں تشریف لاتے تھے اور میرے پاس بہت بیٹھا کرتے، سنجیدہ مذاق، سیاسی باتیں اور کچھ دینی باتیں بھی ہوا کرتیں حضرت صاحبؒ نے اس دوران میں میٹرک بھی پاس کر لیا اور دنیاوی علوم میں بھی اچھی دسترس حاصل کر لی تھی۔ دینی علوم کے علاوہ سائنس اور خاص طور سے ریاضی میں آپ ماہر تھے۔ میں نے قرآن مجید کی تفسیر حضرت صاحب

پڑھنا شروع کردی لیکن چھٹیاں تھوڑی تھیں تھوڑا ہی پڑھا گیا۔

ٹھسکہ میراں جی نزدیکی ریلوے اسٹیشن اور جرنیلی سڑک سے دس میل کے فاصلہ پر تھا، راستہ کچا تھا بلکہ ایک برساتی نالہ راستہ میں پڑتا تھا جس میں برسات میں بہت پانی ہوتا تھا اور دوسرے دنوں میں ریت، ذریعۂ آمدورفت پیدل، گھوڑی، بیل گاڑی یا سائیکل تھا۔ لیکن یہ سب انتظام اپنا کرنا پڑتا تھا حضرت صاحبؒ کے مریدوں کی تعداد کوئی بیس سے اوپر ہوگی مگر آپ اپنے آنے یا روانگی کے پروگرام کی اطلاع کسی کو نہ دیتے تھے اپنا سب سامان بلکہ کسی نے کوئی چیز دلی سے منگائی ہوتی وہ بھی اٹھا کر پیدل ہی آتے اور پیدل ہی واپس جاتے تھے، کسی مرید کے ہاں دعوت بھی نہیں کھاتے تھے۔ میں بطور دوست آپ کی دعوت کردیتا تھا تو آپ منظور فرمالیتے تھے۔ اسی طرح عام طور سے مجھے پروگرام کا پتہ چل جاتا تھا تو میں سواری کا انتظام بھی کردیا کرتا تھا۔ آپ کے مریدوں کو مجھ پر بڑا رشک آتا تھا۔ میں نے پوچھا بھی کہ آپ کیوں انھیں اس شرف سے محروم رکھتے ہیں تو آپ فرماتے کہ تکلفات میں تکلیف ہوگی اور یہ لوگ کم سمجھ ہیں۔

میرے پاس ہسپتال میں آپ کے مریدوں میں سے ایک ملازم تھا باباصدیق۔ وہ مجھے اور میرے کمپونڈر ملک عبداللہ کو ترغیب دلایا کرتا کہ آپ لوگ ذکر پوچھ لیں۔ کئی سال کے بعد آخر ہم پر اثر ہوہی گیا اور ہم نے ذکر بتانے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے بے تکلف بتادیا۔ میرا دل بیعت کی طرف جھکا تو میں نے امتحاناً ڈاڑھی رکھ لی، کیونکہ یہی مرحلہ دشوار ترین نظر آتا تھا اور میں اس میں خدا کی مہربانی سے کامیاب ہوگیا اس کے بعد جب شاہ صاحب تشریف لائے تو بڑے خوش ہوئے اور دلی واپس جاکر اس کا ذکر ماسٹر محمد احمد صاحبؒ اور مرزا جی سے کیا کہ انھوں نے بھی ڈاڑھی رکھ لی، پھر حضرت صاحب نے اس کا ذکر مجھ سے کیا۔

میں اور میرا کمپونڈر ہم دونوں داخلِ سلسلہ ہوگئے لیکن شاہ صاحب کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا اسی طرح بے تکلفی سے آنا، بات کرنا، بلکہ والی بال وغیرہ ساتھ کھیلنا۔ والی بال کے آپ اچھے کھلاڑی تھے ماشاءاللہ قد لمبا تھا بال کو بہت اچھا دباتے تھے، بدن پتلا تھا اس وجہ سے چست بھی تھے۔ کبڈی بھی کھیل لیتے تھے لیکن دھوتی وغیرہ کبھی گھٹنوں سے اوپر نہیں چڑھائی۔

ہمارے ہسپتال کے نزدیک چند گھر زمینداروں کے تھے ان میں سے ایک نوعمر میرے پیر صاحب سے بیعت ہوگیا۔ تین اور اشخاص میرے پیر کے پیر بھائی صوفی علی نواز صاحبؒ سے داخلِ سلسلہ ہوگئے اس کے بعد میرے پیر صاحب نے اس محلے کے مزید لوگوں کو داخلِ سلسلہ کرنا بند کردیا کہ صوفی صاحب کا جو سلسلہ چل پڑا بس وہ کافی ہے بات تو ایک ہی ہے۔ ایک دفعہ ہمارے پیر بھائی نے تعلی ماری کہ میرا پیر سید ہے اور تمہارا پیر ڈوگر (صوفی صاحب ڈوگر تھے) ان دوسروں نے اس میں اپنی ہتک سمجھی اور اپنی بیعت توڑنے لگے، میں نے

انھیں سمجھایا اور حضرت صاحب سے اپنے پیر بھائی کی شکایت کی۔حضرت صاحب نے بھی اسے سمجھایا اور اپنے بھتیجے محمد مختار کو جو اُن دنوں شاہ صاحب کے ساتھ دلّی میں رہتے تھے اور بالکل نوعمر تھے ایک مستری صاحب (شمس الدین) سے بیعت کرادیا یعنی عملاً یہ سبق دیدیا کہ زمیندار دوسرے زمیندار کے مرید ہوگئے تو کیا ہوا ہم تو سید ہونے کے باوجود مستریوں کے مرید کرادیتے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے مختار صاحب کو بہت نوازا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے شرارت کے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ پر کٹ حجتی قسم کے کچھ سوال کئے اس پر مجھے اور دوسروں کو بھی غصہ آیا تو ہم نے اسے ڈانٹا مگر حضرت صاحبؒ نے ہمیں روک دیا اور اس کی بات بڑی توجہ سے سنی اور بڑی شفقت اور ہمدردی سے جواب دیا۔اُسے پھر کبھی کٹ حجتی کی جرأت نہ ہوئی۔اس کے چلے جانے کے بعد حضرت صاحبؒ نے ہم سے فرمایا کہ میری موجودگی میں مجھے جواب دینے دیا کرو اور بات کرنے میں سبقت نہ کیا کرو، میں کسی کو جواب دینے کو کہوں تو پھر وہ جواب دے۔

ٹھسکہ میں ایک نابینا قاری صاحب تھے حضرت صاحب چھٹیوں میں ان سے قرأت کی مشق کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے ہی سبق لیا کرتے اور اس میں کوئی شرم محسوس نہ کرتے کہ میرے مرید کیا کہیں گے۔ بلکہ اس واقعہ سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہئے کہ انسان خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہوجائے لیکن حصولِ دین کے لئے اس کو ہر وقت کربستہ رہنا چاہیئے۔

قاری صاحب پیری مریدی کے قائل نہ تھے مگر پھر بھی پیر صاحب عشا کی نماز ان کے پیچھے پڑھا کرتے تھے اور عشا کے بعد دونوں باتیں کرتے ہوئے بڑی مسجد میں تشریف لاتے جہاں آپ کے مریدین اور مولانا گوپانوی کے مریدین اکٹھے ہوجایا کرتے تھے، حلقہ اور توجہ کے لئے ہم بھی ہسپتال کا کام چھوڑ کر جاتے اور اسمٰعیل آباد جو دو میل کے فاصلے پر تھا وہاں سے بھی کچھ لوگ آتے تھے جن میں مستری شمس الدین صاحب بھی ہوتے تھے۔ قاری صاحب شاہ صاحبؒ کو مسجد میں وضو کی نالی کے ایک طرف بٹھا لیتے اور دنیاوی باتوں میں مشغول رہتے، ہم مسجد میں انتظار کرتے رہتے بہت دیر تک یہ سلسلہ رہتا، ہم سب بہت تنگ آگئے اور شاہ صاحب اس وقت تک نہ اٹھتے جبتک کہ قاری صاحب خود نہ جاتے۔ایک دن ہم قاری صاحب سے لڑ پڑے کہ آپ رات کو ہمارا وقت کیوں ضائع کراتے ہیں۔شاہ صاحبؒ کو پتہ چلا تو شاہ صاحب نے اس کا بُرا منایا اور ہمیں سمجھایا اور فرمایا کہ تم مراقب ہوجایا کرو میں خواہ کچھ باتیں کرتا رہوں تمہیں انشاءاللہ پورا فیض ہوگا۔ قاری صاحب سے جھگڑنے میں مستری صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اگلی رات ہم سب حسب معمول اکٹھے ہوئے تو ہم نے مستری صاحب سے درخواست کی کہ وہ ہمیں توجہ دیں کیونکہ انھیں مولانا گوپانوی سے اجازت مل چکی تھی۔مستری جی نے ہمیں توجہ دینا شروع کردی، اتنے میں حضرت صاحب اور قاری صاحب باتیں کرتے ہوئے تشریف لے آئے اور اپنی

روزمرہ کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ شاہ صاحبؒ کے تشریف رکھتے ہی مستری صاحب کو شدید جذبہ ہو گیا، کچھ دیر تک ایسا ہی رہا۔ آخر شاہ صاحبؒ نے فرمایا میں یہاں سے جاتا ہوں میری موجودگی میں انھیں افاقہ نہ ہو گا۔ دو آدمی ان کے پاس رہیں باقی میرے ساتھ چلیں جب انھیں افاقہ ہو جائے تو ساتھ لے آئیں حضرت صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے کافی دیر بعد مستری جی کو افاقہ ہوا۔

حضرت صاحبؒ کے پھوپھی زاد بھائی قاضی لطیف حسین صاحب کو درد گردہ ہوا کرتا تھا ایک دفعہ شاہ صاحبؒ نے فرمایا اب درد نہیں ہو گا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے انھیں کئی سال تک یہ دورہ نہیں ہوا۔

حضرت صاحبؒ کے مریدوں پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ جو اُن سے جتنا زیادہ قریب اور شناسا تھا اتنا ہی وہ ان کا مداح تھا، ان کے حقیقی رشتہ، کلاس فیلوز، دوست، ہم پیشہ، یہانتک کہ ان کے استاد بھی ماسٹر امام شاہ صاحب، ماسٹر فیض محمد، اگرچہ داخلِ سلسلہ نہ ہوئے مگر مداح ضرور تھے۔ صوفی محمد شریف صاحب نمبردار ہم سے سینیر تھے وہ بھی سلسلہ میں شامل ہوتے۔

سیاسی طور پر آپ نے ہمیشہ مسلم لیگ کے کیمپ میں کام کیا۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ العلمار کا مقابلہ تھا، صوفی عبدالحمید صاحب کے کیمپ کے آپ انچارج تھے، اس دیانتداری، ہوشیاری اور تندہی سے کام کیا کہ اس کے بعد ہندوستان یا پاکستان میں جب بھی صوفی صاحب نے الیکشن لڑا تو حضرت صاحبؒ کو ضرور تکلیف دی اور آپ نے ہمیشہ پہلے سے بھی زیادہ ان کا اعتماد حاصل کیا۔ صوفی عبدالحمید صاحب کے معتمد ترین ساتھی ہونے کے باوجود اُن سے کوئی ذاتی فائدہ حاصل نہیں کیا حالانکہ وہ وزیر بھی رہے۔

ہندوستان میں جب مسلم لیگ اور جمعیۃ العلمار کا مقابلہ تھا تو مسلم لیگی کانگریسی علمار کو برا بھلا کہتے تھے اور وہ لیگی علمار کو۔ حضرت صاحبؒ نے ہمیں ہدایت کی کہ ووٹ آپ جدھر چاہیں دیں اور پروپیگنڈہ بھی خواہ کسی پارٹی کا کریں مگر علمار کی شان میں گستاخی نہ کریں، دونوں طرف اونچی شان والے علما شامل ہیں۔

ایک دفعہ اتفاق سے ابر تھا اور چاند صرف حضرت صاحب اور صوفی صاحب کو نظر آیا۔ تو قاری صاحب کے سامنے دونوں بزرگ ترین ہستیوں نے شرعی گواہی دی اور چاند ہونے کا اعلان ہوا۔ اگلے روز اس کی تصدیق اخباروں سے ہوئی ——— ایک دفعہ سُکھیکہ میں عید کا چاند نظر نہ آیا سب نے روزہ رکھ لیا مگر صبح کو وہاں کا سفید پوش عنایت علی جورات کو کسی نزدیکی گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا آیا اور لوگوں کو روزے سے دیکھ کر حیران ہوا اس نے بتایا کہ اس گاؤں میں تو چاند نظر آ گیا ہے اور وہاں آج عید ہے۔ حضرت صاحبؒ کے مشورے سے کچھ لوگ گھوڑیوں پر سوار ہو کر اس گاؤں میں گئے اور وہاں سے چند باشرع آدمیوں کو ہمراہ لیکر آئے۔ قاری صاحب اور شاہ صاحب نے ان سے شرعی طریقہ سے گواہی لی اور تسلی کرنے کے بعد خود فتویٰ نہ دیا بلکہ ان کو لیکر نزدیکی

خانقاہ میں گئے جہاں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے خلیفہ میراں بھیک صاحب کا مزار ہے۔ ان کے سجادہ نشین کے سامنے وہ گواہ پیش کئے اور ان سے تسلی کرنے کو کہا۔ انھوں نے تسلی کر کے اپنی نوبت بجانے کا حکم دیا۔ اس کی آواز چھ سات میل تک جاتی تھی اس آواز پر ہمارے ہاں بھی روزہ افطار کیا گیا اور عید دوسرے روز پڑھی گئی۔
ٹھسکہ سے تین میل پر ایک گاؤں تھا وہاں ایک بدعتی پیر صاحب پہنچ گئے اور لوگوں کو ورغلالیا۔ مسجد کا پیر خانہ بنا دیا۔ یہ خبر علاقے میں پھیل گئی حضرت پیر صاحب اور قاری صاحب اس جگہ پیدل روانہ ہوئے، تقریباً ایک صد مجاہدین لٹھ لئے ہوئے بھی ساتھ ہو لئے جو دو دو چار چار کی ٹولیوں میں کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے وہاں پہنچ گئے، اس طرح نہ اُن گاؤں والوں کو شک ہوا اور نہ کسی اور کو۔ انوار ہونے کی وجہ سے میں سیر کو نکلا ہوا تھا اور اسی راستے سے واپس آرہا تھا میں یہ منظر دیکھ کر ان کے پیچھے لگ لیا۔ جموں (اس گاؤں کا نام) پہنچ کر مختلف لوگوں کے پاس ٹولیاں ٹھہر گئیں اور حضرت شاہ صاحبؒ اور قاری صاحب نے اس شیطان کو بلایا اور اس سے اور اس کے میزبانوں سے بات کی، بے علم بھی تھا اس لئے جلدی مرعوب ہو گیا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ پھر گاؤں والوں نے عمارت کو ٹھیک کر دیا اور معاملہ درست ہو گیا۔ سب مجاہدین خیریت سے واپس ہو گئے۔

حضرت صاحبؒ کے ساتھ سفر کا بھی اتفاق ہوا۔ پیدل بہت تیز چلتے تھے، مجھے کئی دفعہ رعایت کرنے کے لئے عرض کرنا پڑتا۔ ٹھسکہ میراں جی سے شاہ آباد تک دس میل کا فاصلہ تو ان کے لئے کوئی بات ہی نہ تھی، آپ گھوڑے کی سواری کر لیتے تھے، بیل گاڑی چلا لیتے تھے، سائیکل بھی چلا لیتے تھے۔ ایک دفعہ جلسہ میں شمولیت کے لئے مالک پور گئے۔ واپسی پر گڈے میں آرہے تھے، بیلوں نے حجت کی تو شاہ صاحبؒ نے انھیں قابو کر لیا اور خوب اچھی طرح چلایا۔ راستے میں مغرب کا وقت ایک ہندو گاؤں کی حد میں ہوا وہ لوگ اذان نہ دینے دیتے تھے اس واسطے وقت کے آخر میں ان کی حد سے نکل کر نماز پڑھی مگر ابھی شفق غروب نہیں ہوئی تھی۔ فرمایا شرارت نہیں کرنی چاہئے اور مغرب کا وقت بھی کافی ہوتا ہے اتنا تنگ نہیں جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔

ایک مرتبہ چند رفقا نے سرہند شریف جانے کا پروگرام بنایا۔ ایک گڈہ (بیل گاڑی) شاہ آباد تک جانے کو لیا۔ راستے میں بھائی محمد شریف صاحب دکاندار ایک کھیت میں سے کافی خربوزے خرید لائے سب نے وہ خربوزے خوب کھائے۔ شاہ آباد سے ریل میں سوار ہونا تھا وہاں سے بھی شریف صاحب نے تقریباً دس سیر وزنی ایک تربوز خرید لیا اور بذریعہ ریل انبالہ شہر پہنچے۔ وہاں سائیں توکل شاہ صاحبؒ کے مزار پر مراقبہ کیا اور پھر ریل میں سوار ہو کر راجپورہ کو ہوتے ہوئے براس پہنچے۔ تربوز کو لوگ باری باری اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے آخر وہ گر پڑا اور پھٹ گیا تب مجبوراً وہیں کھانا پڑا۔ شاہ صاحب کو یہ حرکت ناگوار گزر رہی تھی مگر پاسِ خاطر سے کچھ نہ کہا۔ گرنے پر نہایت نرم لہجہ میں فہمائش کی۔ براس میں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں

جن کی نشان دہی حضرت مجددصاحبؒ نے کی تھی وہاں مراقب ہوئے۔شاہ صاحبؒ نے فرمادیا یہاں پیری مریدی والی بات نہیں اپنا اپنا مراقبہ کریں بہت اونچی شان ہے۔شریف صاحب کو جذبہ ہوگیا اور انھیں اکثر ہوہی جاتا تھا۔ان کے جذبے سے سکون میں خلل پڑا جسے شاہ صاحبؒ نے پسند نہ فرمایا اور انھیں سمجھایا کہ اپنے کو قابو میں رکھیں تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔پھر وہاں سے مجدد صاحبؒ کے دربار میں حاضری دی۔

مجھ پر مولانا گوہانویؒ اور صوفی علی نوازؒ صاحبان بھی مہربان تھے اور اکثر میرے پاس قیام فرمایا کرتے تھے۔صوفی صاحب تو پاکستان میں آتے ہی ۱۹۴۷ء میں مظفر گڑھ میں انتقال فرما گئے تھے۔مولانا گوہانوی پاکستان میں بھی تشریف لاتے رہے۔ان دونوں نے خاص اوقات میں اس عاجز کو کئی بار خاص توجہ دی مگر شاہ صاحبؒ نے زبان سے فرما کر ایسا نہیں کیا نہ ہی کشفِ قبور وغیرہ کی کوشش کی۔اگرچہ دوسروں نے کی مگر مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا۔یہ میری سنگدلی اور محرومی تھی،شاہ صاحب ایسے تکلفات میں نہیں پڑتے تھے ویسے تنہائی کے مواقع بہت میسر آئے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں مجھے تفسیر پڑھنے کا شوق تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے مزید تیز کیا چنانچہ حضرت صاحبؒ نے مجھے تفسیر حسینی اردو دلی سے لا کر دی اور ایک بہشتی زیور مدلل مکمل بھی میرے لئے لائے پھر میں نے حدیث کی کتاب کی خواہش ظاہر کی تو فرمانے لگے میں مشکوٰۃ لا دوں گا مگر اسے تبرکاً پڑھنا ثواب ہوگا مگر مسائل نکالنے کی کوشش نہ کرنا۔مسائل کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف ہی رجوع کرنا۔اگر کوئی مسئلہ حدیث سے سمجھ میں آجائے خدا کا شکر ادا کرنا ورنہ فقہ کے مطابق ہی عمل کرنا۔

آپ زمیندار تھے اور دیہات کے رہنے والے،خالص گھی دودھ میں پرورش پائی تھی۔ایک دفعہ فرمارہے تھے کہ دلی میں دودھ پینے کو جی چاہا،پہلے ہی گھونٹ کو حلق سے نیچے اتارنا مشکل ہوگیا۔میں نے پوچھا پھر آپ نے کیا کیا تو فرمانے لگے پیسے خرچ ہوتے تھے دل پر جبر کیا اور پی لیا۔

بعض علما بغیر چھان بین کے بعض جماعتوں کے خلاف ہو جاتے ہیں۔آپ کسی کو بغیر تحقیق ذاتی برا نہ کہتے تھے۔مسائل کی تحقیق میں بہت تجسس فرماتے تھے۔ایک دفعہ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں اس کی تحقیق کے لئے عاجز سے بھی ڈاکٹری نقطۂ نظر دریافت فرمایا تھا اور محققانہ بحث فرمائی تھی اور مسواک کے طریقہ پر بھی کہ اوپر سے نیچے کو یا دائیں سے بائیں کو،اور غالباً کان اور آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ میں خلل آتا ہے یا نہیں وغیرہ مسائل زیر بحث رہے۔

ایک دفعہ میں پونہ گیا تو راستے میں دلی کے اسٹیشن پر عملے نے کچھ تنگ کیا جس کا ذکر میں نے بعد میں حضرت صاحبؒ سے کیا تو فرمانے لگے ایسے موقعوں پر پینٹ کوٹ پہننا چاہئے اور انگریزی بولنی چاہئے

اس سے دوسروں پر رعب پڑتا ہے اور وہ تنگ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ ایک ہیڈ ماسٹر صاحب (ریاض الحسن مرحوم) کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ وہ اسکول میں بہت اپٹوڈیٹ رہتے ہیں حتیٰ کہ وائسرائے کی دعوت میں بھی شرکت کرتے ہیں لیکن دفتری اوقات کے بعد مزارات پر پورے درویشانہ طریقے پر مراقبے کرتے ہیں کہ کوئی پہچان نہیں سکتا۔

آپ کو امامت کا بھی شوق نہیں تھا بلکہ گریز فرماتے تھے اور دوسروں کے پیچھے خوشی سے نماز پڑھ لیتے تھے، مجبور کرنے پر جماعت کرا دیتے تھے۔ دوسرے پیروں کے حلقے میں بیٹھنے کی اجازت دیدیتے تھے مگر فرماتے تھے کہ اگر کچھ فیض حاصل ہو تو اسے اپنے پیر ہی کی معرفت سمجھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مرید ایسے پیر سے ہو جو جوان ہو اور جس کے مرید تھوڑے ہوں کیونکہ اس کی ہمت بھی جوان ہوتی ہے اور وہ سب کو اپنے دھیان میں رکھ سکتا ہے۔

ایک قصہ حضرت خواجہ فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سنایا تھا کہ ان کی بیماری کی حالت میں انھیں وطن پہنچا رہے تھے تو فالج کی وجہ سے ان کے منہ سے رالیں ٹپکتی تھیں، حضرت مولانا عبد الغفور صاحب مدنیؒ نے فرطِ محبت سے لوگوں کی آنکھ بچا کر رال چلو میں لی اور پی گئے پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ کچھ بخشا کہ جس کا شمار ہم نہیں کر سکتے۔ انہی مولانا عبد الغفور صاحب کے شاگردوں میں ایک مولوی محمد عمر صاحب کے داخل سلسلہ ہونے کا قصہ بھی سنایا تھا کہ دلی میں خواجہ محمد سعید صاحب جب پہلی مرتبہ تشریف لے گئے تو مولوی محمد عمر صاحب از راہِ تمسخر کہا کرتے کہ ہمیں کچھ کرو تو جانیں، خواجہ صاحب ٹال جاتے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب پہنچ گئے حضرت صاحب نے بٹھالیا اور توجہ دی پھر تو اتنا جذبہ ہوا کہ خوب اچھلے کودے اُن کے شور وغل کی وجہ سے لوگ مسجد کے اندر اور باہر جمع ہو گئے حضرت مولانا عبد الغفور صاحبؒ بھی بہت حیران ہوئے اور خواجہ صاحبؒ پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ خواجہ صاحبؒ نے نرمی سے سمجھایا کہ بزرگوں کے سلاسل میں ایسا ہوتا آیا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ فکر نہ کریں ٹھیک ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد جب ظہر کا وقت آیا تو خواجہ صاحبؒ کو تشویش ہوئی کہ اگر ظہر کی نماز ان کی قضا ہو گئی تو بہت برا ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ان کو نماز کے وقت افاقہ ہو گیا اور انھوں نے نماز پڑھ لی، اس کے بعد وہ آپ کے معتقد ہو گئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔

عقیدت کے پھول

(از جناب حاجی سراج الدین صاحب زواری کراچی)

حضرت مولانا و مرشدنا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدتمند ہند و پاکستان کے علاوہ ترکی، افریقہ، سعودی عرب اور دیگر ممالک تک پھیلے ہوئے ہیں جن سے خط و کتابت کا سلسلہ محترم حاجی محمد اعلیٰ صاحب کے ذریعہ جاری رہا۔ ان حضرات میں سے چند احباب ایسے ہیں جن سے حضرت شاہ صاحبؒ کی وجہ سے اس عاجز کو ملاقات کا موقع ملا، پھر اُن سے خط و کتابت بھی جاری رہی ہے۔ ان حضرات میں جناب انور اورن جو کہ ترکی میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ روزنامہ ترکی کے ایڈیٹر بھی ہیں اور حضرت حسین حلمی ایسک کے داماد ہیں ــــ حضرت حسین حلمی ایسک ترکی میں نقشبندی سلسلہ کی ترویج واشاعت میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں نیز بڑی بڑی نایاب کتابوں کی طباعت کرا کے تمام اسلامی ممالک میں مفت تقسیم فرما رہے ہیں ــــ عرصہ ہوا کہ انور اورن اور ان کے دوست پاکستان تشریف لائے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ ان کے دوست ڈاکٹر علی ابوبکر گھانا کے رہنے والے ہیں اور لندن یونیورسٹی سے نفسیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن گھانا میں نفسیاتی طرزِ علاج کا مطب قائم کیا ہوا ہے۔ آپ جب پاکستان تشریف لائے تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے اور اس عاجز کے مکان پر ایک ہفتہ قیام فرمایا تھا۔ اس مختصر قیام کے دوران آپ نے کراچی کے بڑے بڑے دینی مدارس دیکھے اور حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ سے بھی ملاقات کی جس کا تذکرہ آپ کے مکتوب میں بھی ہے۔

اس مختصر تعارف کی غرض و غایت یہ ہے کہ بڑے بڑے اہلِ علم حضرات ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پُرنور شخصیت سے مستفید ہوئے اور جس عقیدت کا اظہار ان حضرات نے فرمایا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ ان کے چند خطوط موصول ہوئے ان میں سے چار خطوط کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

بُجھ گیا دل حیات باقی ہے
چُھپ گیا چاند رات باقی ہے

ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

(مکتوب نمبر۱)

ترکی

مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۳ء

میرے بہت ہی پیارے دوست

آپ کا انتہائی پرخلوص خط موصول ہوا جس سے بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ بہت دنوں سے اسکول اور اخبار کی وجہ سے میں بہت مصروف رہا۔ یہ کتنی اچھی بات ہے کہ ہمیں عظیم اسلامی بزرگوں کی محبت حاصل ہے خصوصاً سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی۔ میں نے سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کو دو مرتبہ خواب میں دیکھا ہے ہم انشاء اللہ حج کی ادائیگی کے بعد استنبول میں اُن (حضرتؒ) کا انتظار کریں گے۔ استنبول پہنچتے ہی میں نے کئی کتابیں آپ کی خدمت میں روانہ کی ہیں امید ہے کہ وصول ہو گئی ہوں گی۔

احمد۔ ابراہیم اور میں خود بھی ہم سب آپ کو اور حضرت سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کو بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں۔ ہم آپ کی اور اپنے پیارے سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی دعاؤں کے منتظر ہیں۔

آپ کا مخلص

انور اورن

(مکتوب نمبر۲)

ترکی

مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۷۴ء

برادر عزیز سراج الدین صاحب

سلام مسنون

میں نے آپ کے وہ خطوط پڑھے جو میرے دوست لے کر آئے اور بہت محظوظ ہوا۔ میری دلی آرزو تھی کہ برأت کی رات (پندرہویں شعبان) کو اپنے دوستوں کے ساتھ میں بھی آپ حضرات کے ساتھ شامل ہوتا۔ کس قدر قیمتی لمحات تھے ہمارے لئے کہ حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب اور صوفی محمد احمد صاحب کی دعا لیتے جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور جو اس وقت کی عظیم ہستیاں ہیں ہمیں ان سے بہت محبت ہے اور ان کی دعاؤں کی ہمیشہ ضرورت ہے۔

مجھے آپ یاد آتے ہیں اور وہ لمحات جو پاکستان میں ہم نے ایک ساتھ گذارے۔ میرے خُسر محترم حسین حلمی اِسک، احمد، ابراہیم مودبانہ سلام عرض کرتے ہیں، خصوصی طور پر حضرت سید زوار حسین شاہ صاحبؒ، صوفی محمد احمد صاحب اور حاجی محمد اشلی صاحب کو۔

والسلام

انور اورن

(مکتوب نمبر ۳)

حاجی ڈاکٹر علی ابوبکر
پوسٹ بکس ۱۰۲۷۔ کماسی۔ گھانا
مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۷ء

میرے عزیز بھائی حاجی سراج الدین

یہ ایک بڑی خوشی کا موقع ہے جس کی آپ کو اطلاع دے رہا ہوں کہ استنبول، ترکی میں طویل خاموشی (سے گذارنے) کے بعد میں لندن پہنچا پھر گھانا آیا اور پھر حج کو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے حج کی سعادت بخشی۔ میں نے آپ کو اور تمام بھائیوں کو خصوصاً شیخ زوار حسین شاہ صاحبؒ۔ پروفیسر مصطفےٰ (حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب مدظلہ) برادر لودھی کو مکہ معظمہ، عرفات، منیٰ اور مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران یاد رکھا۔ فقط

آپ کا دینی بھائی
ڈاکٹر علی ابوبکر

(مکتوب نمبر ۴)

مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء

برادر عزیز السلام علیکم

عرصہ ہوا جب میں اپنے اہل خانہ کے ہمراہ لاس انجیلز میں تھا۔ اس وقت آپ سے آخری بار شنید ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ۱۶ مارچ ۱۹۷۸ء کو ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جس کا نام اسمٰعیل ہے۔ میں ہمیشہ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں اور آپ کی عنایت و محبت کا ممنون ہوں جو آپ نے میرے پاکستان کے قیام کے دوران مخصوص کی۔

براہِ کرم میرے مربی شیخ زوار حسین شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مخلصانہ عاجزانہ مدعا بیان کر دیجئے کہ وہ میرے اور اہلِ خانہ کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ ان کی توجہ میرے لئے اتنی قیمتی ہے کہ ایک دن بھی ان کو یاد کئے بغیر نہیں گذرتا۔ برائے مہربانی ان سے کہیں کہ میرے لئے اور میرے اہلِ خاندان کے لیے دعا فرمائیں۔

ایک مرتبہ میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں

فقط۔ آپ کا دینی بھائی
علی ابوبکر

سفرِ حج اور دیگر اہم واقعات

(از جناب حاجی محمد جبین صاحب کاٹھیاواڑ)

سوچ رہا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے حالاتِ زندگی کس طرح لکھوں۔ نہ تو میں ادیب ہوں اور نہ ہی شاعر۔ ایک تاجر کی حیثیت سے اتنی بڑی روحانی شخصیت پر قلم اٹھانا کوئی آسان بات نہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ سے اس عاجز کا تقریباً بائیس ۲۲ سال کا قریبی تعلق رہا اور خصوصاً سفرِ حج میں متعدد مرتبہ ساتھ رہنے کا موقع ملا چنانچہ سفرِ حج اور دیگر اہم واقعات اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ اہلِ ذوق حضرات ان واقعات سے حضرتؒ کے اعلیٰ مقام اور روحانی برکات و فیوضات جس سے انھوں نے اپنی زندگی میں ملت کو فیض پہنچایا خود اخذ فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات دسمبر ۱۹۵۵ء میں اس عاجز کو نزلہ کی شکایت ہوئی۔ قبلہ ڈاکٹر گاندھی صاحب سے دوائی منگوائی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مدینہ منورہ سے حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ تشریف لائے ہیں عشا کے بعد حلقہ مراقبہ ہوگا وہاں چلنا ہے۔ یہ عاجز تیار ہوگیا اور ہم دونوں حلقہ میں پہنچ گئے۔ حلقہ مراقبہ سے فراغت کے بعد صوفی محمد احمد صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے میں نے دریافت کیا کہ حضرت کہاں تشریف لیجائیں گے؟ فرمایا سوسائٹی میں صوفی صاحبؒ کے مکان پر۔ میں نے دریافت کیا کہ کس طرح؟ فرمایا پیدل۔ میں حیران ہوگیا کہ سردی کی راتیں اور روزانہ تین میل پیدل چل کر آنا اور پھر واپس جانا کیا شوق تھا بزرگوں کی صحبت کا، باوجودیکہ حضرت شاہ صاحبؒ خود سینکڑوں مریدوں کے پیر و مرشد تھے اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ ایک اعتبار سے پیر بھائی تھے۔ غرض اس عاجز نے حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت صوفی صاحبؒ کو اپنی کار میں اُن کی قیام گاہ پر پہنچایا۔ پھر سوچا کیوں نہ روزانہ مجلس میں حاضرِ خدمت ہوجایا کروں اور حلقہ کے اختتام پر گھر بھی چھوڑ آیا کروں۔

سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

یوں تو حضرت ڈاکٹر گاندھی صاحب کی رہائش گاہ پر قبلہ صوفی صاحبؒ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی اور بعد میں صوفی صاحبؒ کے مکان پر بھی ان کی خدمت میں حاضری دیتا رہا لیکن کبھی بیعت کرنے کے متعلق سوچا ہی نہیں اور نہ ہی صوفی صاحبؒ نے اس طرف توجہ دلائی البتہ اتنی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے کہ اکثر ان کے مکان پر بے تکلف پہنچ جاتا تھا اور وہاں حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی ملاقات ہوتی۔

حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ سے بیعت مراقبہ کے بعد حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ کی خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی جس میں حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت صوفی صاحبؒ اور دیگر مشائخ بھی شرکت فرماتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور صوفی صاحبؒ کے

طفیل اس عاجز کو بھی اس میں شرکت کرنے کا موقع ملتا۔ ایک روز اس خصوصی مجلس میں کوئی صاحب حضرت مولانا سے بیعت ہوئے صوفی صاحب نے اس عاجز کو ترغیب دی چنانچہ میں بھی بیعت ہوگیا۔ اس طرح اس سبزو تفریح نے روحانی میدان میں پہنچا دیا۔ چونکہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ کا مستقل قیام تو مدینہ منورہ میں تھا اس لئے بیعت کے بعد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ میرا قیام مدینہ منورہ میں ہے لہذا سلسلہ کے مقامی شیخ سے رابطہ رکھیں۔ اس عاجز کو حضرت شاہ صاحبؒ سے عقیدت تھی لہذا انہی سے رابطہ بڑھتا گیا ـــــ حضرت مولانا صاحبؒ مریدوں کو ہمیشہ تاکیداً فرماتے کہ داڑھی رکھنی ہوگی، انگریزی بال نہیں بنوانے اور ٹائی نہیں پہننی ہوگی۔ لہذا اس عاجز کو شیو کرکے اس مبارک مجلس میں بیٹھتے ہوئے شرم آنے لگی۔ آخر ایک روز حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ مولانا صاحبؒ روزانہ داڑھی رکھنے کے لئے فرماتے ہیں کیوں نہ داڑھی رکھ لی جائے لیکن ڈر یہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد اگر داڑھی منڈا دی گئی تو آپ کی مجلس میں حاضر ہونے سے شرم آئے گی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ داڑھی رکھنے کی ترغیب دیتے لیکن ان روحانی بادشاہوں کا معاملہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا "چونکہ آپ کا پختہ ارادہ نہیں اس لئے جلدی نہ کریں البتہ مولانا صاحب کو تکلیف نہ ہو اس خیال سے دور ہی دور رہے ان کی زیارت کر لیا کریں۔" ان جملوں سے طبیعت پر عجیب اثر ہوا اور فوراً پختہ ارادہ کرکے داڑھی رکھ لی۔ حضرت مولانا صاحبؒ چند دن بعد اندرونِ پاکستان کے دورے پر تشریف لے گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کے ساتھ تھے۔

دورانِ سفر کے چند واقعات حضرت شاہ صاحبؒ ہر چار چھ ماہ بعد کراچی تشریف لاتے اور اکثر یہ عاجز اپنے کاروباری دورے سے واپسی پر خیرپور ٹامیوالی پہنچ جاتا اور آپ کو اپنے ساتھ کراچی لے آتا۔ اس طرح آپ کی شفقتیں اس عاجز پر بڑھتی گئیں ـــــ ایک مرتبہ دورانِ سفر رات کے دو یا تین بجے ہوں گے حضرت شاہ صاحب نیند سے بیدار ہوگئے چپکے چپکے اپنی سیٹ سے اٹھے تاکہ کسی قسم کی آہٹ نہ ہو اس عاجز کی آنکھ کھل گئی فرمایا سو جاؤ سو جاؤ اور خود استنجا اور وضو سے فارغ ہوکر تہجد ادا کی اور اپنے معمولات ادا فرمائے۔ یعنی سفر میں بھی معمولات کو پابندی سے ادا فرماتے تھے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ریل کے ڈبہ میں کرایہ کا فرق ادا کرنا تھا اس عاجز نے ٹی ٹی کو بائیں ہاتھ سے رقم دینی چاہی آپ نے فوراً بائیں ہاتھ کو پکڑ لیا اور اشارہ سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے دو۔ وہ دن اور آج کا دن ہے بندہ کوئی چیز لیتے یا دیتے وقت آپ کی یہ نصیحت یاد رہتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

دورانِ سفر ناشتہ کے وقت ہم ڈائننگ کار میں گئے۔ ریل کی تیز رفتاری کے باعث وہ جھولے کی طرح جھول رہی تھی، چائے پیتے وقت ہر ایک کی چائے پیالی سے چھلک کر پلیٹ اور کپڑوں پر پڑ رہی تھی لیکن کیا مجال کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی پیالی کا کوئی قطرہ پلیٹ یا کپڑوں پر گرا ہو۔

اناج کی اسقدر عزت فرماتے تھے کہ کھانے کے برتن کو روٹی کے بالکل آخری ٹکڑے سے صاف فرماتے

اور بسکٹ کو چائے کی پیالی کے اوپر توڑتے تاکہ بسکٹ کے ریزے زمین کے بجائے چائے کی پیالی میں گریں۔

علمی بحث ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ٹائی پہننے پر سوال اٹھایا گیا حضرت شاہ صاحبؒ نے مختلف پہلوؤں سے قومی لباس اور مذہبی لباس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی اور لوگوں کا یہ وہم دور کردیا کہ ٹائی لباس نہیں بلکہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے اور کسی غیر مسلم قوم کے مذہبی شعار کی عملی تائید کرنا یقیناً سخت گناہ ہے۔

حضرتؒ کے اہلِ خانہ میں شریعت کی پابندی ۱۹۶۲ء میں جب حضرت شاہ صاحبؒ کا اپنا مکان ناظم آباد میں تعمیر ہوگیا تو آپ اس مکان میں مستقل قیام کے لئے مع اہلِ خانہ کراچی تشریف لے آئے۔ حضرت صاحبؒ کے گھر کے افراد میں صرف اماں جی صاحبہ اور بہن صاحبہ تھیں جو ہمیشہ دیہات میں رہنے کی عادی تھیں اور سخت پردہ کا اہتمام تھا۔ چونکہ اس عاجز کا مکان بھی زیرِ تعمیر تھا اور پرنس روڈ والے فلیٹ کو فروخت کردیا تھا اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کے نچلے حصے میں منتقل ہوگیا جہاں تقریباً گیارہ ماہ میرا قیام رہا۔ دورانِ قیام اس عاجز نے حضرت صاحبؒ اور آپ کے اہلِ خانہ کو مکمل طور پر شریعت اور سنت کا پابند پایا۔ اس طویل عرصہ میں آپ کے ہاں پردہ کا یہ عالم دیکھا کہ ان دونوں ماں بیٹی کی آواز کبھی نہیں سُنی۔ حالانکہ خیر پور ٹامیوالی میں گھر سے اسٹیشن تک اور پھر اسٹیشن سے سمہ سٹہ جنکشن تک ایک ہی تانگہ میں پھر ریل میں سفر ہوا اور بکثرت کار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا اتفاق ہوا لیکن آپ کے اہلِ خانہ نے آواز کا بھی مکمل پردہ قائم رکھا۔

سفرِ حج حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۹۵۳ء کے بعد دوسری مرتبہ ۱۹۶۳ء میں حج کیا۔ ڈاکٹر گاندھی صاحب اور یہ عاجز حضرت کے ہمراہ ہوائی جہاز سے، اپریل ۱۹۶۳ء کو روانہ ہوئے جبکہ حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ اور جماعت کے دوسرے ساتھی بحری جہاز سے تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ظہر کی نماز سے قبل صوفی صاحبؒ کے مکان پر قِران کا احرام باندھ کر جب کمرے سے باہر آئے تو اللہ اکبر اسوقت چہرے پر اسقدر نور تھا کہ دیکھ کر آنکھ حضرت کے چہرے پر ٹھہر نہ سکتی بس سراپا نور ہی نور تھا — ہم بذریعہ ہوائی جہاز جدہ پہنچے اور مکہ معظمہ میں محلہ جیاد میں قیام کیا۔ معلم عبدالقادر نصیر تھا۔

سامانِ سفر یہاں حضرت شاہ صاحبؒ کے سامانِ سفر کا بھی ذکر کرتا چلوں۔ ایک بہت ہی مختصر سا بستر بند جس میں ایک چھوٹا تکیہ، ایک بہت ہلکا سا گدا، ایک چادر، ایک چھوٹا سا بیگ جس میں غالباً تین جوڑی کپڑے، دو بنیان، دو جانگیہ ایک مجلد تھا اور ایک چھوٹی سی کپڑے کی تھیلی جس میں چاقو، کنگھی، ناخن تراش، سیفٹی ریزر، سرمہ مع سلائی، ازار بند ڈالنے کی لکڑی تھی — ہماری دس آدمیوں کی جماعت تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ ہم سب کے ساتھ گھل مل کر اس طرح رہتے کہ ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہ آتا کہ آپ ہمارے شیخ طریقت ہیں — اس سال حج جمعہ کے روز تھا جسے عرفِ عام میں حج اکبر کہا جاتا ہے۔ ہم ۸ ذی الحجہ کو معلم کے ہاں پہنچ گئے اور وہاں سے منیٰ۔ منیٰ میں عصر کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ حجرات پر تشریف لے گئے جہاں تعلق کے بہت سے حضرات سے ملاقات ہوئی، ہر ایک سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور جس نے کوئی مسئلہ دریافت کیا اس کو مسئلہ بتایا۔

جبل رحمت پر وقوف ۹ ذی الحجہ کو عرفات کے لئے روانہ ہوئے معلم عبدالقادر نصیر چاہتا تھا کہ ہماری جماعت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو لہٰذا اس نے اپنے کارکن تواب کو بھیج دیا۔ اللہ کی شان کہ تواب معلم کی جگہ بھول گیا اور بس کو ادھر اُدھر لئے پھرا۔ بس بار بار جبل رحمت کے پاس سے گذرتی تو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے کہ بھئی یہیں اتر جاؤ۔ لیکن جماعت کے ساتھی پس وپیش کر رہے تھے کہ کھلی جگہ دھوپ میں کس طرح وقوف ہوگا اور اس لئے بھی کہ کھانے پینے کا کوئی سامان بھی ساتھ نہ تھا۔ بس کوئی پانچ مرتبہ جبل رحمت سے گذری، ہر مرتبہ حضرت نے اترنے کے لئے کہا پھر آخر میں حکم فرمایا کہ جبل رحمت پر ہی اتر جائیں۔ اس طرح جبلِ رحمت کے بالکل قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ ہم نے ڈیرا ڈال دیا۔ ایک نیم تعمیر سرکاری عمارت کی چھت میسر آگئی اور دھوپ سے بچاؤ ہو گیا عصر کی نماز کے بعد جبل رحمت کے سیاہ پتھر کے پاس حضرت شاہ صاحبؒ مع جماعت تشریف لے گئے اور بہت ہی عاجزی کے ساتھ دعا فرمائی۔ اگرچہ کھانے کا انتظام نہ ہو سکا لیکن وہاں کے قیام کی خوشی کبھی نہیں بھول سکتے۔

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لئے روانگی تھی چونکہ معلم کا ساتھ چھوٹ گیا تھا اس لئے بس کا انتظام بھی رہا تھا لیکن خدا کے فضل وکرم سے ایک بڑی موٹر مل گئی اور ہم بہت ہی آرام کے ساتھ اچھے وقت مزدلفہ پہنچ گئے۔ مغرب و عشاء کی نماز ملا کر پڑھی۔ بعد ازاں حضرت شاہ صاحبؒ اپنے بستر پر لیٹ گئے ان کے قریب حضرت صوفی صاحب تھے ان دونوں بزرگوں کے درمیان کوئی خاص بات ہو رہی تھی اسی اثنا میں ڈاکٹر گاندھی صاحب نے جو ہمہ وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ سے درخواست کی کہ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر دیا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پورے سینے پر ہاتھ پھیر دیا۔ یہ ڈاکٹر گاندھی صاحب کی بڑی کمائی تھی جس کا راز اور حضرت شاہ صاحبؒ و صوفی صاحبؒ کے مابین ہونے والی باتوں کا راز گیارہ ذی الحجہ کو منیٰ میں کھلا۔ مزدلفہ میں صبح کی نماز اول وقت میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے پھر مزدلفہ کی دعا فرمائی اور منیٰ روانہ ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی اجازت بیعت حضرت صوفی محمد احمد صاحب حضرت شاہ صاحب کو ڈاکٹر گاندھی صاحب کے بارے میں بہت اچھی رائے دے چکے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کو اجازت دینی چاہیئے۔ ۱۱ ذی الحجہ کو حضرت شاہ صاحبؒ چند حضرات کے ساتھ عصر کے وقت ناشتہ فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک بسکٹ ڈاکٹر گاندھی صاحب کو اپنے دستِ مبارک سے کھلایا اور فرمایا کہ آپ کو مخلوقِ خدا کو اللہ کا نام سکھانے کی اجازت ہے۔

۱۲ ذی الحجہ کو تمام حضرات مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو گئے جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ، ڈاکٹر گاندھی صاحب اور یہ عاجز منیٰ میں رک گئے۔ رات کو حضرت شاہ صاحبؒ کو بخار ہو گیا۔ عاجز نے حضرت صاحب کو کمبل اڑھایا اور پاؤں دبانے لگا کہ یکلخت آسمان کی طرف نگاہ اٹھ گئی کیا دیکھتا ہوں کہ ساری فضا پر نور چھایا ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نور کے گھنے بادل چاند کی روشنی پر حاوی تھے فضا میں تازگی بخش خنکی محسوس ہو رہی تھی۔

صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر سامان لیکر جمرات پر جانا تھا جہاں سے زوال کے بعد رمی کرکے مکہ معظمہ حاضر ہونا تھا حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سامان کے تین حصے کرو تاکہ بوجھ بٹ جائے۔ عاجز نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کرکے سامان کے دو حصے کئے۔ جب چلنے لگے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا میرے حصے کا سامان کہاں ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بخار ہے سامان بھی زیادہ نہیں ہم آسانی سے اٹھالیں گے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ آداب سفر سے ناواقف ہو اسی وقت سامان کھلوا کر تین حصے کرلئے تب روانہ ہوئے۔ زوال کے بعد رمی کی اور وادی محسب (جس کا نام آجکل معابدہ ہے) کی طرف روانہ ہوگئے اور سنت کے مطابق اس مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی پھر ذکر اذکار میں مشغول ہوگئے، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد تھوڑا آرام کرکے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

مکہ معظمہ میں معمولات مکہ معظمہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا معمول تھا کہ صبح تہجد کی اذان سے کافی پہلے اُٹھ جاتے ورنہ معلوم ڈاکٹر گاندھی صاحب نے کیا "اسپیشل کنکشن" لگایا ہوا تھا کہ اُدھر حضرت نے اُٹھنے کیلئے کروٹ لی اور اِدھر ڈاکٹر صاحب بیدار ہوجاتے استنجے کیلئے پانی کا لوٹا پیش کرتے اور دوسرا لوٹا وضو وغیرہ کیلئے تیار کرلیتے اور ساتھ ساتھ خود بھی تقاضوں سے فارغ ہوکر حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ ہی حرم شریف پہنچ جاتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ حرم شریف میں پہنچکر پہلے طواف کرتے پھر معمول کے مطابق بارہ رکعات نمازِ تہجد ادا کرتے تب کہیں صبح کی نماز کا وقت ہوتا۔

صبح کی نماز حرم شریف میں ادا کرکے مکان پر آجاتے اور دو ڈھائی گھنٹے آرام کرنے کے بعد کھانا تناول فرماتے اہل تعلق کے احباب ملاقات کیلئے آجاتے تو ان سے باتیں ہوتیں اور کبھی آپ بھی دوسروں سے ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے۔ ظہر سے کافی پہلے حرم شریف تشریف لیجاتے وہاں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور ظہر کی نماز کے بعد گھر آجاتے۔ ہم کھانا کھانے میں لگ جاتے اور آپ آرام فرماتے۔ عصر کی نماز حرم شریف میں ادا کرکے گھر آجاتے شام کا کھانا کھاتے اور وضو کرکے مغرب سے پہلے حرم شریف تشریف لیجاتے، ہجوم کے دنوں میں تلاوت فرماتے ورنہ طواف کرتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان واجب الطواف سے فارغ ہوکر تلاوت میں مصروف رہتے۔ اگر کوئی صاحب حج کے مسائل معلوم کرنے آجاتے تو اس کو مسئلہ سمجھاتے اور جہاں کہیں شک ہوتا تو فوراً کتابوں سے رجوع فرماتے۔

آپ کا طواف آپ کے طواف کا طریقہ بہت ہی پروقار ہوتا تھا۔ آپ حجر اسود سے ذرا پہلے طواف کی نیت فرما لیتے پھر ہٹ کر حجر اسود کے بالمقابل تشریف لے آتے۔ استلام فرماکر فوراً طواف شروع کردیتے اور تیزی کے ساتھ چلتے دونوں ہاتھ لٹکائے ہوتے تاکہ کسی حاجی کو آپ سے تکلیف نہ پہنچے، دائیں بائیں سست رفتار لوگ بھی ہوتے تھے لیکن آپ بڑی پھرتی اور خوبصورتی سے کندھوں کو آگے پیچھے کرکے آگے تشریف لیجاتے۔ اگر رکن یمانی پر استلام ممکن ہوتا تو دونوں ہاتھ استلام کے وقت اس طرح رکھتے کہ دونوں ہاتھ کی شہادت کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوتیں اور دونوں ہاتھ اوپر سے نیچے کی طرف پھیرتے ہوئے لیجاتے۔ چہرہ اور سینہ مسجد حرام کی دیواروں کی طرف اور بایاں کندھا بیت اللہ کی طرف ہوتا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۵۱ پر ملاحظہ ہو۔)

پیکرِ اخلاق و مروّت

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(از مرتّب)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فضائل و کمالات اور محاسن پر عاجز کے محترم بزرگوں اور کرم فرما احباب نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنا مجھ بے علم و عمل مسکین کے لئے مشکل تھا لیکن عالی قدر صاحبزادۂ گرامی حافظ سید فضل الرحمن صاحب سلمہٗ کے حکم کی تعمیل میں یہ چند سطور پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

یہ عاجز احقر محمد اعلیٰ غفر اللہ لہٗ قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دہلی میں استاد عبد الغنی خوشنویس بن منشی ممتاز علی خوشنویس مہاجر مکّی علیہما الرحمہ سے کتابت سیکھی اور اسی کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا۔ استاد مرحوم بڑی خوبیوں کے انسان تھے، خطِ نسخ و نستعلیق دونوں میں بے نظیر مشہور خوشنویس گذرے ہیں، جو بھی ان کے پاس پہنچ جاتا سکھانا شروع کر دیتے، کسی سے کچھ لینا نہیں، کسی سفارش کی ضرورت نہیں بس سکھانے سے کام۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ہاں بڑی تعداد میں ہر وقت شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ انہی شاگردوں میں مولانا عبد اللہ مرحوم بھی تھے، سیدھے سادے بہت شریف النفس انسان جن کے ساتھ اسی زمانے میں عاجز کے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ مولانا عبد اللہ مرحوم نے کتابت تو سیکھ لی لیکن اپنی سادگی اور سست مزاجی کی وجہ سے کامیاب کاتب کی حیثیت سے کام نہ کر سکے البتہ چند شاگرد ضرور بنا لئے۔ مولانا چونکہ مسلکاً اہلِ حدیث تھے اس لئے جامع مسجد دہلی کے قریب کوچہ میر عاشق میں حاجی علی جان کی مسجد اہلِ حدیث میں امامت بھی کرنے لگے اور نئی سڑک ایک چھوٹی سی بیٹھک میں کتابت کا شغل بھی جاری رکھا۔ اتفاقاً حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کسی چیز کی کتابت کرانے کے سلسلہ میں مولانا عبد اللہ صاحب کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح آپ کی آ[ن کے] پاس آمد و رفت شروع ہو گئی۔ پھر کچھ تعلقات بڑھے تو آپ نے ان سے کتابت سیکھنا شروع کر د[ی]۔ وہیں غالباً ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے عاجز کی ملاقات ہوئی۔

جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے کتابت کی تکمیل کر لی تو چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے عاجز کے پاس ہمیشہ کتابت کا کام بہت رہا اس لئے عاجز کے پاس جو زائد کام آتا وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سپرد کر دیتا۔ اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ سے عاجز کے تعلقات بڑھتے چلے گئے

غالباً ۱۹۳۸ء میں عاجز نے کتابت کے ساتھ ساتھ "اعلیٰ کتب خانہ" کے نام سے ایک مکتبہ بھی قائم کر لیا جس سے چند چھوٹے بڑے رسائل شائع کیے۔ پھر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے عمدۃ السلوک پہلی مرتبہ ۱۹۴۲ء میں شائع کی تو وہ بھی "اعلیٰ کتب خانہ" کے نام سے ہی شائع کی حالانکہ اس میں عاجز کا ایک پیسہ بھی نہ لگا تھا، اس کی کتابت حضرت شاہ صاحبؒ نے خود کی تھی، البتہ عربی عبارتوں کی کتابت اس عاجز سے کرائی تھی، وہ مطبوعہ نسخہ آج بھی عاجز کے پاس موجود ہے۔ غرض اس طرح کام کے سلسلہ میں اور ویسے بھی دوستانہ تعلقات کی حیثیت سے حضرت شاہ صاحبؒ اکثر اس عاجز کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور عاجز بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور طویل ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں لیکن آپ نے کبھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ آپ صاحبِ اجازت و خلافت ہیں حالانکہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کی رحلت پر اُن کے مزار کے لئے کتبہ بھی اس عاجز سے لکھوایا گیا۔ عاجز یہی خیال کرتا رہا کہ آپ ایک سیدھے سادے مولوی ہیں اور بس۔

عاجز کے چھوٹا بھائی محمد مسلم نے نویں کلاس پاس کرنے کے بعد کہا کہ میرا حافظہ خراب ہے، سبق اچھی طرح یاد نہیں ہوتا اس لئے مزید تعلیم میرے بس کی بات نہیں۔ مشورہ کے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے بھی تذکرہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک گھڑی ساز میرا جاننے والا ہے اس کے پاس بٹھائے دیتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے برادرم محمد مسلم کو اس گھڑی ساز کے پاس کام سیکھنے کیلئے بٹھا دیا اور وہ چند ماہ میں گھڑی سازی کے کام میں ماہر ہو گیا۔ پھر تقسیم ہند کے بعد کراچی پہنچکر گھڑی سازی کے کام پر پی آئی اے میں ملازم ہوا، بعد ازاں اسی کام کی بدولت ۱۹۶۴ء سے سعودی ایر لائن جدہ میں برسرِ ملازمت ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو عاجز سے کس قدر قلبی تعلق تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ تقسیم ہند کے زمانہ میں جب دہلی کے اندر ستمبر ۱۹۴۷ء میں مسلم کش ہنگامے برپا تھے اور قتل و غارت گری زوروں پر تھی، کرفیو لگا ہوا تھا، کئی دن کے بعد جب چند گھنٹے کے لئے کرفیو اٹھا لیا گیا تو حضرت شاہ صاحبؒ کوچہ پنڈت سے جہاں اُن کا قیام تھا کاٹ کے پُل پر ہوتے ہوئے تقریباً تین میل کا پُرخطر فاصلہ طے کر کے قرول باغ اس عاجز کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لئے تشریف لائے، عاجز حیران رہ گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے شیخ طریقت ہونے کا علم عاجز کو اس وقت ہوا جب ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے سخت مصائب سے دوچار ہو کر یہ عاجز کراچی پہنچا اور ۱۹۴۸ء میں حج کی سعادت سے مشرف ہو کر واپس کراچی آیا تو حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب محدث میرٹھی ثم المدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں حج کی

مبارکباد دینے کے لئے تمہارے گھر پر آؤں گا۔ عاجز نے عرض بھی کیا کہ حضرت یہیں سے آپ کی دعائیں کافی ہیں کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں حاجی کے مکان پر ہی جا کر مبارکباد دینی چاہیئے، دن اور وقت بھی مقرر فرما دیا۔ حضرت مولانا موصوف اُن دنوں اپنے بھانجے و داماد جناب سید وکیل محمد صاحب کے پاس بزرٹا لائن میں قیام پذیر تھے اور یہ عاجز اپنے چھوٹے بھائی محمد اسلم کے ہاں والدین کے ہمراہ کلیٹن کوارٹرز میں رہتا تھا۔ حسنِ اتفاق کہ اُن دنوں حضرت شاہ صاحبؒ بھی کراچی میں حضرت صوفی محمد احمد صاحب مرحوم کے ہاں مارٹن کوارٹرز میں قیام پذیر تھے چنانچہ عاجز نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی عرض کر دیا اور اور حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی مدظلہ العالی سے بھی عرض کیا کہ آپ بھی وقتِ مقررہ پر تشریف لے آئیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اور حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحبؒ جناب وکیل محمد صاحب کے ہمراہ حسب پروگرام عصر کے وقت عاجز کے یہاں کلیٹن کوارٹرز جہانگیر روڈ پر تشریف لے آئے اور مغرب تک مجلس گرم رہی۔ عاجز نے حضرت شاہ صاحبؒ کا تعارف معمولی انداز میں کرا دیا۔ چونکہ ابتدائی زمانہ تھا اس لئے اس علاقہ میں مساجد کی بڑی کمی تھی لہٰذا مغرب کی نماز کے لئے گھر پر ہی انتظام کیا گیا۔ جب صف بندی ہوئی تو حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحبؒ سے امامت کے لئے درخواست کی گئی۔ لیکن آپ نے اپنی بجائے خود حضرت شاہ صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لئے آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "آپ بھی تو مولوی معلوم ہوتے ہیں"۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر رخصت ہونے کا وقت آیا تو حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت صوفی محمد احمدؒ کے ہاں تشریف لے گئے اور یہ عاجز ان حضرات کو بس میں سوار کرانے کے لئے جمشید روڈ تک گیا کیونکہ اس وقت تک جہانگیر روڈ کا نام ونشان نہ تھا صرف جمشید روڈ تک محمد علی ٹرانسپورٹ کی بسیں چلتی تھیں۔ راستہ میں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحبؒ[1] نے اس عاجز سے حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا شاہ صاحب صاحبِ اجازت وخلافت ہیں؟ عاجز نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت مولانا موصوف نے فرمایا کہ "تمہیں بتا دینا چاہیئے تھا تاکہ میں آداب کا خیال رکھتا"۔ عاجز یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اس واقعہ سے حضرت شاہ صاحب

---

[1] حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب میرٹھی ثم المدنی قدس سرہٗ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں خوب متعارف ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں بدایوں میں ہوئی اور ۵ رجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء شب جمعہ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ہیں اور سلسلۂ طریقت میں آپ حضرت قاری محمد اسحٰق میرٹھیؒ کے خلیفہ ہیں جو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کے خلیفہ تھے۔ اس طرح آپ محدث ہونے کے علاوہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشائخ میں سے تھے، عاجز پر بہت شفیق و مہربان تھے۔ حضرت موصوف کی تالیف لطیف "ترجمان السنہ" کی جلد اولؔ دومؔ اور چہارم کی کتابت کی سعادت عاجز کو حاصل ہے۔

کے شیخِ طریقت ہونے کا علم ہوا۔

چونکہ یہ عاجز قبل ازیں ۱۹۳۷ء کے اوائل میں حضرت مولانا غالب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے[1] مراد آباد (یوپی) میں بیعت ہو چکا تھا اس لئے تجدیدِ بیعت کے لئے بہت محتاط تھا لیکن مندرجہ بالا واقعہ کے بعد تجدیدِ بیعت کا احساس پیدا ہو گیا اور عاجز کے ذہن میں دو ہستیاں ایسی آگئیں جن سے طبیعت میں بیعت کرنے کا میلان پایا جانے لگا، ایک حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحبؒ اور دوسرے حضرت شاہ صاحبؒ۔ ابھی دل و دماغ اسی سوچ بچار اور فیصلہ کرنے میں مصروف تھے کہ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اب عاجز کے سامنے صرف حضرت شاہ صاحبؒ کی ہستی رہ گئی۔ پھر بھی عاجز نے مزید مشورہ کے طور پر حضرت مولانا ابو الفرح حبیب اللہؒ کی خدمت میں عرض حال کیا جو اس وقت ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاذ تھے اور اُن کی اس عاجز کے ہاں دہلی میں حضرت شاہ صاحبؒ سے بارہا ملاقات ہوئی تھی، جواب میں مولانا ابو الفرح مرحوم نے حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں تحریر فرمایا کہ "وہ تو نورٌ علیٰ نور ہیں"۔

بعد ازاں حضرت شاہ صاحبؒ اور اُن کے خلیفہ مجاز حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کی مجالسِ مراقبہ میں حاضر ہونے لگا اور جب سلسلۂ عالیہ سے عاجز کو ایک گونہ روحانی تعلق پیدا ہو گیا تو حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہو گیا اور اب دوستانہ تعلقات پیری مریدی کے تعلقات میں تبدیل ہو گئے۔ اس طرح یہ عاجز حضرت شاہ صاحبؒ کے خادموں میں شامل ہو گیا۔

---

[1] حضرت مولانا سید غالب علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں سے گذرے ہیں۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں بروز جمعہ ۲۸ صفر ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء کو مراد آباد میں انتقال ہوا۔ آپ حضرت قاضی محمد اسمٰعیل منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے تھے (منگلور ضلع سہارنپور کا ایک قصبہ ہے) حضرت قاضی صاحبؒ بہت عالی مرتبہ بزرگ گذرے ہیں، بڑے فضائل و کرامات کے حامل تھے۔ آپ کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جانب سے وہ شرف حاصل ہوا جو شاید و باید کسی کو حاصل ہوا ہو یعنی آپ کو اتباعِ سنت کی برکت سے یہ چار سعادتیں نصیب ہوئیں کہ تریسٹھ سال کی عمر، دوشنبہ کا دن، ۱۲، ربیع الاول (۱۳۱۰ھ) کو انتقال ہوا یعنی عمر، دن، تاریخ اور مہینہ چاروں چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کو حاصل ہوئیں۔ اسی سلسلہ میں کسی شاعر نے ایک طویل قطعۂ تاریخ کہا تھا افسوس کہ وہ عاجز کو نہ مل سکا البتہ اس کے دو شعر یاد رہ گئے ہیں ؎

یہ ماہ جو نبوت کا جب ہوا ہم سالِ	خبر نہ تھی کہ دوشنبہ کا دن ہو وقتِ رحیل
یہ چاند چودھویں کا بارہویں کو کیسے چھپا	ربیع الاوّلی میں کیوں جلد ہو گئی تکمیل

حضرت قاضی صاحبؒ موصوف کے جانشین آپ کے صاحبزادے حضرت قاضی عبد الغنی صاحبؒ ہوئے پھر قاضی عبد الغنیؒ کے صاحبزادے حضرت قاضی عبد الولیؒ ہوئے۔ اب قاضی عبد الولیؒ بھی کئی سال ہوئے رحلت فرما گئے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا مزید کرم ہوا تو ۱۹۵۴ء میں مع اہل و عیال چند دن کے لئے خیر پور ٹامیوالی سے اس عاجز کے ہاں کراچی تشریف لائے اور دورانِ قیام "حیات سعیدیہ" تالیف فرمائی جس کو عاجز نے پہلی بار ۱۹۵۵ء میں اعلیٰ کتب خانہ کی جانب سے شائع کیا۔ بعد ازاں عمدۃ الفقہ جلد اول جس کی تالیف کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے خود ہی اس کے ایک سو بیس صفحات کتابت بھی کر لئے تھے وہ عاجز کے سپرد فرمائی اور عاجز نے بقیہ صفحات کی کتابت کر کے اس کو بھی اعلیٰ کتب خانہ کی جانب سے شائع کیا۔ وہ نسخہ بھی عاجز کے پاس محفوظ ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہونے کے بعد آہستہ آہستہ عاجز کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے والہانہ تعلق پیدا ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں اپنے نام و نمود کو برا سمجھنے لگا اور مکتبہ "اعلیٰ کتب خانہ" کے نام کو تبدیل کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اس کے لئے اکثر احباب سے مشورے بھی کئے۔ حسن اتفاق کہ اُنہی دنوں قدرت کی جانب سے حج و زیارتِ حرمین شریفین کے اسباب پیدا ہو گئے اور یہ عاجز حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ ۱۹۶۴ء میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا۔ جب یہ عاجز مدینہ منورہ حاضر ہوا اور وہاں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب علیہ الرحمہ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا "ادارہ مجددیہ" نام رکھدو۔ عاجز کو یہ نام بہت پسند آیا اور واپسی پر جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کراچی تشریف لائے تو ایک اجتماع کے موقع پر جس میں حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی مدظلہ العالی اور چند دیگر بزرگوں کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں یہ نام پیش کیا اور سب کی رائے سے "اعلیٰ کتب خانہ" کا نام "ادارہ مجددیہ" رکھدیا گیا۔ اور اس وقت سے جتنی کتابیں شائع کیں وہ سب "ادارہ مجددیہ" کے نام سے شائع ہوئیں۔

اسی زمانے میں محترم حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی کے مشورہ اور تعاون سے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے کئی رسائل بھی شائع کئے۔ بعد ازاں قدرت کی جانب سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ خیر پور ٹامیوالی ضلع بھاولپور سے مستقل قیام کے لئے کراچی تشریف لے آئے اور خدا کی شان دیکھئے کہ جس محلہ میں عاجز رہتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اسی محلہ کو اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، پھر تو حضرت شاہ صاحبؒ کا گھر عاجز کا گھر بن گیا، دن میں کئی کئی بار آنا جانا رہتا اور شام کو عصر کے بعد ٹہلنے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے ہمراہ جانا عاجز کا معمول بن گیا۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے کراچی پہنچ کر نہایت عرق ریزی اور دن رات کی محنت شاقہ کاوش

کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا اور چند سال کی مختصر مدت میں اتنی کثیر تعداد میں ضخیم ضخیم مجلدات کا اتنا بڑا ذخیرہ تیار کردیا کہ اس پر عقل دنگ رہ جاتی ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

لہذا عاجز نے بھی دیگر کاموں سے دست کش ہوکر صرف حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تالیفات وتراجم کی کتابت، طباعت اور اشاعت میں مشغول ہونے کو اپنی دینی ودنیوی سعادت سمجھا اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مرضی کے مطابق تمام کتابوں کی اشاعت میں کوشاں رہا اور اب بھی مشغول ہے۔

اب یہ عاجز اصل مضمون کی طرف آتا ہے اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بعض خصوصیات پر اپنی ناقص فہم کے مطابق روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ایک بہت بڑی خصوصیت جس کا تعلق خاص طور پر اس عاجز کے ساتھ ہے اور جس کو یہ عاجز بہت اہمیت دیتا ہے وہ یہ ہے کہ تالیفات وتراجم کے سلسلہ میں رات دن کی اسقدر انتھک محنت اور عرق ریزی فرمانے کے باوجود، معاوضہ یا مالی منفعت کا ذرہ برابر خیال حضرت شاہ صاحبؒ کے قریب سے بھی نہیں گذرا تھا چہ جائیکہ دل میں آیا ہو۔ عاجز نے جب کبھی ہمت کرکے کچھ پیش کرنا چاہا تو یہ فرماکر ٹال دیا کہ "ابھی تمہیں فلاں فلاں کتاب چھاپنی ہے اس کے لئے کہاں قرض لیتے پھروگے، اس سے کام چلاؤ" وغیرہ چند جملے نصیحت کے فرماکر بات ختم کردی اور قبول نہ فرمایا یعنی حضرت شاہ صاحبؒ کو یہی خیال رہتا تھا کہ کسی طرح اس پر بوجھ نہ پڑے اور کام حسن وخوبی کے ساتھ انجام پاتا رہے ——— زبان سے کہہ دینا تو اور بات ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے کہ انسان دن رات محنت کرتا رہے اور اس کا معاوضہ نہ چاہے۔ اتنی بے لوث خدمت ایک بہت بڑی مقبول بارگاہ ہستی کا کام ہے جو یہ خیال کرلے کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (تحقیق میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے)۔ نیز یہ واقعہ حضرت شاہ صاحبؒ کے استغنا اور توکل کے اعلیٰ مرتبہ کا بھی بیّن ثبوت ہے اور اس سے دینی علوم کی ترویج واشاعت کا والہانہ ذوق بھی نہایت درجہ واضح ہے۔

تصنیف وتالیف کے سلسلہ کی ایک اور بات بھی ملاحظہ ہو کہ چونکہ عاجز ابتدا سے کتابت کا کام کرتا ہے اور بکثرت مصنفین حضرات سے واسطہ رہا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کو جس احتیاط سے کام کرتے دیکھا ہے اس کی مثال بھی مشکل سے نظر آتی ہے۔ مثلاً حضرت شاہ صاحبؒ کو کوئی اُلجھا ہوا

مضمون لکھنا ہوتا، یا پیچیدہ عبارت کا ترجمہ کرنا ہوتا تو کئی کئی دن تک اس کو ذہن میں رکھتے۔ اس دوران میں اگر کسی ذی علم بزرگ سے ملاقات ہوجاتی تو اُن سے بھی تبادلۂ خیال فرماتے اور جب تک آپ کے دل کو اطمینان نہ ہوجاتا اس وقت تک کتابت کے لئے نہ دیتے بلکہ کتابت ہوجانے کے بعد بھی اگر کوئی بہتر مضمون ذہن میں آجاتا اور شرح صدر ہوجاتا تو اس وقت بھی اس کی اصلاح فرمادیتے۔

اسی طرح کی ایک اور بات یاد آئی کہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب نے مسودہ تیار کرکے عاجز کو دیا۔ اثنائے کتابت میں اگر کوئی جملہ عاجز کی سمجھ میں نہ آیا اور اس کا حضرت شاہ صاحبؒ سے اظہار کردیا تو آپ نے کبھی بُرا نہ مانا کہ میرے لکھے ہوئے پر نکتہ چینی کررہا ہے بلکہ ذرا سوچ کر عبارت بدل دی اور فرمایا ٹھیک ہوگئی؟ عاجز نے عرض کیا جی ہاں، اگر حضرتؒ نے عاجز کے لہجہ سے محسوس کرلیا کہ اس کو ابھی اطمینان نہیں ہوا تو فرمایا نہیں ابھی تمہارا ذہن صاف نہیں ہوا اور اس عبارت کو بھی کاٹ کر دوسری عبارت لکھدی اور فرمایا اب تو ٹھیک ہوگئی؟ عاجز نے عرض کیا جی ہاں اب ٹھیک ہوگئی۔ تب اس کو کتابت کے لئے عاجز کے حوالہ کیا — مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے جب عاجز نے مذکورہ بالا واقعہ عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی اکثر ایسا ہوتا تھا — اس واقعہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کی دو خصوصیات واضح ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اپنے آپ کو فاضل نہ سمجھنا، دوسرے یہ کہ نکتہ چینی پر بُرا نہ ماننا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور بات بھی ملاحظہ ہو کہ عمدۃ الفقہ کتاب الحج کی کتابت کے وقت عاجز نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت نے بعض جگہ ایک ایک عبارت پر چھ چھ سات سات کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اگر وہ حوالہ جات مقدم مؤخر ہوجائیں تو کوئی حرج تو نہیں؟ — فرمایا ایسا نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ پہلا حوالہ اس کتاب کا ہے جس کی عبارت زیادہ آئی ہے پھر اس کا حوالہ ہے جس کی عبارت اس سے کم آئی ہے پھر اس سے کم عبارت والا، اسی ترتیب سے میں نے حوالے دیئے ہیں لہذا ترتیب میں مقدم مؤخر نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے ہوں کہ فلاں میرا مرید ہے یا میرا خلیفہ ہے، اگر کسی کا تعارف کرانا ہوتا تو فرماتے کہ یہ جماعت کے حضرات ہیں۔ اور نہ کبھی اپنے کشف دکرامات کا اظہار فرماتے سنا، اور نہ کبھی اپنی علمی فضیلت کا اظہار تک آپ کی گفتگو سے ہوا۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بھی عجیب شخصیت تھی، آپ کو تصوف، فقہ اور سیرت کے

علاوہ بھی اکثر علوم وفنون پر کافی دسترس حاصل تھی اور ان سے متعلق جب گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اس کے ماہر ہیں، مثلاً تجوید، طب، شاعری، ہومیوپیتھی، ایلوپیتھی اور سیاسی معلومات بہت اچھی تھیں اور ان کا بہت عمدہ تجزیہ فرماتے تھے۔ اگر سیاست پر گفتگو چھڑ گئی تو اس پر بھی ایسی سیر حاصل تقریر فرماتے گویا کہ ایک سیاسی لیڈر تقریر کر رہا ہے، اسی طرح طب ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی پر بھی ایک ماہر کی طرح جملہ معلومات تھیں اور دواؤں کے متعلق مناسب مشورہ دیدیا کرتے تھے، البتہ آپ کی طبیعت عملیات کی طرف بالکل مائل نہ تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ توضمنی چیزیں ہیں اصل تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا ومعرفت ہے جس کو یہ حاصل ہوگئی اس کو سب کچھ حاصل ہوگیا۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی عظمت ووقار کا بھی ایک واقعہ ملاحظہ ہو، غالباً دس بارہ سال کی بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی معیت میں آپ کی جماعت مسکین پور کے جلسہ میں گئی، وہاں سے فارغ ہوکر حسب دستور احمد پور شرقیہ کے جلسہ میں حاضر ہوئے۔ جلسہ کے اختتام پر حضرت مولانا سید علاء الدین شاہ صاحب جیلانی مدظلہ العالی نے کھڑے ہوکر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فضائل ومناقب پر ایک جامع اور مفصل تقریر فرمائی، پھر اس کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد علاء الدین صاحب مدظلہ العالی حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میرے لطائف تازہ کر دیجئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کچھ پس وپیش بھی کیا لیکن آپ نے اصرار کرکے لطائف تازہ کرالئے۔ اس کے بعد اپنی جماعت کے سب حضرات کو حکم دیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے اپنے اپنے لطائف تازہ کرائیں۔ پھر کیا تھا لوگوں کی قطار لگ گئی اور ہر ایک نے اپنے لطائف تازہ کرائے اور دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ پر جو انوار برس رہے تھے اس کیفیت کا اظہار مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے زبان وقلم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی رحلت سے چند دن قبل اس عاجز نے عرض کیا کہ ؎

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

یہ شعر تو موت کے وقت کے تاثرات سے متعلق ہے۔ ایسا شعر ہونا چاہئے جو عام حالات میں بھی اس تأثر کی یاددہانی کرائے۔ تو آپ نے تھوڑے تامل کے بعد یہ شعر فرمایا۔ اس شعر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ آپ کا آخری شعر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ؎

تصور موت کا لے دو نفو کرکے ذرا دیکھو   نظر آتی ہے اپنی عمر رفتہ خواب وافسانہ

فقیہ ۔ سالک ۔ سوانح نگار

(از جناب مولانا سید محبوب حسن صاحب واسطی)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے گوناگوں پہلو تھے مگر ان کی تین حیثیتیں یقیناً نمایاں تھیں۔ وہ ایک اعلیٰ پایہ کے فقیہ تھے اور مسائلِ شرعیہ کی معمولی معمولی جزئیات تک ان کی گہری نظر تھی۔ وہ ایک سالک، درویش، صاحبِ ریاضاتِ شاقہ، شب بیدار اور عظیم المرتبت بزرگ تھے جنھوں نے اپنے متوسلین، معتقدین اور خلفائے عظام کے سامنے اتباعِ شریعت کا ایک کامل نمونہ پیش فرمایا اور ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کو شریعت وسلوک سے قریب کیا۔ وہ ایک عظیم سوانح نگار، محقق اور بشری خصوصیات پر عمیق نظر رکھنے والے اہلِ قلم تھے جنھوں نے بعض کاملینِ نقشبندیہ و متبعینِ شریعتِ غرہ رحمہم اللہ کو اپنی قلمی و تحقیقی کاوش کیلئے مخصوص فرمایا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　که برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

فقیہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (توبہ۔ ۱۵) [کیوں نہ ہر طبقہ سے ایک جماعت نکلی کہ دین کا علم و فہم حاصل کرتی] ۔ جس میں صریح حکم ہے کہ مسلمانوں کے ہر طبقہ سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو دین کے علم و فہم کے لئے سعی بلیغ کرے۔

حدیث شریف میں فخرِ کونین سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ [اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے] ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حصولِ علمِ فقہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو کسی کسی پر ہوتا ہے ـــــ دوسری جگہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا :۔ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ اَلْفِ عَابِدٍ [ایک فقیہ شیطان پر ہزار عبادت گذاروں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے] ۔ یعنی شیطان اچھے اچھے عابد، زاہد و شب بیدار پر جکہ آسانی سے وار کرلیتا ہے ایک فقیہ پر جس نے مسائلِ شرعیہ میں دسترس حاصل کرلی ہو اس کو وار کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں علمِ فقہ انسان کو احکام و مقاصدِ شریعت سے آگاہ کرتا اور شیطان کے مکر و فریب سے

پوری طرح باخبر کر دیتا ہے۔ اتباعِ سنت سے ہٹانے والے شیطان کے تمام حربوں سے باخبر ہونے کی بنا پر ایک فقیہ، شیطان کو فوراً پہچان لیتا اور لاحول پڑھ کر اس سے بچنا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے۔

حصولِ علمِ فقہ کی قرآن و حدیث میں جب اس قدر تاکید آئی ہے تو ہمارے لئے لازم ہے کہ اس کے مفہوم کو واضح طور پر سمجھیں۔ امامِ لغت و تفسیر علامہ راغب اصفہانیؒ (متوفی ۵۰۲ھ) اپنی مشہورِ عالم کتاب "المفردات فی غریب القرآن" میں فرماتے ہیں:۔ اَلْفِقْهُ هُوَ التَّوَصُّلُ اِلٰى عِلْمٍ غَائِبٍ بِعِلْمٍ شَاهِدٍ فَهُوَ اَخَصُّ مِنَ الْعِلْمِ [ایک موجود و محسوس چیز کی مدد سے کسی غیر موجود و غیر محسوس چیز تک رسائی حاصل کرنا فقہ ہے]۔ پس (لغوی معنی کے اعتبار سے) فقہ صرف کسی چیز کے جان لینے (علم) کے مقابلہ میں زیادہ خاص ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء کی آیت ۷۸ میں لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا میں علم اور فقہ کے اسی فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ فقہ کے لغوی معنی تھے۔ اس کے اصطلاحی معنی کی وضاحت حضرت امام راغب اصفہانیؒ اس طرح فرماتے ہیں:۔ وَالْفِقْهُ اَلْعِلْمُ بِاَحْكَامِ الشَّرِیْعَةِ یُقَالُ فَقُهَ الرَّجُلُ فَقَاهَةً اِذَا صَارَ فَقِیْهًا وَفَقِهَ اَیْ فَهِمَ فِقْهًا وَفَقِهَهٗ اَیْ فَهِمَهٗ وَتَفَقَّهَ اِذَا طَلَبَهٗ فَتَخَصَّصَ بِهٖ [فقہ (اصطلاحاً) علم احکامِ شریعت کو کہتے ہیں۔ جب کوئی فقیہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے فَقُهَ الرجل اور فقہ کے معنی فہم کے ہوتے ہیں اور جب انسان اس طلب علم کے بعد اس میں تخصص پیدا کرلے تو تَفَقَّہَ کہا جاتا ہے]۔ مذکورہ حدیث میں جس تفقہ کا ذکر ہے اس سے مراد یہی تخصص فی علم احکام الشریعہ ہے یعنی محنت و مشقت سے اس علم میں کمال حاصل کرنا۔

سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت ۱۲۲ کے دوسرے حصہ میں یہ تفقہ حاصل کرنے کے بعد ایک فقیہ پر جو دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انھیں اس طرح بیان فرمایا:۔ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ؁ [اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جو لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں] تفقہ کے بعد پہلی ذمہ داری انذارِ قوم، کہ احکامِ شریعت پر عمل نہ کرنے کی صورت میں قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا۔ اس کی طرف وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ میں اشارہ کیا۔ اور دوسری ذمہ داری نگہداشت یعنی اس امر پر نظر رکھنا کہ اس دعوت و تبلیغ کا کیا اور کتنا اثر ہوا اور اگر ضرورت محسوس ہو تو یہ عمل بار بار کرنا اور لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ پاک نے علمِ فقہ کے تینوں درجات نصیب فرمائے: درجۂ تفقہ فی الدین بھی، درجۂ انذارِ قوم بھی اور درجۂ نگہداشت بر اثراتِ انذار بھی۔

عمدۃ الفقہ اور زبدۃ الفقہ حضرتؒ کی علم فقہ پر دو معرکۃ الآراء تالیفات ہیں۔ پہلی چار جلدوں پر پھیلی ہوئی احکام شرعیہ کی تفصیل اور دوسری بالکل ہی ابتدائی ضروری احکام کی تلخیص۔ علمِ فقہ کے جو حصے ان کتابوں میں آگئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) عمدۃ الفقہ کتاب الایمان وکتاب الطہارۃ (۲) کتاب الصلوٰۃ

(۳) کتاب الزکوٰۃ وکتاب الصوم (۴) کتاب الحج

ضرورتِ تالیفِ عمدۃ الفقہ کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اردو زبان میں چھوٹی بڑی کتب فقہ تصنیف وتالیف ہونے اور ترجمے ہونے کے باوجود اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کوئی ایسی جامع ومستند کتاب ہو جو عام فہم ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ جزئیاتِ مسائل حاوی ہو اور ترتیب وتالیف کے لحاظ سے بھی اس طرز پر ہو کہ مسائل کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو جائے۔"

درحقیقت عمدۃ الفقہ کی یہی دو بہت بڑی خصوصیات ہیں: پہلی دقّت نظری، جامعیت اور جزئیات ومسائل کا حیران کن حد تک استقصاء، اور دوسری حُسنِ ترتیب وسلاست زبان اور شگفتگیٔ بیان — حضرت مولانا منتخب الحق صاحب مدظلہ نے صحیح فرمایا "یہ کتاب ایسی ہے کہ جس گھر میں موجود ہو اس گھر میں ایک مفتی موجود ہے۔"

سالک | اہلِ لغت سلوک کے معنی بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ اَلسُّلُوْکُ النَّفَاذُ فِی الطَّرِیْقِ۔ یُقَالُ سَلَکْتُ الطَّرِیْقَ۔ [سلوک راستہ طے کرنے کو کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے سلکت الطریق یعنی میں نے راستہ طے کیا]

مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں اس لفظ کا یہی مفہوم ہے:۔

(۱) وَسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا (اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے) کے واسطے راستے بنائے۔)

(۲) یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ (وہ اس کے آگے سے چلاتا ہے)۔

(۳) لِتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ (تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔)

اصطلاحاً سلوک طریقت کا ہم معنی ہے، یعنی ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ روحانی ترقی کا راستہ۔

مولانا صادق حلوائی سمرقندیؒ ۹۷۸ھ میں جب حج بیت اللہ سے واپس آئے تو اکبر بادشاہ کے چھوٹے بھائی مرزا حکیم حاکم کابل نے جو اُن کے علم وفضل کا بڑا شہرہ سن چکا تھا ان سے کابل آنے کی درخواست کی تاکہ اہلِ کابل بھی ان کے علم سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ مرزا حکیم کی خواہش پر وہ کابل آئے اور کچھ عرصہ کے لئے ان کا سلسلۂ درس وتدریس جاری ہوا۔ انہی ایام

میں خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۰۱۲ھ) ان کے علوم سے مستفید ہوئے۔ ابھی خواجہ صاحب علوم ظاہری کی تکمیل بھی نہ کر پائے تھے ایک دن مسجد میں بیٹھے مصروف مطالعہ تھے کہ ایک مجذوب آنکلا اور انھیں مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

درکنز و ہدایہ نتواں دید خدا را ۔۔۔ آئینۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

کہ کنز الدقائق اور ہدایہ جیسی کتابوں میں تو خدا کو نہ دیکھ سکے گا۔ دل کا آئینہ دیکھ کہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ یہ شعر سننا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے دل پر ایک ضرب لگی اور مطالعۂ کتب چھوڑ چھاڑ وہ اس مجذوب کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ وہ مجذوب تو انھیں نہ مل سکا البتہ یہ جذبہ اور تڑپ انھیں حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے در پر لے گیا۔ ان سے بیعت کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو حکم ہوا کہ ہندوستان جاؤ اور اس طرح ہند و پاکستان کی قسمت جاگی کہ یہاں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج شروع ہوئی۔ چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ فرماتے ہیں:۔

"ایں تخم پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم، در زمین برکت آگین ہند کشتیم، الحمد للہ کہ بعنایتِ الٰہی شجرۂ طیبہ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء ظاہر شد۔"

[یہ پاک تخم ہم سمرقند و بخارا سے لائے اور بابرکت سرزمین ہند میں بویا ہے۔ خدا کا شکر کہ اس کی عنایت سے یہ ایک پاک درخت بنا جس کی جڑیں مضبوط اور جس کی شاخیں آسمان تک ظاہر ہوئیں] حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے یہ امانت حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی۔ ان کو یہ امانت کیا ملنا تھی کہ گویا برصغیر ہند و پاکستان کے کونہ کونہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام پہنچ گیا۔ برصغیر کے علماء و مشائخ کو خدا اپنی رحمت میں ڈھانپے کہ ان کی مساعی سے چار دانگ عالم میں یہ سلسلہ پھیل گیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

چراغ سے چراغ جلتے رہے اور سینہ بہ سینہ یہ روشنی اس طرح منتقل ہوتی رہی کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے یہ نور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو ملا، اُن سے خواجہ محمد سیف الدینؒ کو، ان سے خواجہ محمد محسن دہلویؒ کو، ان سے خواجہ نور محمد بدایونیؒ کو، ان سے حضرت مظہر جان جاناںؒ کو، ان سے حضرت شاہ غلام علیؒ کو، ان سے شیخ ابو سعیدؒ کو، ان سے شیخ احمد سعید مدنیؒ کو، ان سے حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کو، ان سے حضرت محمد عثمان دامانیؒ کو، ان سے خواجہ محمد سراج الدینؒ کو، اور ان کے مبارک سینہ سے یہ امانت حضرت غریب نواز خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو برصغیر ہند و پاکستان اور جمیع انواء عالم میں اشاعتِ حدیث کی عزت

اس طرح ملی کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ خلیفہ ومجاز حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے اپنی ساری عمر درسِ حدیث اور اشاعتِ حدیث میں صرف کر دی۔ اور اطرافِ عالم سے آکر لوگوں نے ان کے درس حدیث سے فیض حاصل کیا۔ ان کی کوشش بہرحال انفرادی تھی اس سے بڑھ کر اشاعت حدیث کی عزت حضراتِ نقشبندیہؒ کو اس طرح ملی کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت خواجۂ خورد (خواجہ عبداللہؒ) جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیض یافتہ بھی ہیں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جس کا تفصیلی ذکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "انفاس العارفین" میں کیا ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے چاروں صاجزادوں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ، حضرت شاہ عبدالقادرؒ، حضرت شاہ عبدالغنیؒ اور ہونہار اور لائق پوتے حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ اور ان حضرات کے ہزاروں شاگردوں نے علمِ حدیث کو اولاً ہندوستان کے کونہ کونہ اور پھر جمیع عالم اسلام میں پھیلایا۔

تو اوپر ذکر تھا کہ یہ امانت حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت غریب نواز خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اولاً فقیر پور اور پھر مسکین پور کو مرکز بنا کر سلسلہ کا کام شروع فرمایا۔ حضرتؒ کے کام میں اللہ پاک نے بڑی برکت عطا فرمائی اور بڑے مرتبہ کے خلفاء سے نوازا۔ بڑے بڑے علماء فضلاء زہاد و عباد اور بڑی مخلوق نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ علاوہ دیگر خلفاء کے حضرت خواجہ محمد سعید قریشی اور ان کے خلفاء کو برصغیر ہند و پاکستان میں اس کام کے لیے اور حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی کو مدینہ شریف اور بیشتر ممالک اسلامیہ میں اس کام کے لیے خصوصاً اللہ پاک نے پسند فرمایا۔ اول الذکر نے احمد پور شرقیہ کو اور آخر الذکر نے مدینہ شریف کو اپنا مرکز بنایا۔ حضرت مولانا مدنیؒ کے لئے غالباً ممکن نہ تھا لیکن حضرت خواجہ محمد سعید قریشی نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اپنے پیر و مرشد کی حیات میں کبھی خود کسی کو خلافت عطا نہ فرمائی بلکہ جسے اس لائق سمجھتے حضرت خواجہ فضل علی قریشی کی خدمت میں ایک عریضہ دیکر اسے بھیج دیتے اور وہ اجازت سے نوازا کرتے۔

حضرت شاہ زوار حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اجازتِ طریقت حضرت خواجہ غریب نواز سے اسی طرح حاصل ہوئی کہ گو وہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشیؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے اسباق کی تکمیل کی لیکن عریضہ دیکر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں بھیج دیئے گئے تھے۔ حضرت جب احمد پور شرقیہ تشریف لائے تو قبہ والی مسجد میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اجازتِ طریقت سے مشرف فرمایا (۱۹۳۵ء)

"عمدۃ السلوک" تصوف پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تالیف ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ جس میں عام امور اور مسائل تصوف کا بیان ہے عوام کے لئے ہے اور دوسرا حصہ جس میں تصوف کے دقیق مسائل، لطائفِ عشرہ، تنزلاتِ ستہ اور اسباق سلسلۂ نقشبندیہ وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے خواص کے لئے ہے۔ ضرورتِ تالیف کتاب کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

> "لوگ مسئلہ ولایت کے بارے میں مختلف رائے اور مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ ایک گروہ تو سرے ہی سے ولایت کا منکر ہے۔۔۔۔ دوسرے گروہ کے لوگ مبالغے میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کو غیب داں اور معصوم خیال کرتے ہوئے ان سے مرادیں طلب کرتے ہیں۔۔۔ الغرض دونوں طرف افراط و تفریط کا بازار گرم ہے۔۔۔۔ جب اس فقیر نے یہ امور دیکھے تو ارادہ کیا کہ ایسی کتاب ترتیب دی جائے کہ جس کے پڑھنے سے لوگوں پر ولایت کی اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔"

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر مخلوق نے فیض حاصل کیا۔ آپ کے متعدد خلفاء مختلف اطراف میں عظیم دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نمایاں خدمات انجام دے کر خلدِ بریں میں پہنچ چکے ہیں مثلاً صوفی محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر خلفاء شب و روز اس کارِ خیر میں مصروف ہیں مثلاً مرشدی و مولائی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی اور ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی صاحب مدظلہ۔ اول الذکر کی تحقیقاتِ علمیہ، تصنیفاتِ عالیہ اور تالیفاتِ عظمیٰ سے کثیر مخلوق فیض حاصل کر رہی ہے۔ ادام اللہ فیوضھم ولا زالت شموس برکاتھم بازغۃ علی قلوب المسترشدین (آمین)

سوانح نگاری سوانح نگاری ایک فن ہے اور ہر فن کے اپنے آداب ہوتے ہیں۔ بعض سوانح نگار حضرات نے بیانِ موضوع میں فنِ شاعری کی طرح اس فن میں بھی بڑے افراط و تفریط سے کام لیا ہے جس کی سوانح پر قلم اٹھایا یا تو اظہارِ عقیدت میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ حقیقت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور من گھڑت واقعات اور بعید از عقل چیزیں بیان کر ڈالیں اور یا پھر اتنے زیادہ حقیقت پسند بنے کہ اپنی سوانح میں نقائص کا علیحدہ باب قائم کیا اور اپنی موضوع شخصیت میں جہاں واقعتاً نقائص نہ بھی تھے وہاں بھی اپنی حقیقت پسندی کے اظہار کے لئے نقائص ڈھونڈ نکالے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں بڑا اعتدال تھا۔ آپ کی سوانح نگاری کی ایک بڑی خصوصیت ایسی حقیقت پسندی اور اعتدال ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ تاریخ کی روشنی میں واقعات کا صحیح تجزیہ آپ کا مقصود اولین ہے۔ آپ کی سوانح نگاری کی

دوسری بڑی خصوصیت آپ کی انتہائی کوشش و کاوش ہے کہ اس مقدس ہستی کی سیرت کا کوئی بھی پہلو جس پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے اور سیرت و تعلیمات کا ہر پہلو سے مطالعہ کیا جائے۔ آپ کی سوانح نگاری کی تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر رطب و یابس کو جگہ نہیں دی گئی ہے۔ جو بیان ہے وہ مستند اور تاریخ کے حوالہ سے، خلفاء کے چشم دید واقعات سے، معاصر شعراء، ادباء اور دانشوروں کی آراء سے، خود اس ہستی کی تصانیف، تالیفات اور تحریروں کی مدد سے، ان خطوط کی روشنی میں جو معاصرین نے اس ہستی کو لکھے، ان جوابات کی روشنی میں جو ان خطوط بھیجنے والوں کو لکھوائے گئے، ان تاریخوں کی مدد سے جو اس ہستی کے وصال پر لکھی گئیں یا اس دور کے اہم واقعات کے متعلق کہی گئیں۔ آپ کی سوانح نگاری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ جس ہستی کی سوانح پر قلم اٹھا رہے ہیں نہ صرف اس کے ذاتی و خاندانی حالات انتہائی تفصیل سے بیان فرماتے ہیں بلکہ اس کی تعلیمات اور ان تعلیمات کے تاریخی نتائج سے بھی اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ شرح و بسط سے بحث فرماتے ہیں۔ تعلیمات، مکتوبات، ارشادات، انسان کے ذاتی جوہر اور اخلاص کا پرتو ہوتی ہیں۔ جتنا کسی کا اخلاص زیادہ اور کردار مثالی ہوتا ہے اتنا ہی اس کی تعلیمات پُر اثر اور کردار ساز ہوتی ہیں۔ کسی بزرگ کے خلفاء کے حالات کا مطالعہ درحقیقت اس بزرگ کے اخلاص اور کردار سازی کا مطالعہ ہے۔ خلفاء کی عظمت سے خود اس بزرگ کی عظمت کا کسی درجہ میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ زوار حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل چار سوانح حیات مرتب فرمائیں:۔

(۱) حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ یہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کی سوانح حیات ہے۔

(۲) انوارِ معصومیہ۔ یہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (متوفی ۱۰۷۹ھ) کی سوانح عمری ہے۔

(۳) مقاماتِ فضلیہ۔ یہ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ (متوفی ۱۳۵۴ھ) کی حیات مقدسہ ہے۔

(۴) حیاتِ سعیدیہ۔ یہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشیؒ (متوفی ۱۳۶۳ھ) کی حیاتِ مبارکہ ہے۔

ان چاروں سوانح کا قدرے تفصیلی مطالعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح نگاری کی بعض اہم خصوصیات کو نمایاں کرے گا اس لئے کچھ تفصیلاً عرض ہے:۔

حضرت مجدد الف ثانی:۔ یہ سوانح مرتب کرنے کی کیا تحریک تھی اور کس جذبہ کے تحت آپ نے یہ ضخیم کتاب تالیف فرمائی اس کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:۔

"سرزمینِ پاک و ہند میں امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

وہ بزرگ شخصیت ہیں جن کی انتھک کوششوں اور تجدیدی کارناموں سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا ظہور ہوا اور شرک و بدعت کا زوال ہوا۔ آپ نے نہ صرف اپنے متعلقین و معتقدین و احباب کی اصلاح کرکے ان کو ولایت کے اعلیٰ مناصب پر پہنچایا بلکہ آپ کی اصلاح کا سلسلہ اتنا وسیع ہوا کہ عوام و خواص اور علماء و صوفیہ سے تجاوز کرکے قوم و ملت کے تمام افراد حتیٰ کہ بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت تک پھیل گیا۔ آپ کے فیوض و برکات کے اثرات اکبر بادشاہ کی زندگی کے آخری زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں اور شہنشاہ جہانگیر بھی آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگیا۔ یہ حضرت موصوف قدس سرہ العزیز ہی کا فیض تھا کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہاں جیسا دیندار بادشاہ پیدا ہوا اور شاہجہاں کے صلب سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جیسا جامع کمالات صوری و معنوی بادشاہ پیدا ہوا اور آپ ہی کے چمنِ فیض سے مخدوم زادگان والا تبار کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی اولادِ امجاد، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، شاہ غلام علیؒ دہلوی وغیرہم جیسے خوش رنگ و خوش بو پھول کھلے۔ یقیناً ایسی عظیم المرتبت شخصیت کا تذکرہ نیک لوگوں کی صحبت کا بہت عمدہ بدل اور عوام و خواص کے لئے نافع ترین و حصول برکت کے لئے عظیم ترین ہوگا۔"

کتاب کی افادیت وہمہ گیری کا اندازہ اُن اٹھارہ عنوانات سے لگایا جا سکتا ہے جن پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ اٹھارہ عنوانات اس طرح ہیں:۔ (۱) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سلسلۂ نسب۔ (۲) آپ کا سلسلۂ طریقت (۳) آپ کی حیاتِ مبارکہ (۴) آپ کی وفات حسرت آیات۔ (۵) آپ کا حلیہ شریفہ۔ (۶) آپ کے معمولات۔ (۷) آپ کے کشف و کرامات۔ (۸) آپ کے ملفوظات (۹) آپ کی دعوت و تجدید کا پس منظر (۱۰) آپ کی مجددیت (۱۱) آپ کے تجدیدی کارنامے (۱۲) آپ کے شواہد تجدید (۱۳) آپ کے معترضین اور ان کی تردید۔ (۱۴) آپ کی تعلیمات۔ (۱۵) آپ کی تصانیف عالیہ۔ (۱۶) آپ کی اولاد امجاد (۱۷) آپ کے خلفاء عظام۔ (۱۸) آپ کے مکتوب الیہم۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرتؒ نے کس عرق ریزی سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔

اس سوانح حیات کی چند خصوصیات کے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:۔ (۱) آپ کے نسب کے متعلق کافی تحقیق و تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے —

(۲) آپ کی دعوت وتجدید کا پس منظر بھی کافی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (۳) آپ کے تجدیدی کارنامے اس قدر وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں کہ آپ کا مجدد الف ثانی ہونا بالکل بدیہی اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ (۴) حدیث تجدید کی تخریج وتشریح وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ (۵) آپ کے تجدیدی شواہد کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (۶) آپ کے معاندین ومخالفین کے بیجا اعتراضات کی تردید پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (۷) آپ کی تعلیمات مکتوبات شریف سے اخذ کر کے فقہی ابواب اور عقائد وغیرہ کے مطابق ترتیب دیکر سلیس اردو میں ترجمہ کرکے لکھی گئی ہیں جس سے تعلیمات کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ (۸) آپ کے مکتوبات شریف وغیرہ کے اقتباسات کا ہر جگہ سلیس اردو میں ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ اصل فارسی نہیں دی گئی تاکہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو جائے، فارسی جاننے والے حضرات بہت کم ہیں۔ اس لئے افادۂ عوام کی غرض سے صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (۹) آپ کے مکتوب الیہم کا انڈکس وتعارف بھی دیا گیا ہے وغیرہ۔"

انوارِ معصومیہ:۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی حیاتِ مقدسہ ہے۔ وجہ تالیف کے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کی حیاتِ مبارکہ "حضرت مجدد الف ثانی" مرتب کرتے وقت یہ گمان بھی نہ تھا کہ اس قدر ضخیم اور جامع کتاب تالیف ہو جائیگی .... پھر ایک مدت کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈالی کہ ابھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سوانح کا ایک اور گوشہ تکمیل طلب ہے جس میں حضرت موصوف کی اولاد امجاد کی سوانح اور ان کے علمی وروحانی کارنامے جو حقیقتاً حضرت مجددؒ موصوف ہی کے علمی وروحانی کارناموں کی شرح ہیں ان کو بھی مدون ومرتب کرنا چاہئے تاکہ سوانح کا یہ گوشہ بھی تشنۂ تالیف نہ رہے اور پوری طرح جامعیت پیدا ہو جائے۔ لہذا عاجز اس خیال کو پیش نظر رکھ کر حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس سرہ کی سوانح کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔"

موضوع کی اہمیت واضح کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فرزند وجانشین ہیں اور ان کے سلسلۂ طریقت کو جو کہ عین شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے بام عروج تک پہنچانا آپ ہی کی ذات سے وابستہ تھا اور آپ کے زمانے سے عہدِ حاضر تک کے علماءِ حق

بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی سے مستفید ہیں اور حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے مکتوبات کے شارح بھی آپ ہی ہیں اور حضرت مجددؒ موصوف کی طرح آپ نے بھی اپنے مکتوباتِ شریفہ میں مختلف مسائل کو حل فرمایا ہے اور عقائد اہلِ سنت کی تبلیغ، شریعتِ مطہرہ کی ترویج اور بدعت سے اجتناب پر بہت زور دیا ہے اور شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت اور حکمت و موعظت کے وہ حقائق و دقائق اور اسرار و نکات بیان فرمائے ہیں کہ ان کے مطالعہ سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے آپ کے ہر سہ دفتر کے چمنستان سے مختلف قسم کے پھول چن کر گلدستہ کی شکل میں "تعلیمات" کا عنوان دیکر "انوارِ معصومیہؒ" میں سجایا ہے جن کو مکتوباتِ معصومیہ کا عطر کہنا بیجا نہ ہوگا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ باب طالبانِ سلوک کے لئے خصوصاً اور ہر مسلمان کے لئے عموماً بہت مفید و کارآمد ہوگا۔"

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی و خاندانی حالات اور آپ کی تعلیمات و کشف و کرامات کا کتاب میں جس درجہ استقصا کیا گیا ہے اس کا کچھ اندازہ ان عنوانات سے لگایا جا سکتا ہے جو اس سوانح میں قائم کئے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) آپ کی حیاتِ مبارکہ، آپ کے خصائص و فضائل، آپ کا عارفِ صاحبِ زماں ہونا، آپ کے لئے خلعتِ قیومیت و قطب الاقطابی کی بشارت، آپ کی سجادہ نشینی، ان ۴۵ سال کا مفصل حال جب آپ سجادہ نشین رہے، آپ کا سفرنامہ حج، آپ کی وفات حسرت آیات، آپ کے شمائل اور اخلاق و آداب۔ (۲) آپ کی اولاد امجاد، بادشاہ کا سلسلۂ عالیہ میں بیعت ہونا۔ آپ کی اولاد کے ذریعہ تعلیماتِ اسلامی کا عروج۔ (۳) شاہانِ مغلیہ ایک نظر میں تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک۔ (۴) اذکار و ادعیہ (۵) کشف و کرامات (۶) تعلیمات۔ عقائد حقہ کی تعلیم، رویتِ باری تعالیٰ، ایمان، رسالت، قدرِ خیر و شر، مقامِ رضا، آخرت، ارکانِ اسلام، تلاوتِ قرآن مجید کی فضیلت، زکوٰۃ، حج، جہاد، اتباعِ سنت و ردِّ بدعت، سلسلۂ نقشبندیہ کی فضیلت، اسباق و مقاماتِ نقشبندیہ، طریقۂ توبہ و ذکر، اصطلاحاتِ تصوف، شیخ کے لئے ضروری امور و توجہ کرنے کا طریقہ اور تشریح، معرفت حاصل کرنے پر ترغیب، مشاہدۂ ارواح، محبت کی فضیلت، صبر، شکر، توکل، رابطۂ شیخ، سالکین کے لئے ہدایات و نصیحت، مسائلِ شرعیہ۔ (۷) خلفائے عظام۔ (۸) مکتوب الیہم ——— مذکورہ سطور سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمیق نظر، آپ کی قابلِ رشک عرق ریزی اور کتاب کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مقاماتِ فضلیہ :۔ یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر حضرت غریب نواز خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق عظیم اوصاف و صفات کے مالک تھے:۔

"ان تمام اوصاف کے مالک اور ان منجملہ محامد و محاسن کے جامع تھے جو مردانِ خدا و اولیاء باصفا میں ہونی چاہئیں۔ آپ عالم باعمل، متبع شریعت و سنت، قامعِ بدعت تھے اور قناعت و توکل، ورع و تقویٰ، صدق و صفا، عفت و حیا، حلم و سخا، ایثار و وفا، ضبط و عفو، صبر و شکر، تسلیم و رضا غرضکہ تمام اوصافِ حمیدہ کے جامع تھے۔ آپ کی مجلس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ذکرِ الٰہی کے سوا کوئی بات نہ ہوتی تھی اور مجلس سے اٹھ کر خانگی ضروریات جو حقوق العباد کا شعبہ ہے انجام دیتے تھے۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے سے خدا یاد آتا تھا اور دل میں دنیا کی طرف سے بے توجہی اور لاتعلقی پیدا ہوتی تھی۔ انہی خصائلِ حمیدہ و اتباعِ شریعت و پابندیٔ اطوارِ طریقت کی وجہ سے اہلِ بصیرت، طالبانِ حق ان کی طرف متوجہ ہوئے ورنہ وہاں نہ کوئی اخباری یا اشتہاری پروپیگنڈا تھا اور نہ ہی پیراں نمی پرند مریداں می پرانند والا قصہ تھا۔ جو کچھ تھا وہ سب دادِ الٰہی اور خلوصِ نیت کا ثمرہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کا فیض آپ سے براہِ راست اور آپ کے خلفاء کے واسطے سے تمام عالمِ اسلام میں اسقدر پھیلا کہ شاید و باید"

حضرت غریب نواز خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد مسلم صاحب دیوبندی ثم لائل پوری علیہ الرحمہ نے حضرت غریب نوازؒ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد "حیات فضلیہ و ملفوظات قریشیہ" کے نام سے آپ کی سوانح مرتب فرمائی اور کورونیشن الیکٹرک پریس لائلپور سے شائع کی تھی مگر وہ تشنہ تھی کہ حضرت کی حیاتِ مبارکہ کے بہت سے اہم پہلو غالباً عجلتِ ترتیب و اشاعت کے رہ گئے تھے۔ حضرتِ موصوف کے نواسے مولانا کلیم اللہ شاہ صاحب نے حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ خاص حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی اجازت سے اسے دوبارہ شائع شائع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالغفورؒ نے یہ خدمت حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ کے سپرد فرمائی کہ ضروری ترمیم و اصلاح، جدید ترتیب اور اہم اضافوں کے ساتھ یہ سوانح دوبارہ شائع کی جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے "مقاماتِ فضلیہ" کے نام سے جدید ترتیب و اضافوں کے ساتھ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء کراچی سے اسے پہلی بار شائع فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد دوسری بار یہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں پھر شائع ہوئی۔

حیاتِ سعیدیہ:۔ یہ حضرت شاہ زوار حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد حضرت خواجہ محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے۔ حضرتؒ نے اس میں خود اپنے مشاہدات اور حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد صادق صاحب دامت برکاتہم کی یادداشت و بیانات اور حضرت خواجہ صاحب کے

خلفائے عظام، معتقدین و متوسلین کی آرا اور مکتوبات و شواہد سے مدلل ہے۔ حضرت کا اندازِ تحریر انتہائی خاکسارانہ ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں:۔

"سوانح عمری کی تالیف اور وہ بھی کسی متبع سنت، جامع شریعت وطریقت بزرگ کی درآنحالیکہ وہ مؤلف کا روحانی باپ بھی ہو حقیقت میں ایسے شخص کو شایاں ہے جو صاحب سوانح کے ظاہری وباطنی احوال سے پوری طرح واقفیت ومناسبت رکھتا ہو اور سفر وحضر میں اکثر اس کی خدمت ملازمت میں رہا ہو۔ جو لوگ اس کے اہل ہوتے ہیں وہ اس بزرگ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ان واقعات وحالات کو قلمبند کرتے رہتے ہیں تاکہ افراط وتفریط سے محفوظ رہیں لیکن یہ عاجز اپنی علمی بے بضاعتی وکمزوریٔ حافظہ کے باعث حالات کے استحضار سے قاصر ہے۔"

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تراجم | حضرت شاہ زوار حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہم دینی کتب کے فارسی سے اردو میں ترجمے کیے۔ آپ کا مقصود چونکہ محض تبلیغِ دین ورضائے الٰہی تھا آپ نے مطالب کو زیادہ سے زیادہ آسان، بامحاورہ اور شگفتہ زبان میں پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق فیضیاب ہو۔ آپ کی یہ سہل پسندی اور شگفتہ بیانی آپ کے تمام تراجم میں نمایاں ہے۔ عربی مکاتیب واشعار کے اردو تراجم میں بھی اور فارسی مکتوبات وابیات کے ترجموں میں بھی۔ مندرجہ ذیل آپ کے اہم تراجم ہیں۔

(۱) مبدأ ومعاد: تالیف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (فارسی سے اردو ترجمہ)

(۲) معارفِ لدنیہ۔ " " " " " "

(۳) مکتوباتِ معصومیہ: تالیف حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (دفتر اول دوم سوم کا فارسی سے اردو ترجمہ)

حضرت شاہ صاحبؒ کی ترجمہ نگاری کی ایک دوسری اہم خصوصیت مختلف نسخوں کے بارے میں آپ کی تحقیق وتدقیق ہے کتاب کے جتنے ممکنہ نسخے دستیاب ہو سکتے ہیں حضرتؒ اس کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے ان تمام نسخوں کو جمع فرماتے، دورانِ ترجمہ ان تمام نسخوں کا تقابلی مطالعہ فرماتے جاتے اور صحیح ترین نسخہ کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ ان نسخوں میں بعض مطبوعہ ہوتے ہیں اور بعض قلمی مخطوطے مثلاً جب آپ نے مبدأ ومعاد کا ترجمہ فرمایا تو کتاب کے پانچ مختلف نسخے آپ کے سامنے تھے جن میں ایک مخطوطہ اور چار مطبوعہ نسخے تھے۔ اسی طرح آپ نے جب معارف لدنیہ کا ترجمہ کیا تو آپ کے پیش نظر کتاب کے چار نسخے تھے ایک مخطوطہ اور تین مطبوعہ۔ ان مختلف نسخوں کے فرق کو آپ فارسی متن کے حاشیہ پر مختلف علامات سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً ش، ع، ج وغیرہ۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جہاں متن میں قرآن مجید کی کوئی آیت آجاتی ہے تو حضرت اردو ترجمہ میں بھی پہلے آیتِ کریمہ نقل کرتے ہیں پھر اس کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں اور آیت کا نمبر اور اس سورت کا نام جس میں آیت وارد ہوئی ہے ذکر کرتے ہیں تاکہ ترجمہ کا قاری آیت کی تلاوت کے ثواب سے محروم نہ ہو۔ اسی طرح اردو ترجمہ میں حدیث شریف اور اس کا ترجمہ مع حوالہ ساتھ ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح عربی یا فارسی اشعار مع ترجمہ پیش فرماتے ہیں تاکہ شعری حُسن سے بھی قاری محظوظ ہو سکے۔ اسی طرح اردو ترجمہ میں اصل فارسی نسخہ کے صفحہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں تاکہ اگر قاری اصل فارسی اور اردو ترجمہ دونوں اپنے سامنے رکھ کر مطالعہ کرنا چاہے تو اسے سہولت ہو۔ اصل فارسی متن میں اگر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ کی کوئی عبارت آجاتی ہے تو حاشیہ پر حضرت شاہ صاحبؒ اس کا مکمل حوالہ مع مکتوب نمبر بیان فرما دیتے ہیں۔ ترجمہ عموماً مسلسل ہوتا ہے خود اپنی ایک حقیقت لئے کہ اصل فارسی متن سے بے نیاز ہو کر بھی پڑھا جائے تو اتنا ہی مفید و دلچسپ ہو جتنا کہ اصل فارسی متن۔ اور قاری اردو ترجمہ سے بھی اتنا ہی سیکھ سکے جتنا کہ اصل فارسی سے۔

مبدأ و معاد :۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالہ کے متعلق حضرت شاہ زوار حسین صاحبؒ فرماتے ہیں: "دراصل یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جن کو حضرت ممدوح نے خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں ۱۰۰۸ھ میں حاضر ہو کر طریقۂ نقشبندیہ کے حصول اور تقریباً دس سال بعد تک کے بعض کشف و حقائق کے وصول کے اظہار میں وقتاً فوقتاً تحریر یا بیان فرمایا تھا اس کے بعد حضرت ممدوح کے خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق کشمی رحمہ اللہ نے ان مضامین کو ۱۰۱۹ھ میں مرتب فرمایا اور ان کو منہا کا عنوان دے کر ایک دوسرے سے ممتاز کیا جن کی مجموعی تعداد اکثر مطبوعہ نسخوں کے مطابق اکسٹھ ہوتی ہے۔ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی (ٹنڈو سائیں داد۔ حیدرآباد) کے قلمی نسخے میں منہا ۱۷ کے درمیانی حصہ میں مزید ایک اور منہا کا عنوان درج ہے اور حضرت مولانا نور احمد مرحوم امرتسری کے مطبوعہ نسخہ میں بھی بالکل اسی جگہ منہا کا اشارہ موجود ہے۔ اس حساب سے منہا کی تعداد باسٹھ ہو جاتی ہے لیکن طاق عدد کے استحباب کا لحاظ رکھتے ہوئے دیگر مطبوعہ نسخوں کے مطابق منہا کی تعداد اکسٹھ ہی رکھی گئی ہے۔"

ترجمہ کرتے وقت حضرت شاہ زوار حسین صاحبؒ کے پیش نظر جو پانچ نسخے تھے وہ اس طرح حاصل ہوئے: (۱) مخطوطہ حضرت مولانا حافظ محمد جان صاحب مجددی نقشبندی (ٹنڈو سائیں داد) سے (۲) مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ مولانا عبد الحلیم چشتی سے۔ (۳) مطبوعہ مطبع مجددی امرتسر

۱۳۳۰ھ تصحیح کردہ مولانا نور احمد مرحوم، مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب سے (۴) حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم لاہور ۱۳۷۶ھ کا مطبوعہ۔ (۵) مطبوعہ ادارۂ مجددیہ سعدیہ لاہور ۱۳۸۵ھ تصحیح کردہ حضرت مولانا محبوب الٰہی لاہور۔ ان پانچ نسخوں میں جس نسخہ کا جو لفظ حضرت شاہ صاحبؒ کو صحیح معلوم ہوا اس کو اصل عبارت میں درج فرمایا اور بقیہ نسخوں کے اختلاف کو علامات کے ذریعہ اس طرح ظاہر کیا کہ پیر ہاشم جان صاحب والے مخطوطہ کے لیے ش، مطبوعہ انصاری والے کے لئے ص، مولانا نور احمد والے کے لئے ن، حکیم عبدالمجید والے کے لئے ج اور مولانا محبوب الٰہی والے کے لئے م۔

وہ بعض مضامین جو مبدأ و معاد میں بیان کئے گئے ہیں یہ ہیں: وجود باری تعالیٰ کے سلسلہ میں خصوصی معرفت۔ انسان کی فرشتوں پر فضیلت۔ محبتِ ذاتی وصفاتی کا فرق۔ علمِ باطن کی علمِ ظاہر پر فضیلت۔ پیر اور استاد کے آداب۔ موت سے پہلے موت کا مطلب۔ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عروج اولیاء کا فرق۔ رویتِ باری تعالیٰ۔ کشف اور فراست میں فرق۔ حقیقت قرآنی، حقیقت کعبہ اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کلمۂ طیبہ کی فضیلت۔ خدا کی مثل نہیں مثال ہو سکتی ہے۔ احوال پیش آکر غائب کیوں ہو جاتے ہیں۔ دعوت کا کامل ترین مقام وغیرہ۔

معارفِ لدنیہ: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ اکتالیس (۴۱) مضامین پر مشتمل ہے جن کو معرفت کا عنوان دے کر آپ نے ایک دوسرے سے متمیز کیا ہے۔ یہ آپ کے ابتدائی اور متوسط دور کی تصنیف ہے جو آپ نے مبدأ و معاد سے قبل تحریر فرمائی۔ کتاب میں معرفتِ الٰہی کے اسرار و رموز اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث ہیں مثلاً لفظ اللہ میں حروفِ تعریف کے اجتماع کی حکمت، سالک کی سیر کے انواع و مراتب، مقامِ تکمیل، وحدتِ ذاتی وصفاتی و افعالی۔ حقیقتِ محمدیؐ سے مراد، ذاتِ حق میں یقین کے تین (۳) مراتب۔ صوفیوں کے حال پر تعجب۔ ولایتِ خاصۂ محمدیہؐ۔ صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان۔ طریقت اور حقیقت سے شریعت کا تعلق، مراتبِ فنا۔ کفر شریعت اور کفر حقیقت۔ سیر کی حقیقت اور اس کی اقسام۔ مقامِ صدیقیت کا منتہیٰ وغیرہ۔

حضرت شاہ زوار حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کا ترجمہ کرتے وقت ان چار نسخوں کو پیشِ نظر رکھا۔ پہلا قلمی نسخہ جو حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحبؒ سے حاصل کیا۔ دوسرا نسخہ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۱ھ مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت والا۔ تیسرا نسخہ مطبوعہ لاہور حکیم عبدالمجید سیفی والا اور چوتھا مطبوعہ لاہور ۱۳۸۵ھ ادارۂ مجددیہ سعدیہ والا تصحیح شدہ حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس نسخہ کو صحیح ترین تصور کیا اسے اصل عبارت قرار دیا

اور باقی نسخوں کے اختلافی الفاظ کو حاشیہ پر مع حوالہ درج فرمایا اس طرح کہ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحبؒ کے نسخے کو لفظ ش سے ظاہر فرمایا، مجلسِ علمی والے نسخے کو ع سے، حکیم عبدالمجید سیفی والے نسخہ کو لفظ ح سے اور حضرت مولانا محبوب الٰہی والے نسخے کو لفظ م سے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ ترجمہ میں اصل فارسی متن کے صفحہ نمبر کو بھی حاشیہ پر ظاہر فرما دیا تاکہ اگر کوئی فارسی متن اور اردو ترجمہ کا ایک ہی وقت مطالعہ کرنا چاہے تو اسے کوئی دشواری نہ ہو۔

مکتوبات معصومیہ :۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے اُن چھ سو باون (۶۵۲) مکتوبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف اطراف و جوانب اپنے خلفاء معتقدین و متوسلین کو تحریر فرمائے۔ ان مکتوبات کے تین دفاتر ہیں۔ دفتر اول کی تدوین و ترتیب کی عزت حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد عبید اللہؒ کو حاصل ہوئی۔ اس دفتر میں دو سو انتالیس ۲۳۹ مکتوبات ہیں جن کو ۱۰۳۹ھ سے ۱۰۶۳ھ تک جمع کیا گیا۔ سال ابتداء کا مادۂ تاریخ "درۃ التاج" اور سالِ اختتام کا "جمع کمالات نبوت" ہے۔ دفتر دوم جس میں ایک سو اٹھاون ۱۵۸ مکتوبات ہیں اس کی جمع و ترتیب کی عزت حضرت مولانا شرف الدین حسینؒ کے حصہ میں آئی۔ اس کا سالِ تکمیل ۱۰۷۲ھ ہے اور مادۂ تاریخ "وسیلۃ السعادۃ" ہے۔ دفتر سوم جس میں دو سو پچپن ۲۵۵ مکتوبات ہیں اس کی جمع و ترتیب کی فضیلت حضرت حاجی محمد عاشور بخاریؒ کو حاصل ہوئی جنھوں نے ان مکاتیب کو ۱۰۷۳ھ تا ۱۰۸۰ھ جمع کیا۔ سالِ ابتداء کا مادۂ تاریخ "مکاتبات قطب زماں" اور سالِ تکمیل کا مادۂ تاریخ "مکاتبات ز قطب زماں" ہے۔ تقریباً ڈھائی سو ۲۵۰ سال تک یہ مکتوبات قلمی نسخوں کی شکل میں رہے۔ پھر پہلی بار دفتر اول کا فارسی نسخہ ۱۳۰۲ھ میں مطبع نظامی کانپور سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن نقشبندی گنج مراد آبادیؒ کے ایک معتقد نے شائع کیا۔ دفتر سوم کو حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ نے اپنی تصحیح و ترتیب کے ساتھ شائع کیا۔ غالباً پہلی بار پوری آب و تاب کے ساتھ تینوں دفاتر کو ایک ساتھ شائع کرنے کی عزت مرشدی و مولائی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی کو باہتمام محترم لالہ اسرار محمد خاں صاحب مدمجدہ کو حاصل ہوئی جب ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں آپ نے اسے کراچی سے شائع کیا۔

اس کی اشاعت کے وقت حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ مدظلہ کے پیش نظر چاروں نسخے تھے دو قلمی اور ۲ دو مطبوعہ دفتر اول و سوم۔ پہلا نسخہ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددیؒ نے

دوسرا کابل کا ایک قلمی نسخہ۔ تیسرا دفتر اول مطبوعہ کانپور اور چوتھا دفتر سوم مطبوعہ مولانا نور احمد امرتسری ؒ۔

وصال عظیم دینی و روحانی خدمات انجام دینے کے بعد حضرت شاہ زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بروز سہ شنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۸۰ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ چہرۂ مبارک پر اطمینان کے آثار تھے، سچ ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔ مخدوم زادہ حضرت حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ اور بعض خلفاء و معتقدین نے آخری ایام میں بڑی خدمت کی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ مرشدی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب دامت فیوضہم نے پانچ اشعار پر مشتمل قطعۂ تاریخ ارشاد فرمایا اس کے ۲ شعر پیش خدمت ہیں ؎

خوش بیان و خوش کلام و خوش مزاج و خوش عمل — از حیلۂ پاک عثمانی نگاہش مستنیر
قطبِ دیں عینِ ولایت شاہ زوار حسین — دارِ جنت بقعۂ او ذلک الفوز الکبیر
۱۴۰۰ھ — ۱۹۸۰ء

قطعہ تاریخ وفات

(از جناب شمیم صبائی صاحب متھراوی۔ بشکریہ "سب رس" اپریل ۱۹۸۲ء)

"سید زوار حسین شاہ امیرِ مکانِ خلدِ بریں"
۱۹۸۰ء

رستگاری موت سے کس کو ملی — موت کے ہاتھوں سبھی لاچار ہیں
ہاتفِ غیبی پکارا اے شمیم — "حاملِ باغِ جناں زوار" ہیں
۱۴۰۰ھ

حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیفات وتراجم مبصرین کی نظر میں

(از مرتب)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا تصنیف وتالیف فرمانے کا انداز بھی نرالا تھا۔ یعنی آپ ایک مخصوص کمرہ میں تنہا بیٹھ کر تصنیف وتالیف کا کام انجام دیتے تھے اور اسی کمرہ میں ایک مختصر سی لائبریری تھی جس میں آپ کی جملہ کتب نہایت سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ معتقدین ومریدین کی کثرت کی وجہ سے حضرت نے ملاقات کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا ہوا تھا جس کا جب دل چاہتا اور رات دن میں جب اس کو اپنی سہولت ہوتی چلا آتا اور دروازہ پر پہنچکر گھنٹی بجا دیتا حضرت شاہ صاحب رح کاغذ وقلم کو اُسی حالت میں چھوڑ کر بیٹھک والے کمرہ میں تشریف لے آتے، آنے والے کا حال احوال سنتے اور جبتک آنے والے کا دل چاہتا بیٹھتا اور جب وہ خود ہی چلا جاتا تو حضرت شاہ صاحبؒ حسبِ سابق تصنیف وتالیف والے کمرہ میں تشریف لیجاتے اور کام شروع کر دیتے، پھر خواہ چند حروف یا چند سطور ہی لکھنے پائے ہوں کہ پھر کسی دوسرے صاحب نے آکر گھنٹی بجادی تو حضرت شاہ صاحبؒ اسی طرح کاغذ وقلم چھوڑ کر پھر تشریف لے آتے اور مصروفِ گفتگو ہو جاتے۔ اکثر تو یہ ہوتا تھا کہ ایک صاحب اپنی داستان پوری کر کے جانے بھی نہ پاتے تھے کہ دوسرے اور تیسرے صاحب آجاتے، یہ سلسلہ دن رات جاری رہتا اور اسی کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی چلتا رہتا تھا جن حضرات نے خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہے اُن کو اس حقیقت کا اچھی طرح علم ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان حالات میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کس طرح اتنی ضخیم ضخیم مجلدات تیار فرما گئے۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ ہمہ وقت اسی کام میں مصروف رہتے تھے حافظہ خواہ کتنا ہی قوی ہو لیکن بار بار اُٹھنا اور پھر ان مضامین کو ذہن میں محفوظ رکھنا کہ واپس آکر پھر تسلسل کے ساتھ مضامین لکھنا شروع کر دیں یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بہت بڑی کرامت ہے اور اس پر جسقدر تعجب کیا جائے کم ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

تصنیف وتالیف کی صحت وتصحیح کا اہتمام بھی بہت فرماتے تھے، حتیٰ کہ دورانِ کتابت بھی ہدایت

فرماتے رہتے تھے اور کتابت شدہ کاپی کی تصحیح کے وقت بھی جہاں ضرورت محسوس فرماتے وہاں عبارت تبدیل فرمادیا کرتے تھے اور جبتک پورے طور پر اطمینان نہ ہوجاتا شائع کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تمام تالیفات کا مقصد احیائے دین اور شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کی ترویج و اشاعت اور ان کی روشنی میں عوام الناس کے دلوں کو نور ایمان سے منور بنانا اور معاشرے کو ہر برے اثرات سے پاک کرنا ہے۔ اسی لئے آپ نے اپنی تالیفات کو بہت سادہ، عام فہم اور سلیس زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے اس کے چھوٹے سے چھوٹے گوشہ کو بھی اجاگر کر کے رکھدیا ہے۔ اس کے باوجود طرز تحریر نہایت شگفتہ، دل نشین، بصیرت افروز اور روحانیت سے بھرپور ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی جملہ تصانیف حروف تہجی کے اعتبار سے یہ ہیں:- (۱) انوار معصومیہ (۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ (۳) حیات سعدیہ (۴) زبدۃ الفقہ: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم ـــ (۵) طریقۂ حج اور دعائیں۔ (۶) عمدۃ السلوک (۷) عمدۃ الفقہ: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ (۸) گلدستۂ مناجات۔ (۹) مبدو معاد۔ (۱۰) معارف لدنیہ (۱۱) مقامات فضلیہ (۱۲) مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر۔ لیکن تالیف و ترتیب کے اعتبار سے اس طرح ہیں:۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی جملہ تالیفات کا تعارف بعض محترم بزرگوں اور ادیبوں کی گراں قدر آرا سے پیش کیا جائے اور حسب ضرورت حصول برکت کے لئے خود بھی چند جملے لکھنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

(۱/۶) عمدۃ السلوک

یہ کتاب $\frac{23\times18}{8}$ سائز کے ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

چونکہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو تصوف اور فقہ کا شروع سے ایک خاص ذوق تھا اس لئے قدرتی امر تھا کہ آپ نے سب سے پہلے راہ تصوف میں قدم رکھا پھر اس کے حقائق کھولنے میں قلم اٹھایا اور تصوف پر ایک ایسی جامع کتاب مرتب فرمائی جو طالبان سلوک کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل ہے چونکہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ بہت عمدہ خوشنویس بھی تھے اس لئے آپ نے اس اپنی پہلی تالیف کی کتابت بھی خود ہی فرماکر ۱۹۴۲ء میں اس کو شائع کیا تھا۔ یہ متبرک ایڈیشن آج بھی "ادارۂ مجددیہ" میں محفوظ ہے اس کے بعد یہ کتاب کئی مرتبہ لیتھو پر اور اب کئی مرتبہ سے آفسٹ پر شائع ہو رہی ہے، یہ بھی اس کی جامعیت اور مقبولیت کی ایک دلیل ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں ہے لیکن ایک جلد میں مجلد ہے۔ اس کتاب کے متعلق مشہور فاضل ادیب محترم جناب ثناء الحق صاحب صدیقی مدظلہ العالی ماہنامہ "انجمن" کراچی بابت مارچ و اپریل ۱۹۸۱ء

میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"تصوف وسلوک پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ہمیشہ اس موضوع کو کچھ اس انداز سے پیش کیا گیا کہ یا تو وہ شریعت سے ماورا کوئی چیز معلوم ہونے لگی یا ترکِ دنیا کے مترادف کوئی شے دکھائی دینے لگی، خصوصاً توحیدِ وجودی یا وحدت الوجود کے نظریہ کو مصنفین نے ایسا پیچیدہ بنا دیا کہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس کے سمجھنے سے قاصر رہے۔ بعض حضرات نے اس کے بیان میں ایسا غلو برتا کہ اس کی سرحدیں حلول اور زندقہ سے ملا دیں۔

شاہ زوار حسین صاحبؒ نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز کیا تو سب سے پہلے سلوک و تصوف کی پُر پیچ وادی میں قدم رکھا۔ چونکہ وہ خود راہِ طریقت میں گامزن تھے اس لئے انھوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا وہ واقفِ راز کی حیثیت سے لکھا۔ انھوں نے سلوک و تصوف کے مختلف مسائل پر سیر حاصل بحث کی اور شریعت، طریقت حقیقت، معرفت، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، فنا، بقا، عالمِ خلق، عالمِ امر، عالمِ مثال، توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی جیسے پیچیدہ موضوعات کو ایسے عام فہم انداز میں بیان کیا ہے کہ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی ان کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ انھوں نے راہِ سلوک طے کرنے کے لئے شرعی امور کی ادائیگی پر زور دیا ہے اور عبادات میں اخلاص پیدا کرنے ہی کو سلوک و تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ (چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) غرض شاہ صاحبؒ نے ان دقیق مسائل کو ایسے سلجھے ہوئے اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے کہ جو لوگ تصوف کا مذاق نہیں رکھتے وہ بھی اس کتاب کے مطالعہ کے دوران اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے بلکہ ایک گونہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔"

عمدۃ الفقہ

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی دوسری تالیف عمدۃ الفقہ ہے۔ چونکہ آپ کو تصوف اور فقہ سے خاص شغف تھا اس لئے ان دونوں شاہراہوں میں آپ کے جامع اور مبسوط شاہکار موجود ہیں۔ عمدۃ الفقہ کی جامعیت کے پیشِ نظر یقین ہوتا ہے کہ ایسی جامع کتاب اُردو تو کیا عربی زبان میں بھی ملنا مشکل ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کی جملہ تالیفات سے رہتی دنیا تک ہمیشہ مخلوق فیضیاب ہوتی رہے گی۔ عمدۃ الفقہ خاص طور پر علمائے کرام ومفتیانِ عظام کے لئے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں منضبط ہے: جلد اول کتاب الایمان وکتاب الطہارۃ۔ جلد دوم کتاب الصلوٰۃ۔ جلد سوم کتاب الزکوٰۃ وکتاب الصوم۔ جلد چہارم کتاب الحج۔

(۲) عمدۃ الفقہ جلد اول کتاب الایمان وکتاب الطہارۃ

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی تالیف کا کام اگرچہ قبل از تقسیم ہند شروع کر دیا تھا لیکن گوناگوں پریشانیوں کی وجہ سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی بالآخر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کی کتابت بھی خود ہی شروع کر کے ۱۲۰ صفحات تیار کر لئے بعد ازاں بقیہ کام اِس

عاجز (محمد اعلیٰ) کے سپرد کر دیا اور اس عاجز نے کتابت مکمل کر کے اس کو ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اُس وقت یہ جلد ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۱۹۲ صفحات پر شائع ہوئی تھی۔ چونکہ اس موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ پہلی کتاب تھی اور بعد والی کتابوں کی نسبت اس میں جزئیات کی تفصیلات و مباحث کم تھے لہذا حضرت شاہ صاحبؒ نے بقیہ تین جلدوں کی تکمیل کے بعد نئے سرے سے اس پر کام شروع کیا تھا اور کتاب الطہارۃ شروع کر کے غسل کے بیان کو مکمل کرنے پائے تھے کہ مزید تکمیل کرنے کی مہلت نہ مل سکی اور زندگی نے ساتھ نہ دیا لہذا جسقدر حصہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نئے سرے سے مرتب فرمایا تھا وہ لے لیا گیا ہے اور باقی مضامین کو پہلی مطبوعہ کتاب سے لیکر مکمل کر دیا ہے۔
اب یہ حصہ ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی ماہنامہ "بیّنات" کراچی بابت ماہِ شوال المکرم ۱۳۸۷ھ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"علمِ فقہ وہ پاکیزہ علم ہے جس سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی پہچان حاصل ہوتی ہے، اس لئے فقہائے امت ہر دور میں اسے آسان شکل میں مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے کی خدمت میں مشغول رہے ہیں۔ عربی اور فارسی کے بعد غالباً اردو سب سے زیادہ خوش قسمت زبان ہے جس کا دامن ان جواہر سے مالا مال ہے لیکن ہنوز ایسے فقہی دائرۃ المعارف کی ضرورت باقی تھی جس میں حتی الامکان فقہی ابواب کے اکثر جزئیات کو بالغ نظری اور حُسنِ ترتیب سے جمع کر دیا گیا ہو۔ یہ سعادت ہمارے بزرگِ مکرم جناب مولانا سید زوار حسین صاحب کے حصہ میں آئی، موصوف نے "عمدۃ الفقہ" کی تالیف کا کام شروع کر کے پیرانہ سالی میں جوانوں کی ہمت کو مات کر دیا۔ اسوقت اس عمدہ تالیف کے دو حصے ہمارے سامنے ہیں: حصہ اول کتاب الایمان اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے اور حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ کے لئے وقف ہے، عام فہم اور سادہ زبان، پسندیدہ اور مناسب ترتیب اور دقیق جزئیات کا استقصاء اس کتاب کے نمایاں خصائص ہیں۔ اگر اسی انداز میں یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی تو ان شاء اللہ اپنے موضوع پر جامع ترین اور مفید ترین کتاب ہوگی واللہ الموفق۔"

(۳) عمدۃ الفقہ جلد دوم کتاب الصلوٰۃ

یہ کتاب ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی مرتبہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی تھی جس پر حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ صدر و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"علومِ اسلامیہ دینیہ شرعیہ میں جو منزلت "فقہ" کو حاصل ہے وہ کسی علم کو حاصل نہیں، فقہ درحقیقت قرآن و حدیث اور دینِ اسلام کا وہ اعلیٰ ترین حصہ ہے جس کا تعلق انسان کی اس زندگی سے ہے جس کے ذریعہ نجات کی

توقع ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے، اس لئے فقہ کی اعلیٰ ترین تعریف وہی ہے جو حضرت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمائی ہے "الفقہ معرفۃ النفس مالھا وعلیھا" اس تعریف سے فقہ کی حقیقت اور اس کی اہمیت ظاہر ہوجاتی ہے۔ بہرحال فقہ ہی وہ علم ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہاں بھی اسی کی قدر ہے اور بندوں کو اسی کی ضرورت، دنیا میں فقہ ہی علمِ دین ہے جس کی ضرورت ہر وقت پڑتی رہتی ہے "فقیہ" ہی عالمِ دین ہے۔ عربی زبان میں تو اس علم کے اتنے ذخائر جمع ہوگئے ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے لیکن اردو زبان کا دامن ابھی ان جواہرات وخزانوں سے خالی ہے اگرچہ فتاویٰ کے موضوع پر بہت کچھ ذخیرہ آگیا ہے پھر بھی موضوع تشنہ تھا، مستقل چند کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے فقہی مسائل وجزئیات کا حق ادا نہیں ہوا۔ ان دنوں حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی کتاب "عمدۃ الفقہ" نظر سے گذری دیکھ کر حیرت ہوئی کہ موصوف نے جزئیات و مسائل کا اتنا استقصار فرمایا ہے کہ "عربی کی کسی ایک کتاب میں اتنا ذخیرہ بمشکل نظر آئے گا" اور نہایت عمدہ، شگفتہ، سلیس اردو زبان میں اتنا ذخیرہ جمع کرنا اسی کتاب کی خصوصیت ہے۔ مختلف مقامات کے مطالعہ کا اتفاق ہوا الحمد للہ ہر حیثیت سے کتاب انتہائی قابلِ قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کی خدمت کو قبول فرمائے اور امتِ محمدیہ کے عوام کو اس سے عظیم فائدہ پہنچائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں خلعتِ قبول سے سرفرازی مؤلف اور مؤلَّف دونوں کو ہو۔ آمین"۔

نیز فاضلِ جلیل حضرت مولانا منتخب الحق صاحب مدظلہ العالی سابق صدر شعبۂ اسلامیات کراچی یونیورسٹی کراچی اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے "عمدۃ الفقہ" تالیف جامع طریقت وشریعت حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب قبلہ مجددی مدظلہ العالی کے مسودے کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کتاب کی فہرست میں نے بغور پڑھی اور اصل کتاب کے مسودے کا مختلف مقامات سے بنظرِ غائر مطالعہ کیا، اس میں شک نہیں کہ اردو زبان میں فقہ وفتاویٰ کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں ہیں اور علمائے ربانی نے دین کی اہم ترین خدمت کو انجام دینے میں اپنی مساعی جمیلہ کے غیر فانی آثار چھوڑے ہیں لیکن ضرورت ایک ایسی سلیس اور جامع کتاب کی باقی تھی جو فقہی ابواب سے متعلق تمام ضروری گوشوں پر حاوی ہو اور اپنی زبان وبیان کے اعتبار سے اتنی سلیس ہو کہ استاد کے بغیر ہر سمجھ دار اردو خواں اس سے مستفید ہوسکے، نیز مسائل کے بیان کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ طریقت حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ کو اس کام کے لئے انتخاب فرمایا اور حضرت محترم نے غایت استقصار

اور حسنِ ترتیب کے ساتھ اس کو مرتب فرمایا۔ اور بعض ایسے ضروری امور جو اردو اور عربی کی عام فقہی کتابوں میں موجود نہیں ہیں ان کا اضافہ فرمایا مثلاً (۱) تجوید قرآن سے متعلق مسائل و احکام کو بہت عمدگی اور جامعیت کے ساتھ مرتب فرمایا ہے ۔ (۲) امامت و اقتدائے نماز کے مسائل کے بیان میں بڑی دقتِ نظری سے کام لیا ہے ۔ (۳) مفسداتِ صلوٰۃ کے بیان کے لئے ایسی نفیس ترتیب اختیار فرمائی ہے جو اسی کتاب کی خصوصیت ہے ۔ (۴) نماز کے فرائض، واجبات اور مستحبات کا بیان تقریباً ہر کتاب میں ہے لیکن اس کتاب میں ایسی ذہن نشین ترتیب اور مسائل متعلقہ کی ایسی تفصیل اختیار کی گئی ہے جس سے اور کتابیں خالی ہیں ۔ (۵) صلوٰۃ خوف کا بیان عموماً فقہ کی کتابوں میں مغلق ہے لیکن اس کتاب نے اس اغلاق کو دور کر کے اس کو ہر ایک کے لئے سمجھنا آسان کر دیا ۔ (۶) قنوتِ نازلہ اور اس کے متعلق احکام و مسائل سے عموماً کتبِ فقہیہ خالی ہیں اور اس کتاب میں اس کا مفصل بیان ہے ۔ (۷) نفلی نمازوں سے متعلق اتنا مفصل اور سیر حاصل بیان بھی اس کتاب کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس گھر میں موجود ہو اس گھر میں ایک مفتی موجود ہے۔ حق تعالیٰ عز اسمہ اس کتاب کو نافع خلائق بنائے اور امت کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے"۔

(۴) عمدۃ الفقہ جلد سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم

یہ کتاب ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۴۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی مرتبہ ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔ ملک کے اکثر رسالوں نے تبصرہ کے ذیل اس کتاب کی بہت کچھ تعریف کی اور علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے بہت پسند کیا اور کافی مقبولیت حاصل ہوئی ۔ اور اس میں بھی ہر موضوع کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

(۵) عمدۃ الفقہ جلد چہارم کتاب الحج

یہ کتاب ۲۰×۳۰/۸ سائز کے ۷۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی مرتبہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں شائع ہو گئی تھی۔ ماہنامہ "بینات" کراچی بابت ماہ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ زیر تبصرہ اس کتاب کے متعلق درج ہے :۔ "حج و زیارت کے موضوع پر بہت سی معتبر اور نامعتبر کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر عمدۃ الفقہ کی یہ ضخیم جلد اس موضوع پر جامع ترین مجموعہ ہے جس میں حج و مناسک کے تمام جزئیات و مسائل کا حیرت انگیز استیعاب کیا گیا ہے۔ اس کتاب سے علماءِ کرام اور اصحابِ فتوی بطورِ خاص مستفید ہوں گے"۔

نیز سہ ماہی رسالہ "العلم" کراچی بابت جنوری تا مارچ ۱۹۸۰ء میں زیرِ تبصرہ درج ہے :۔ "لیکن بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ اتنی جامع کتاب ابھی تک کسی زبان میں نہیں لکھی گئی اس کو حج کی انسائیکلوپیڈیا!"

کہنا مناسب رہے گا۔ ویسے نوشاہ صاحب جس موضوع پر بھی قلم اُٹھاتے ہیں اس کے کسی پہلو کو بھی تشنہ نہیں رہنے دیتے چنانچہ اس سلسلہ کی دوسری کڑیاں یعنی کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم بھی اسی طرح کافی شرح وبسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں لیکن اس کتاب نے اپنی جامعیت و وسعت کے لحاظ سے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ موصوف نے کسی گوشے کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے یہانتک کہ حج کے ذیل میں جن اور مقامات کی زیارت کی جاتی ہے ان مقامات کے فضائل اور ان کی تاریخی اہمیت بھی بتادی گئی ہے پھر اپنے طرزِ بیان اور سُلجھے ہوئے اندازِ تحریر سے ہر بات کو نہ صرف قابلِ فہم بنا دیا ہے بلکہ دلکشی کا عنصر بھی پیدا کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ واقعی حج کے ارکان ومناسک ادا کر رہا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے مذہبی لٹریچر میں نہایت گرانقدر اضافہ ہوا ہے"۔

(۶) عمدۃ الفقہ کتاب الطہارۃ بزبان عربی

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے عمدۃ الفقہ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم اُردو کی تالیف کے زمانے میں نہایت خاموشی سے اپنے دل میں اس بات کا عزم کر لیا تھا کہ عمدۃ الفقہ کی تمام مجلدات کو عربی زبان میں بھی منتقل کیا جائے اور ان کا خلاصہ بھی تیار کیا جائے۔ چنانچہ عمدۃ الفقہ کے خلاصوں کو تو زبدۃ الفقہ کے نام سے شائع کر دیا لیکن عربی کی تالیفات کا کسی سے تذکرہ نہیں کیا اور خاموشی سے اس کی تیاری میں مشغول رہے۔ عمدۃ الفقہ کے ان حصوں کی تالیف سے فارغ ہونے کے بعد عمدۃ الفقہ جلد اول کو از سرِ نو مرتب کرنا تھا چنانچہ اس کو تیمم کے باب تک تیار کر لیا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی تیمم تک مکمل کر لیا اور باقی حصہ کو مکمل کرنے کی مہلت نہ مل سکی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ لہذا یہ حصہ نامکمل موجود ہے۔

(۷) عمدۃ الفقہ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم بزبان عربی

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اسی عمدۃ الفقہ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم اردو کے زمانۂ تالیف میں اس کو اور اس کی بقیہ جلدوں کو عربی میں منتقل کرنے کا عزم کر لیا تھا الحمدللہ کہ یہ جلد مکمل ہو چکی ہے اور اس کا مسودہ محفوظ ہے۔

(۸) عمدۃ الفقہ کتاب الحج بزبان عربی

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے عمدۃ الفقہ کتاب الحج اردو کے ساتھ ساتھ اس کو بھی عربی زبان میں مکمل کر لیا تھا لہذا اس کا مسودہ بھی محفوظ وموجود ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان عربی تالیفات کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ باذوق حضرات ان سے بھی استفادہ حاصل کر سکیں۔

زبدۃ الفقہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے "عمدۃ الفقہ" کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم کی تالیف کے دوران یہ محسوس کرلیا تھا کہ اس کا خلاصہ ضرور ہونا چاہئے تاکہ عوام اس سے مستفید ہوسکیں چنانچہ اسی زمانے میں اس کا خلاصہ "زبدۃ الفقہ" کے نام سے تالیف فرمایا اور عمدۃ الفقہ کی ترتیب کے مطابق اس کے حصہ اول میں "کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ، حصہ دوم میں کتاب الصلوٰۃ اور حصہ سوم میں کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم ہے۔ حصہ چہارم کتاب الحج کی تلخیص کا بھی ارادہ فرمارہے تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔

(۹/۴) زبدۃ الفقہ حصہ اول کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ یہ کتاب ۱۸×۲۳/۸ سائز کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی شائع ہوتی چنانچہ ماہنامہ "بینات" کراچی بابت ماہ دسمبر ۱۹۷۳ء میں زیرِ تبصرہ یہ عبارت درج ہے :-

"حضرت مصنف کی ضخیم تالیف "عمدۃ الفقہ" کی تین جلدوں پر ان صفحات میں تبصرہ آچکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اس کا خلاصہ ہے جس کا حصہ اول (جو اس وقت پیشِ نظر ہے) عقائد اور طہارت کے ابواب پر مشتمل ہے۔ مسائل اس "زبدہ" میں بھی اتنے جمع کردیئے گئے کہ اس "خلاصہ" پر بھی طوالت کی تہمت دھری جائے تو بعید نہیں۔ زبان شستہ اور عبارت بڑی سلیس ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ اور عام پڑھے لکھے حضرات بھی بخوبی استفادہ کرسکتے ہیں۔"

نیز سہ ماہی رسالہ "العلم" کراچی بابت اپریل تا جون ۱۹۷۳ء نقد و نظر کے ذیل میں مذکور ہے :-

"عمدۃ الفقہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی تالیف ہے اور اس کا خلاصہ بھی انھوں نے خود ہی تحریر کیا ہے۔ موصوف کو ہر قسم کے مسائل کو سلجھا کر اور نہایت عام فہم زبان میں بیان کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے عمدۃ الفقہ بھی ان خصوصیات کا مظہر ہے اس میں ایمان، طہارت اور صلوٰۃ پر بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو پھر ان کو ایسے آسان اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص ہر بات کو بغیر کسی کی مدد کے سمجھ سکتا ہے لیکن اس کتاب کی ضخامت اتنی زیادہ ہے کہ عام آدمی اس کے مطالعہ کے لئے مشکل سے وقت نکال سکتا ہے۔ صرف کتاب الصلوٰۃ ہی بڑے سائز کے پانچ سو (۵۶۰) صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں اتنی تفصیلات دی گئی ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کہیں اور دکھائی نہیں دیتیں۔ جو شخص تمام تفصیلات جاننے کا خواہشمند ہو اس کیلئے اس سے اچھی کتاب اردو زبان میں دوسری نہیں ملے گی۔ لیکن جو لوگ تھوڑے الفاظ میں تمام جزئیات و تفصیلات جاننا چاہتے ہوں وہ اتنی ضخیم کتاب کو پڑھنے میں دشواری محسوس

کریں گے۔ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ نے ایسے ہی لوگوں کی دقت کو محسوس کرتے ہوئے یہ خلاصہ زبدۃ الفقہ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اس میں جس ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے چنانچہ ایمان اور طہارت کے تمام جزئی مسائل کو صرف سوا سو صفحات میں اس انداز سے پیش کر دیا کہ اس کو پڑھنے کے بعد قاری کسی قسم کی کمی محسوس نہیں کرتا اور اس کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ مثلاً کتاب الایمان میں ایمان کی صفت بیان کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور علاماتِ قیامت حشر نشر وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، گناہِ کبیرہ کو ایک ایک کر کے گنا دیا ہے اور اس طرح ہر شخص کو خود اپنا محاسبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقعہ فراہم کیا ہے۔ کتاب نہ صرف موضوع کے اعتبار سے مفید اور جامع ہے بلکہ نہایت سادہ اور دلنشین انداز میں لکھی گئی ہے اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے لحاظ سے بیحد خوشنما ہے"۔

(۹ ۱/۲) زبدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ یہ کتاب ۱۸×۲۳ سائز کے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور اس کے بعد کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے متعلق محترم مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی مدظلہ العالی مدیر ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور بابت اشاعت ۲۷ جنوری ۱۹۷۸ء میں زیر عنوان "تقریظ و تنقید" تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی ظاہری و باطنی علوم کے جامع اور صاحبِ قلم بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مختلف محاذوں پر بے پناہ کام لیا ہے جس میں آپ کے تصنیفی سلسلہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی مبسوط و ضخیم سوانح حیات کے علاوہ آپ کا مثالی کام وہ ہے جو آپ "علم فقہ" کے سلسلہ میں کر رہے ہیں۔ آپ نے "عمدۃ الفقہ" کے نام سے اردو زبان میں ایک سلسلہ شروع فرمایا جس کی دو جلدیں چھپ کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اردو زبان کو اس لئے منتخب فرمایا کہ عربی وغیرہ میں فقہ و فتاوی کی بے شمار کتابیں موجود ہیں جن میں لاتعداد فقہی جزئیات کو حضرات مصنفین نے مرتب صورت میں پیش کیا اور یہ سرمایہ علمی ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سب کچھ ایسا ہے جس سے اہلِ علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں اس لئے آپ نے اردو زبان کا انتخاب فرمایا لیکن اس میں یہ اہتمام کیا کہ فقہ و فتاوی کی کتابوں سے ہر ہر مسئلہ جو جزئی آپ کو ملی آپ نے اسے نقل فرما دیا۔ اس طرح گویا آپ کی یہ کتاب فقہی مسائل کا عظیم الشان مجموعہ بن گئی۔ تاہم بعد میں آپ کو خیال آیا کہ آج کی مصروف زندگی میں جبکہ عام علمی استعداد بہت کم ہے اس مجموعہ کا خلاصہ تیار ہونا چاہیے جس سے ہر چھوٹا بڑا فائدہ اٹھا سکے۔

اسی نقطۂ نظر سے "عمدۃ الفقہ" کا خلاصہ "زبدۃ الفقہ" کے نام سے تیار کیا جس کے دو حصے اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ حصہ اول "کتاب الایمان و کتاب الطہارت" پر مشتمل ہے جبکہ حصہ دوم "کتاب الصلوٰۃ" پر حصہ اول ۱۲۸ صفحات پر اور حصہ دوم ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، درمیانہ سائز ہے اور کاغذ سفید، کتابت طباعت معیاری اور ٹائیٹل انتہائی خوبصورت ہے۔ موصوف نے ان حصوں میں ایمانیات، طہارت اور نماز سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جس کا جاننا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ اس کتاب کو مدارس و سکولز کے نصاب میں شامل کرنا چاہیے تاکہ نئی نسل جہاں سائنس و جغرافیہ اور تاریخ و اکنامکس پڑھے وہاں اسے اپنے دین اور اس کے متعلقات کا پتہ چل سکے اور اس طرح "طلب علم" کا فرض پورا ہو سکے۔ امید ہے کہ عام قارئین کتاب سے بھرپور استفادہ فرمائیں گے۔"

(۱۱/۱۴) **زبدۃ الفقہ حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم** یہ کتاب ۲۳×۱۸/۸ سائز کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۷۸ء میں پہلی بار شائع ہوئی اس کتاب کے متعلق بھی مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسقدر جامع اور مفید ہو گی۔

(۱۲/۱۵) **طریقہ حج اور دعائیں** یہ کتاب ۲۷×۱۷/۱۶ جیبی سائز کے ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۷۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور اپنی جامعیت اور عمدگی کی بنا پر بہت مقبول ہوئی، اس کے بعد کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں اول فضائل حج و زیارات آداب حج اور طریقہ حج وغیرہ کافی تفصیل سے درج کئے گئے ہیں جو عام حالات میں حاجی کے لئے کافی ہیں اس کے بعد دعائیں ہیں اور ہر دعا کے ساتھ ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جسقدر دعائیں آپ کو اس کتاب میں ملیں گی دوسری کسی ایک کتاب میں ان کا ملنا مشکل ہے۔ محترم جناب مدیر صاحب ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور، بابت ۱۰ر جنوری ۱۹۷۸ء تبصرہ کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:-

"حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی کا یہ رسالہ ۳۲۰ صفحات (جیبی سائز) پر مشتمل ہے اور اس میں وہ تمام دعائیں آسان و شستہ ترجمہ کے ساتھ اور ترتیب کے ساتھ نقل کر دی گئی ہیں جن کا تعلق حرمین شریفین سے ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فاضل بزرگ نے طریق حج پر مفصل گفتگو فرمائی ہے۔ حج اسلام کا پانچواں رکن اور ایک انتہائی اہم عبادت ہے جو صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض ہے لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اس سفر پر جانے والے بے علمی و کم علمی کے پیش نظر بہت سے مقامات پر غلطیاں کرتے ہیں جس سے حاصل کرنے کی بجائے کچھ کھونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مصیبت سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ آدمی اس سلسلہ میں ضروری چیزیں سیکھے۔ یہ خوبصورت رسالہ گویا نصاب کی

کتاب ہے جسے پاس رکھ کر آدمی اس سفر کی لذت سے حقیقی معنوں میں آشنا ہو سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ راہِ عشق کے مسافروں کے علاوہ عام مسلمان بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔"

(۱۳) گلدستۂ مناجات یہ رسالہ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور غالباً پہلی مرتبہ دہلی میں شائع ہو چکا تھا اور دوسری مرتبہ ۱۹۵۰ء میں کراچی سے شائع ہوا اس کے بعد متعدد بار شائع ہوا۔ اس کے متعلق بھی ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور بابت ۱۰ر جنوری ۱۹۷۸ء کی رائے ملاحظہ ہو:-

"محترم سید زوار حسین شاہ صاحب نے اس رسالہ میں حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام اور دوسرے اہلِ صدق و صفا کی شعری مناجاتیں بڑے خوبصورت انداز سے جمع فرمائی ہیں۔ دعا عبادت کا مغز ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے ناراض ہوتے ہیں جو دعا نہیں مانگتے۔ قرآن و حدیث میں بے شمار دعائیں موجود ہیں جو زندگی کے ہر مقصد کے لئے رہنمائی کرتی ہیں، اہلِ صدق و صفا کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں جن کی پشت پر دل کی دھڑکنیں ہوتی ہیں ایک عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس سرمایہ سے فائدہ اٹھانا ہزاروں قسم کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے مترادف ہے۔ شاہ صاحب نے یہ احسان فرمایا کہ انھوں نے یہ مجموعہ مرتب فرمادیا اللہ رب العزت انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔"

(۱۴) حیاتِ سعیدیہ یہ کتاب ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں دوبارہ شائع ہوئی جس کے متعلق محترم جناب مدیر صاحب ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور بابت ۲۰ر جنوری ۱۹۷۸ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم مقیم کراچی ان صوفیہ میں سے ہیں جو دورِ حاضر میں سلوک و تصوف کے حقیقی رمز شناس اور اس راہ کی باریکیوں سے پوری طرح واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تصوف و سلوک کے ساتھ آپ کو علومِ ظاہری میں بھی کمال دستگاہ نصیب فرمائی ہے اور اصلاحِ خلق کے ساتھ ساتھ لکھنے کا بھی بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حضرت الامام المخدوم سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مبسوط و مفصل سوانح حیات جو آپ نے مرتب فرمائی اس پر وقت کے اربابِ علم و عرفان نے آپ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ بالخصوص حضرت مولانا السید بنوری قدس سرہٗ نے تو اس کے بعض ابواب کی انتہائی تعریف فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ وہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہو کر عوام و خواص کے نفع کا باعث و ذریعہ بنی۔ فاضل مصنف کی یہ دوسری کتاب ہے جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے وہ آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی نقشبندی مجددی قدس سرہٗ کی سوانح حیات ہے

خواجہ علیہ الرحمہ ریاست بہاولپور کے مشہور شہر احمد پور شرقیہ کے رہنے والے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ آپ خواجہ محمد فضل علی شاہ صاحب قریشی عباسی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے جو خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے صاحب فضل وکمال بزرگ خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے مجاز تھے ــــ مصنف نے اپنے دادا پیر کے مختصر حالات بھی ذکر کر دیئے ہیں اور اپنے شیخ کی مفصل سوانح عمری مرتب کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۶۴ ذیلی عنوانات کے ذریعہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک فرزند رشید کی زندگی کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی سیرت وسوانح میں انسان کی رہنمائی وتربیت کا بڑا سامان ہوتا ہے اور ہم اسی نقطۂ نظر سے اس کتاب کے مطالعہ کی پرزور درخواست کرتے ہیں۔"

(۱۵/۱۱) مقاماتِ فضلیہ | یہ کتاب ۲۳×۱۸/۸ سائز کے ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی بار ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے جس انداز پر اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری قدس سرہٗ کی سوانح حیات تیار فرمائی تھی اسی انداز پر اپنے دادا پیر حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی عباسی مسکین پوری قدس سرہٗ کی سوانح حیات کو بھی بکثرت عنوانات کے تحت مرتب فرمایا ہے جو طالبانِ راہِ سلوک کے لئے روحانی غذا ہے۔

(۱۶/۲) حضرت مجدد الفِ ثانیؒ | یہ کتاب ۲۳×۱۸/۸ سائز کے ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ہے جو پہلی مرتبہ ۱۹۷۲ء میں اور اپنی مقبولیت کی بنا پر ۱۹۷۵ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی یہ تالیف امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی صرف سوانح ہی نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور بکثرت بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے اور اس زمانے کی ایک مستند تاریخ بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو اس کتاب پر جس قدر خراجِ تحسین ملا ہے اس کا اندازہ ذیل کی تقاریظ وتبصروں سے ہو سکتا ہے چنانچہ خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اولاد امجاد میں سے ایک محترم بزرگ حضرت مولانا حکیم حافظ پیر محمد ہاشم جان صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ ٹنڈو سائیں داد ضلع حیدر آباد سندھ اس کتاب پر اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات میں اتنے فضائل وکمالات جمع فرما دیئے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور کمال موجب حیرت بنا دیتا ہے ...... اور اس پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ ایسے محاسن اور کمالات ایک ذات میں کیسے جمع ہو گئے ...... حضور اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کا یہ ثمرہ ہے کہ ہر ایک صنفِ کمال میں آپ بے نظیر و بے مثال ہوئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف اقوال و اعمال میں آپ نے اتباع کیا ہے بلکہ جذبات و واردات اور احوال روحانیہ میں بھی حضرت مجدد کی زندگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا جلوہ نظر آتا ہے اس لئے حضرت مجدد کی سوانح حیات سے اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں ہم استفادہ کرسکتے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، روحانی ترقیات، غرض یہ کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ نے ہدایتیں نہ دی ہوں، اور ان ہدایات پر ہم عمل کر کے سب کے دینی و دنیوی فوز و فلاح نہ پاسکتے ہوں۔ اس بنا پر آپ کے مجدد اعظم ہونے پر سب کا اتفاق ہے ـــــ آپ کے تجدیدی کارنامے ایسے عظیم اور گرانقدر ہیں کہ جن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوتا ہے اور اس عہدِ ضلالت میں دین کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچایا ہے ـــــ ولایت کے سلسلے میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو ان مدارج عالیہ تک پہنچایا ہے کہ جہاں طائر بلند پرواز تخیل کی رسائی نہیں ـــــ حقیقت یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد علمائے ربانی و اولیائے سبحانی میں آپ کی شان سب سے نرالی ہے ـــــ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب دام مجدہ . . . . کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ انھوں نے بڑی محنت و جستجو سے حضرت مجدد کے حالات جمع کئے اور ان کی زندگی کے ہر ایک شعبہ پر تفصیلی معلومات بہم پہنچائے اور پھر اس کو منظرِ عام پر لائے، مسلمانوں پر یہ ان کا احسان عظیم ہے کہ جس کی منت پذیری کی اب یہی صورت ہوسکتی ہے کہ ہم اس مفید کتاب کی اشاعت میں پورا حصہ لیں۔ باقی اس محنت و جان کاہی کا اجر تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی ان کو دے سکتا ہے، میں نے جستہ جستہ بعض مقامات سے اس کتاب کو پڑھا ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔"

نیز فاضل محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ العالی اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۰۳۴ھ کی ذات ستودہ صفات اپنی شہرت و قبولیت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں، اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت ممدوح کا شمار ان چند مخصوص ائمہ ہدیٰ میں سے ہے کہ جن کے فیضِ ہدایت سے ایک عالم مستفیض ہوا اور اولیائے کبار کا ایک گروہ کثیر ان ازمنہ متاخرہ میں قربِ الٰہی کے مقاماتِ بلند پر فائز ہوا فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیراً۔ (پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) ظاہر ہے کہ اس عظیم المرتبت امام کی سوانح، ان کے حالاتِ زندگی، ان کی تعلیمات اور ان کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا ثواب ہی ثواب ہے۔ فارسی زبان میں اگرچہ امام ربانی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کے فضائل و کمالات کی تفصیل پر متعدد قیمتی کتابیں خود حضرت ہی کے خلفا اور اہل سلسلہ کے قلم سے موجود ہیں لیکن اردو زبان کا دامن ابھی تک اس سلسلہ میں ایسی جامع تالیف کے وجود سے تقریباً خالی تھا کہ جس میں آپ کے مفصل حالاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات اور کارناموں پر بھی تفصیل سے

روشنی ڈالی جائے اور منصب تجدید اور مقام مجددیت پر بھی سیر حاصل بحث ہو۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کی تالیف سے یہ کمی بڑی حد تک پوری ہو گئی ۔۔۔۔ (پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) ۔۔۔ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے اوقات میں جو حق تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی ہے اس کا نمایاں اثر یہ ہے کہ ایک مدت قلیل میں جناب ممدوح کے قلم سے متعدد ضخیم کتابیں تالیف ہو کر شائع ہو چکی ہیں انھیں تالیفات میں پیش نظر کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان کو اس کار خیر کی تکمیل پر اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اس تالیف کو قبول عام اور شہرت دوام نصیب کرے اور ان بزرگوں کے صدقے جن کا تذکرہ اس کتاب میں آگیا ہے مجھے بھی حضرت مجدد رحمہ اللہ کی برکات سے بہرہ مند فرمائے، ایمان پر خاتمہ کرے اور زندگی بھر عمل خیر کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین"۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے خلف الرشید محترم جسٹس مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی ماہنامہ "البلاغ" کراچی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ میں "نقد و تبصرہ" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:۔

"امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات ان مقدس اور نورانی ہستیوں میں سے ہے جن کے احسانات سے یہ سرزمین تاقیامت سبکدوش نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے میں ان سے اپنے دین کی تجدید کا جو انقلابی کام لیا وہ تاریخ میں خال خال ہی کسی کو میسر آتا ہے، فارسی زبان میں حضرت مجدد صاحبؒ کی متعدد سوانح حیات موجود ہیں لیکن اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی اتنی جامع اور مفصل کتاب نہیں تھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہم کو جنھوں نے بڑی محنت، کاوش اور عرق ریزی کا سے اس خلا کو پُر کیا ہے ۔۔۔۔ یہ کتاب چودہ بڑے عنوانات پر (جنھیں در اصل ابواب کہنا چاہیے) مشتمل ہے، پہلا عنوان ہے "حضرت مجددؒ کا سلسلۂ نسب" اور اس میں حضرت مجدد صاحبؒ کا صرف نسب نامہ ہی بیان نہیں کیا گیا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک تمام آباؤ اجداد کے مختصر حالات بھی درج کر دیئے گئے ہیں، اسی طرح دوسرے باب میں حضرت موصوف کا سلسلۂ طریقت بیان کیا گیا ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تک اس سلسلہ کے تمام مشائخ کے حالات فرداً فرداً بیان کئے گئے ہیں، تیسرا باب حضرت مجدد صاحبؒ کے ذاتی سوانح و حالات پر مشتمل ہے اور تقریباً سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ چوتھے باب میں آپ کے روزمرہ کے معمولات کا بیان ہے، پانچویں باب آپ کے کشف و کرامات سے متعلق ہے، چھٹے باب میں آپ کے خاص خاص ملفوظات بیان کئے گئے ہیں۔ ساتواں، آٹھواں، نواں اور دسواں باب اس کتاب کی خاص چیز ہے اور اس میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کونسے کارنامے انجام دیئے جن کی بنا پر آپ کو "مجدد الف ثانی" کا مقبول عام لقب دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلے اکبر کے

دینِ الٰہی کی تفصیلات بیان کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ اس دور میں کس طرح سرکاری ڈنڈے کے زور سے دینِ اسلام کو مسخ کیا جا رہا تھا؟ کیسے کیسے فاسد اعتقادات اور کتنی خطرناک رسوم کو رواج دیا جا رہا تھا؟ پھر تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے کس محنت اور حکمت کے ساتھ اس طاغوتی فتنے کا مقابلہ فرمایا۔ یہ پوری تاریخ انتہائی سبق آموز، ولولہ انگیز اور انتہائی دلچسپ ہے اور خاص طور سے علم دین کے ہر طالب علم کو اس کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنا چاہیے ـــــ گیارہواں باب حضرت مجددؒ کی خاص خاص تعلیمات پر مشتمل ہے ـــــ بارہویں باب میں آپ کی تصانیف کا تذکرہ ہے ـــ تیرہویں باب میں آپ کے اولاد امجاد کے حالات بیان کئے گئے ہیں ۔ اور آخری باب میں آپ کے خلفا اور مکتوب الیہم کی نہ صرف فہرست بلکہ ان کی مختصر سوانح بھی بیان کی گئی ہے۔ سوانح میں کوئی واقعہ بلا حوالہ بیان نہیں کیا گیا اور ماخذ زیادہ تر مستند کتابیں ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع پر اردو میں جامع ترین کتاب ہے اور اس نے اردو کے اسلامی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ ہماری رائے میں یہ کتاب ہر لائبریری، ہر دینی مدرسے اور ہر علمی ذوق رکھنے والے مسلمان تک پہنچنی چاہیئے۔"

فاضل محترم جناب ثناء الحق صاحب صدیقی مدظلہ نے سہ ماہی رسالہ "العلم" کراچی بابت ماہِ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۲ء زیرِ عنوان "نقد و نظر" اس کتاب پر بڑے سائز کے ڈھائی صفحات میں ایک جامع تبصرہ فرمایا ہے جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

"برصغیر کی تاریخ میں دو ہستیاں ایسی ہیں جن کو صحیح معنوں میں مینارۂ نور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد قدس سرہ السامی اور دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں بزرگوں نے شریعت و طریقت کی راہ میں جو کام انجام دیئے ان کی نظیر برصغیر کی تاریخ میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ حضرت مجدد صاحبؒ کا دور شہنشاہ اکبر و جہانگیر کا وہ عہد تھا جو دینی اعتبار سے ظلمت و گمراہی سے پوری طرح ڈھکا ہوا تھا، شعائرِ اسلام کی کھلم کھلا توہین ہو رہی تھی۔ آپ نے سلطانِ جابر کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر قید و بند کی صعوبات برداشت کیں یہاں تک کہ جہانگیر جس نے آپ کو قلعۂ گوالیار میں محبوس کیا تھا خود آپ کی جلالتِ شان سے اس درجہ متاثر ہوا کہ آپ کو رہا کرکے پوری طرح آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ (چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) ـــــ ایسی عظیم ہستی کے حالاتِ زندگی اور آپ کے کارناموں سے لوگوں کو پوری طرح واقف کرنے کے لئے ایک اچھی کتاب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ خصوصاً دورِ حاضر کے مذاق و رجحان کے مطابق ان حالات و مباحث کو پیش کرنا نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ اس موضوع پر فارسی اور اردو میں کچھ کتابیں موجود تھیں لیکن ان سے موجودہ دور کے قاری کی تشنگی دور نہیں ہو سکتی تھی۔ اس بات کا احساس

کرتے ہوئے حضرت شاہ زوار حسین صاحب نے جو اس سلسلہ کے ایک شیخ طریقت ہیں اس اہم ذمہ داری کو ادا کیا اور اس خوبی سے یہ کام انجام دیا کہ موضوع کا حق ادا کر دیا ــــ زیرِ تبصرہ تالیف آپ ہی کے قلم اعجاز کا ایک اعلیٰ نقش ہے۔ ایک طرف حضرت شاہ صاحبؒ کو اس سلسلہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے شیخ مجدد کی تعلیمات سے گہری واقفیت ہے دوسری جانب قدرت نے آپ کو تصنیف و تالیف کا ایک اعلیٰ اور ستھرا اور نکھرا ہوا انداز عطا کیا ہے، دقیق مضامین کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنے کا آپ میں جو سلیقہ ہے وہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے چنانچہ زیرِ تبصرہ تالیف میں بھی آپ نے اپنی اس خوبی کو پوری طرح قائم رکھا ہے اور اسی نے اس کتاب کو خاص چیز بنا دیا ہے۔ مواد کی فراہمی میں بھی آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور موضوع کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس پر آپ نے روشنی نہ ڈالی ہو ــــ آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے حالاتِ زندگی بھی نہایت حزم و احتیاط سے جمع کئے ہیں اور تعلیمات و نظریات کو بھی نہایت عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے حضرت امام ربّانی کے مکتوبات جو حقائق و معارف کا ایک بڑا خزانہ ہیں اور جن کو پڑھے بغیر مجدد صاحبؒ کے کمالات کا پورا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ حضرت شاہ زوار حسین صاحب نے اپنی اس تالیف میں ان مکتوبات کا گویا عطر نکال کر رکھ دیا ہے۔ یہ تالیف دیکھنے کے بعد قاری مکتوبات کے مطالعہ سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جاتا ہے ــــ (چند سطور کے بعد) کتاب کے سب عنوانات علیحدہ علیحدہ تبصرہ اور رائے کے محتاج ہیں لیکن اس میں طوالت کا اندیشہ ہے لہٰذا اس سے قطع نظر کرکے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے حالات و افکار پر اس سے زیادہ جامع کتاب ابھی تک کسی زبان میں نہیں لکھی گئی، اس وقت اس کو حرفِ آخر کی حیثیت حاصل ہے اور یقین ہے کہ اس کی یہ انفرادیت ایک طویل عرصہ تک باقی رہے گی۔ فی الحقیقت اس کتاب سے اردو کے دینی ادب میں ایک گراں قدر تالیف کا اضافہ ہوا ہے۔"

ہمارے دوست ڈاکٹر خان رشید مرحوم کا تبصرہ بھی ملاحظہ ہو جو انھوں نے ماہنامہ "قومی زبان" کراچی بابت فروری ۱۹۷۶ء میں "رفتارِ ادب" کے زیرِ عنوان کیا تھا:۔

"شاہ صاحب موصوف ایک جید عالمِ دین اور سلسلہ نقشبندیہ کے ایک ذی وقار بزرگ ہیں، ان کی عالمانہ تالیفات "عمدۃ الفقہ اور عمدۃ السلوک" ہماری خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے اور انھیں علمی دینی حلقوں اور درس گاہوں میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ــــ یہ کتاب پاک و ہند کی عظیم شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سوانح سیرت اور ان کے کارناموں کا ایک بسوط تحقیقی جائزہ ہے جس سے ان کی عظمت اور ان کے انقلابی اور مجددانہ کارناموں کے سیاسی اور تاریخی پس منظر عوامل و محرکات اور

دوررس نتائج کے بعض ایسے اہم گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے جو ابھی تک عام نگاہوں میں نہ آسکے تھے اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات اور دیگر تصانیف کے علاوہ ان تمام کتابوں اور مقالات پر غائر نگاہ ڈالی گئی ہے جو اُن پر اب تک لکھے گئے تھے اس طرح ان کی سیرت زندگی اور تعلیمات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی مؤلف کا حسن انتخاب ان کی بالغ نظری اور ان کا بے لاگ محاکمہ ہے جس کے سبب اگرچہ یہ ایک تالیف ہے لیکن حقیقی معنوں میں یہ ایک ایسی تصنیف بن گئی ہے کہ اسے اس دور کے گراں مایہ علمی کارناموں میں شمار کیا جا سکتا ہے ـــ موصوف نے اس پر بڑی محنت کی ہے اور ایک ایک فقرہ لکھنے سے پہلے اس کی جامعیت اور صداقت پر اچھی طرح غور کیا ہے ـــ (چند سطروں کے بعد آخر میں) بہرکیف بحیثیت مجموعی یہ کتاب بڑی قابلِ قدر ہے اور اسی لئے اسے پوری دنیا میں قدردانی کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے ۔"

(۱۷) انوارِ معصومیہ یہ کتاب ۱۸×۲۳/۸ سائز کے ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی آخری تالیف ہے جس کا مقدمہ حضرت موصوف نے وصال سے چند یوم قبل تیار فرمایا تھا اور جس کی کتابت حضرت صاحبؒ کی حیات ہی میں تقریباً مکمل ہو چکی تھی اور گرد پوش کا ڈیزائن بھی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے پسند فرمالیا تھا لیکن افسوس کہ اس کو مطبوعہ شکل میں نہ دیکھ سکے۔ یہ کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ وجانشین فرزند سوم حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ آپ کی اولاد در اولاد کے حالات پر مشتمل ہے اور حضرت خواجہ محمد معصوم کا سفرنامہ حج خاص طور پر قابل ذکر ہے جو غالباً پہلی مرتبہ ترجمہ کرکے پیش کیا گیا ہے اور چونکہ اس میں بھی شاہانِ مغلیہ کے ساتھ روابط اور حالات درج ہیں اس لئے اس کو کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کا تکملہ اور دوسرا حصہ سمجھنا مناسب ہوگا۔ نیز ذیل کے تبصروں سے اس کتاب کے متعلق مزید اندازہ ہو سکے گا۔

فاضل محترم حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی مدظلہ العالی مدیر ہفت روزہ "خدام الدین" بابت ۵ دسمبر ۱۹۸۰ء "تعارف وتبصرۂ کتب" بعنوان کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ کتاب حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلف الرشید اور جانشین خواجہ محمد معصوم صاحب قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے ہمارے خیال میں خواجہ صاحب کا اس قسم کا مفصل تذکرہ اردو زبان میں پہلی بار سامنے آیا ہے بلکہ میرے ناقص علم کی حد تک کسی دوسری زبان میں بھی ایسی دلآویز تصنیف سامنے نہیں آئی۔ شاہ صاحبؒ نے اس سے قبل حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات سپرد قلم فرمائی تھی اور وہ اردو لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ سمجھی گئی تھی اور وقت کے عظیم لوگوں نے اسے سراہا تھا اس کے بعد (شاہ صاحب) مرحوم نے حضرت خواجہ

محمد معصوم صاحبؒ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ کرکے ایک لازوال کارنامہ سرانجام دیا جسے علم و تحقیق کی دنیا میں بیحد سراہا گیا۔ زیرِ تبصرہ کتاب مرحوم نے اپنی زندگی میں مکمل کی اس کی کتابت بھی مرحوم کی زندگی میں مکمل ہوگئی تھی اور آپ نے مبسوط مقدمہ بھی لکھ کر ناظم ادارۂ مجددیہ کے سپرد کر دیا تھا کہ بیماری نے آپ کو مزید مہلت نہ دی اور بالآخر آپ اللہ کو پیارے ہوگئے ۔۔۔ ۳۸۴ صفحات کی اس کتاب میں خواجہ صاحب کی حیاتِ مبارکہ پر اتنی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ بابد و شاید؟ مصنف علامہ نے خواجہ صاحبؒ کی مسند نشینی کے ۴۵ سالوں کا الگ الگ بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ہر سال کے اہم ترین واقعات کو بڑی خوبی کے ساتھ سپردِ قلم کیا ہے، اس کے بعد آپ کی اولاد امجاد کا تذکرہ ہے اس ضمن میں بادشاہ کی آپ کی خدمت میں حاضری اور آپ کا اس کی تربیت فرمانا بیان کیا گیا ہے، شاہانِ مغلیہ پر ایک نظر کے عنوان سے تیمور شاہ سے بہادر شاہ ظفر تک کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کی یوں بھی ضرورت تھی کیونکہ خانوادۂ مجددی کا شاہانِ مغلیہ سے گہرا تعلق ہے اور مغلیہ خاندان کے ہاتھوں بالخصوص عالمگیرؒ کے دور میں جو دینی خدمت ہوئی اس کا سہرا انہی بزرگانِ خدا کے سر ہے ۔۔۔ ۲۳۱ صفحات کے بعد آپ کی تعلیمات پر مبسوط کلام ہے اور ہمارے خیال میں یہ حصہ کتاب کا حاصل ہے کیونکہ اہل اللہ کی زندگی میں کشف و کرامات سے زیادہ جو چیز دیکھنے کی ہوتی ہے وہ یہی ہوتی ہے کہ انھوں نے دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے کیا خدمت سرانجام دی اور دین کے چشمۂ صافی کو کس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تعلیمات والے حصے کے بعد آپ کے خلفا اور پھر ان حضرات کا ذکر ہے جن کے نام آپ نے خطوط لکھے اور آخر میں "ضمنی تذکرے" کے عنوان سے ایک باب ہے جس میں بعض انتہائی قیمتی چیزیں آگئی ہیں ۔۔۔ فی الحقیقت یہ تذکرہ ایک شخصیت کا تذکرہ نہیں بلکہ ایک پوری تحریک کو سمجھنے کے لئے ایک معرکہ کی چیز ہے اور واقعۃً یہ شاہ صاحبؒ کا عظیم کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور اس تذکرہ کو ملت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے ۔۔۔۔۔

ادارۂ مجددیہ کے ناظم نے بڑی ہمت سے شاہ صاحبؒ کی تصانیف کو شائع کیا ہے ہمیں امید ہے کہ وہ اس سلسلۂ خیر کو جاری رکھیں گے اور مرحوم کا قیمتی سرمایہ ملت کو اسی طرح فراہم ہوتا رہے گا اہلِ ذوق سے امید ہے کہ وہ اس سرمایہ کی قدر کریں گے"

مشہور ادیب محترم جناب ثناء الحق صاحب صدیقی مدظلہ العالی سہ ماہی رسالہ "العلم" بابت اپریل تا جون ۱۹۸۱ء زیرِ عنوان "نقد و نظر" تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "حضرتِ مجددِ الفِ ثانیؒ" کافی خراجِ تحسین وصول کرچکی ہے، یہ کتاب اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند رشید اور خلیفہ اول خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و کوائف نہایت جامعیت سے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت مجددؒ صاحب کے

حالات سے متعلق تو پہلے بھی چند کتابیں موجود تھیں گو اُن میں وہ تفصیل اور جامعیت نہیں تھی جو کتاب "حضرت مجدد الفِ ثانی رح" میں ہے لیکن خواجہ محمد معصوم کے حالات و کوائف سے ابھی تک کسی نے اعتناء نہیں کیا تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اسی سلسلہ کے شیخ طریقت تھے اس لئے ان سے بہتر اس موضوع کو کون بیان کر سکتا تھا۔ انھوں نے اس مضمون پر قلم اٹھایا اور قطعۂ قرطاس پر اس قدر مواد جمع کر دیا جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جہاں پہلے سے کچھ نہ ہو وہاں اتنا کچھ مواد فراہم کر دینا ایک اعجاز ہے حضرت شاہ صاحب رح نے ایک ایک ریزہ اکٹھا کر کے یہ انبار لگایا ہے اور پھر ان ریزوں کو اس خوبصورتی سے ترتیب دیا ہے کہ وہ حسن و دلکشی کا ایک منبع بن گیا ہے۔ مواد کو جن بڑے بڑے عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے وہ یہ ہیں: (۱) حیاتِ مبارکہ (۲) یواقیت الحرمین (۳) اولادِ امجاد (۴) شاہانِ مغلیہ ایک نظر میں (۵) اذکار و ادعیہ (۶) کشف و کرامات (۷) تعلیمات (۸) اصطلاحات تصوف (۹) خلفائے عظام۔ آخر میں مکتوب الیہم کی مکاتیب کے حوالہ سے نشاندہی کی ہے اور بعض کے مختصر حالات بھی دے دیئے ہیں پھر کچھ ضمنی تذکرے ہیں — غرض اپنے موضوع کے اعتبار سے کتاب نہایت جامع ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صاف و رواں اندازِ تحریر یہاں بھی اپنی پوری دلکشی اور تابش کے ساتھ جلوہ گر ہے کتاب کا ظاہری حسن بھی جاذب نظر ہے کتابت طباعت اور کاغذ معیاری ہیں اور گرد پوش نہایت حسین ہے۔"

انوارِ معصومیہ پر ماہنامہ "بینات" کراچی بابت ربیع الاول ۱۴۰۱ھ کے زیرِ عنوان "نقد و نظر" میں جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ بھی بہت جامع ہے ملاحظہ ہو:۔

"حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے علوم مجددیہ کی نشر و اشاعت کی خاص توفیق عطا فرمائی تھی۔ موصوف نے حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رح کے متعدد رسائل کو اردو میں منتقل کیا، حضرت مجدد رح کے سوانح پر ایک ضخیم کتاب مرتب فرمائی، حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے مکتوبات کا اردو میں ترجمہ کیا، اور حضرت خواجہ رح کے حالات پر زیرِ نظر کتاب "انوارِ معصومیہ" مرتب فرمائی۔ کتاب کے اصل ماخذ "زبدۃ المقامات" "روضۃ القیومیہ" اور "مکتوباتِ معصومیہ" ہیں۔ ان کے علاوہ ساٹھ کے قریب کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اول حضرت خواجہ رح کی ولادت باسعادت سے لیکر ان کی سجادہ نشینی تک کے حالات ہیں۔ اس ضمن میں "قیومیت" کی اصطلاح کی تشریح بھی خاصی تفصیل اور عمدگی سے آئی ہے۔ اس کے بعد (ص ۳۹ سے ص ۱۱۶ تک) ۱۰۳۴ھ (جو حضرت مجدد الفِ ثانی رح کی رحلت اور حضرت خواجہ محمد معصوم رح کی سجادہ نشینی کا سال ہے) سے لے کر ۱۰۷۹ھ تک ۴۵ سالوں کے حالات و واقعات سنہ وار ذکر کئے گئے ہیں۔ ۱۰۶۷ھ حضرت خواجہ رح حج پر تشریف لے گئے تھے آپ کا سفرنامۂ حرمین حضرت خواجہ محمد عبید اللہ رح نے "یواقیت الحرمین" کے نام سے عربی میں مرتب فرمایا تھا،

اس کا فارسی ترجمہ "حسنات الحرمین" کے نام سے شیخ محمد شاکر نے کیا تھا۔ اس سال کے واقعات کے ضمن میں اس فارسی رسالہ کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے۔ ص۱۱۰ سے ص۱۴۸ تک آپ کی اولاد امجاد کا تذکرہ ہے ص۱۴۹ سے ص۱۷۲ تک خواجہ محمد زبیر کے حالات ہیں جو خواجہ محمد معصوم کے پڑپوتے اور اپنے زمانے میں مجددی خاندان کے عالی قدر اور نامور شیخ تھے ــــــ چونکہ شاہان مغلیہ کا مجددی خاندان سے گہرا تعلق رہا ہے اس لئے (ص۱۷۳ سے ص۱۸۰ تک) ایک عنوان ہے "شاہان مغلیہ ایک نظر میں" جو اختصار کے باوجود بڑا معلوماتی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کا ایک رسالہ اذکار و ادعیہ پر ہے ص۱۸۱ سے ص۲۳۲ تک اس کا مکمل ترجمہ شامل کتاب ہے اور مکتوبات معصومیہ میں جن اوراد و اذکار کا ذکر آیا ہے ان کو بھی تلاش کر کے اس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے ــــــ کتاب کا سب سے ضخیم اور پر مغز اور کار آمد حصہ (ص۲۳۱ سے ص۳۴۰ تک) حضرت عروۃ الوثقیٰ کی وہ تعلیمات ہیں جن کو آپ کے مکتوبات شریفہ سے چن کر ایک خاص ترتیب سے جمع کر دیا گیا ہے، یہ ۱۱۰ صفحات اگر الگ رسالے کی شکل میں شائع کر دیئے جائیں تو بہت ہی نفع کی امید ہے ــــــ ص۳۴۱ سے ص۳۵۵ تک حضرت خواجہ کے خلفاء کرام کا تذکرہ ہے اور کتاب کے آخر میں حضرت خواجہ کے مکتوب الیہم کے اسمائے گرامی کی حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست ہے بعض کا مختصر یا مفصل تعارف بھی پیش کیا گیا ہے اور ہر نام کے ساتھ ان کے نام کے مکتوبات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے ــــــ کتاب کے اس اجمالی خاکہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مصنف نے اس کی ترتیب میں کس قدر محنت و جانفشانی سے کام لیا ہوگا۔ امید ہے کہ ان کی یہ خدمت ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگی اور ان کے رفع درجات کا موجب بنے گی"۔

یہاں تک حضرت شاہ صاحب کی تالیفات پر تبصروں کا سلسلہ تھا

اب تراجم پر جو تبصرے ہوئے ہیں ان میں سے بھی کچھ ملاحظہ ہوں۔

مکتوبات معصومیہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ایک بڑا کارنامہ حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے و جانشین حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کا اردو ترجمہ ہے جو تین ضخیم دفتروں (جلدوں) میں ہے، ان فارسی مکتوبات کے ہر دفتر کو تین الگ الگ بزرگوں نے جمع کیا ہے اور ہر دفتر مختلف دور میں مختلف مطابع سے شائع ہو چکا ہے اور عرصے سے نایاب تھا۔ اب مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد نے ان تینوں دفتروں کو ۱۳۹۶ھ میں شائع کیا جو ۱۸×۲۳ سائز کے تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ان مطبوعہ اور قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر جس محنت و کاوش اور عرق ریزی سے ایک ایک جملہ پر غور و خوض کر کے قریب المعنی اور عام فہم، سلیس و شگفتہ ترجمہ کیا ہے اس پر ملک کے ممتاز جرائد نے شاندار تبصرے کئے ہیں اور خراج تحسین دیا ہے۔ اس طرح

اس ترجمہ کو نہ صرف اوّلیت بلکہ اولویت بھی حاصل ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اردو ترجمہ کے تینوں دفتروں میں حاشیہ پر فارسی مطبوعہ ۱۳۹۶ھ والے نسخہ کے صفحات بھی دیدیئے ہیں تاکہ اگر کوئی صاحب فارسی مکتوبات سے رجوع کرنا چاہیں تو تلاش میں زحمت نہ ہو۔ نیز مکتوباتِ شریفہ میں آئی ہوئی آیاتِ مبارکہ کی سورت اور آیت کا نمبر بھی حاشیہ میں دیدیا ہے، اور ان میں جو احادیثِ شریفہ آئی ہیں ان میں سے جن کا حوالہ مل سکا وہ بھی حاشیہ میں دیدیا ہے، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوباتِ شریفہ کی بھی جہاں جہاں عبارتیں آئی ہیں ان میں سے جن کا حوالہ مل سکا وہ بھی حاشیہ میں درج کردیا گیا۔ غرض کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی ان کاوشوں پر جسقدر اُن کو خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے اور جسقدر ان کے حق میں دعائیں کی جائیں وہ بھی کم ہیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی قبر کو اپنے انوار سے منور فرمائے اور اُن پر بیش از بیش رحمتیں نازل فرمائے، آمین، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۱۸/۱۲) اردو ترجمہ مکتوباتِ معصومیہ دفتر اول مکتوباتِ معصومیہ کا دفتر اول ۲۳×۱۸/۸ سائز کے ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۳۹ مکتوبات ہیں جن کو حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے صاحبزادہ سوم حضرت خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعۃ نے مرتب کیا ہے، آپ نے ۱۰۶۹ھ میں جس کا مادۂ تاریخ "درۃ التاج" ہے ان مکتوبات کو جمع کرنا شروع کیا اور ۱۰۶۳ھ میں جس کا مادۂ تاریخ "جمع کمالاتِ نبوت" ہے اختتام کیا۔ پھر اس کے قلمی نسخوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ۱۳۰۲ھ میں یہ نسخہ پہلی مرتبہ مطبع نظامی کانپور (بھارت) سے شائع ہوا۔ اس کے بعد مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے ۱۳۹۶ھ میں ان تینوں دفتروں کو یکجا شائع کیا۔ بعد ازاں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کا اردو ترجمہ کرکے ۱۳۹۸ھ میں شائع کرایا۔

محترم جناب ثناء الحق صاحب صدیقی مدظلہ العالی اس دفتر پر سہ ماہی رسالہ "العلم" کراچی بابت اپریل تا جون ۱۹۷۹ء میں تبصرہ فرماتے ہیں:۔

"برصغیر میں نقشبندیہ سلسلہ سب سے بعد میں آیا لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خلوص نیت اور سعی وجدوجہد کی بدولت اس سلسلہ نے بہت جلد نہایت مقبولیت حاصل کرلی۔ یہی نہیں بلکہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنی ذات سے اس طریقہ کو اتنا متاثر کیا کہ جس سلسلہ کو انھوں نے آگے بڑھایا وہ ایک نئے نام یعنی طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ سے شہرت پاگیا۔ اس طریقہ کے سب سے بڑے ستون تو خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تھے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے اس کی اشاعت کی۔ ان دونوں بزرگوں کی بیشتر تعلیمات ان کے مکتوبات میں

محفوظ ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام مکتوبات طریقت و معرفت کا بیش بہا خزانہ ہیں مگر چونکہ اصلی مکتوبات فارسی زبان میں ہیں جس کا اب رواج نہیں رہا اس لئے ان کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت سمجھی گئی۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات تو کافی عرصہ ہوا اردو کے قالب میں ڈھالے جا چکے ہیں مگر حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات ابھی تک اردو میں منتقل نہیں ہوئے تھے جس کی وجہ سے اردو داں طبقہ ان سے مستفید نہیں ہو سکتا تھا حضرت شاہ زوار حسین صاحبؒ نے جو اس سلسلہ کے شیخ طریقت ہیں اور نہایت خاموشی سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے لٹریچر کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مکتوباتِ معصومیہ کے دفتر اول کا اردو ترجمہ کر کے ادارہ مجددیہ کی جانب سے شائع کرایا ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ ہے اور باوجودیکہ مکتوبات کے بعض مضامین خاصے دقیق ہیں لیکن ترجمہ میں انھیں اس طرح سلجھا کر پیش کیا گیا ہے کہ تھوڑے سے غور و فکر سے عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ چونکہ ان مکتوبات کا اصل موضوع روحانی و اخلاقی تعلیم ہے اس لئے آج کی دنیا میں جبکہ ہر طرف مادیت کا غلبہ ہے ان کا مطالعہ عوام کے لئے یقیناً مفید ہوگا۔"

(۱۹/۱۲) **مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم** (اردو ترجمہ) | مکتوباتِ معصومیہ کا دفتر دوم بھی ۱۸×۲۳ سائز کے ۲۸۸ صفحات اور ۱۵۸ مکتوبات پر مشتمل ہے جس کو حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے صاحبزادہ نجم حضرت خواجہ سیف الدین محی السنہ قدس سرہٗ کے ارشاد پر حضرت مولانا شرف الدین حسین بن میر عماد الدین محمد الحسینی الہروی رح خلیفہ مجاز حضرت عروۃ الوثقیٰؒ نے جمع کرنا شروع کیا اور اس کے اختتام پر اس کا تاریخی نام "وسیلۃ السعادۃ" (۱۰۷۲ھ) رکھا۔ اس کے بھی قلمی نسخوں کا سلسلہ رہا حتی کہ پہلی مرتبہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو مطبع ظہور پریس لدھیانہ سے شائع ہوا، اس کے بعد مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے ۱۳۹۶ھ میں اس کو شائع کیا، بعد ازاں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کا اردو ترجمہ کر کے ۱۳۹۹ھ میں شائع کرایا۔

اردو ترجمہ مکتوباتِ معصومیہ دفتر دوم و سوم کے متعلق محترم مدیر صاحب ماہنامہ "بینات" کراچی بابت جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ زیر عنوان "نقد و نظر" تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فرزندانِ گرامی میں عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کو اپنے والد گرامی قدر کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا اور ان کی بدولت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ اکنافِ عالم میں پھیلا، حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات شریفہ مکتوباتِ مجددیہ کی طرح علوم و معارف کا گنجینہ ہیں، اتباعِ سنت کی تاکید، علومِ مکاشفہ کی تشریح اور علومِ مجددیہ کی توضیح ان کا خاص موضوع ہے ۔۔۔ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ نے مکتوباتِ معصومیہ کے تینوں دفاتر کو اردو میں منتقل فرمایا

جلد اول کا تذکرہ ان سطور میں آچکا ہے، دفتر دوم و سوم کا ترجمہ پیش نظر ہے — ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اصل کی پابندی اس حد تک کی گئی ہے کہ گویا تحت اللفظ ہے، اس کے باوجود اس کی روانی اور سلاست میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اصل مکتوبات میں جہاں قرآن مجید کی آیات یا احادیث شریفہ آئی ہیں انھیں من وعن درج کر کے بین القوسین ترجمہ دیا گیا ہے، اسی طرح عربی و فارسی اشعار بھی بعینہ درج کر کے ان کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ دفتر دوم کے آخر میں مکتوبات معصومیہ کے ہر سہ دفاتر کے مکتوب الیہم کا اشاریہ درج ہے جس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے مکتوب الیہ کون حضرات تھے اور تینوں جلدوں میں ان کے نام کون کون مکتوب ہیں۔"

(۲۰/۱۲) اردو ترجمہ مکتوبات معصومیہ دفتر سوم

مکتوبات معصومیہ کا دفتر سوم بھی $\frac{23\times18}{8}$ سائز کے ۳۳۶ صفحات اور ۲۵۵ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ جس کو حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے صاحبزادۂ دوم حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق حضرت حاجی محمد عاشور بن حاجی محمد البخاری قدس سرہ خلیفہ مجاز حضرت عروۃ الوثقیٰؒ نے ۱۰۷۳ھ میں جمع کرنا شروع کیا، اس کے آغاز کا مادۂ تاریخ "مکاتبات قطب زماں" (۱۰۷۳ھ) اور تکمیل کی تاریخ کا مادہ "مکاتبات زقطب زماں" (۱۰۸۰ھ) ہے۔ یہ دفتر پہلی مرتبہ مولانا نور احمد صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے بڑی محنت و کاوش سے ۱۳۴۰ھ میں شائع کیا تھا جو کتابت و طباعت اور تصحیح کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے چنانچہ مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے بجنسہ اس کا فوٹو لیکر دونوں دفتروں کے ساتھ ۱۳۹۶ھ میں شائع کیا۔ بعد ازاں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ۱۴۰۰ھ میں اس کا اردو ترجمہ شائع کرایا۔

اردو ترجمہ مکتوبات معصومیہ دفتر دوم و سوم کے متعلق محترم حضرت مولانا محمد سعید الرحمٰن صاحب علوی مدظلہ العالی کی عالی رائے جو ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور بابت ۴ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ میں زیر عنوان "تعارف و تبصرہ" شائع ہوئی ہے ملاحظہ ہو:-

"حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صاحبزادے اور آپ کے علوم و معارف کے وارث عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات طیبات اپنے عظیم ترین والد بزرگوار کی طرح علوم و معارف کا انمول ذخیرہ ہیں، یہ مکتوبات تین دفاتر (تین حصوں) میں ہیں، زبان فارسی ہے اس لئے ان سے عام آدمی کیا آج کل کے اچھے بھلے لکھے پڑھے بھی استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ بدقسمتی سے فارسی زبان کا شوق قریب قریب ختم ہوتا جا رہا ہے — سلسلۂ نقشبندیہ کے گل سرسبد حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب قدس سرہ کی

قبرِ انور پر اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آپ نے اس انمول خزانہ کو اردو میں منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے دفتر کے ترجمہ پر تبصرہ انہی صفحات میں ہو چکا ہے، اس وقت دفتر دوم اور سوم سامنے ہے حضرت مرحوم نے جس شگفتگی سے ترجمہ کیا ہے وہ انہی کا کام تھا، ترجمہ میں کمال درجہ کی سلاست اور روانی ہے، آپ نے مزید اضافہ یہ کیا کہ مکتوبات میں جو قرآنی آیات ہیں ان کے حوالے دیدیئے، اسی طرح احادیث کے حتی الامکان حوالے حواشی میں درج کر دیئے تاکہ اصل ماخذ کی طرف رجوع آسان ہو حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات کے جو حوالے خواجہ صاحب نے دیئے تھے ان کو بھی حاشیہ میں واضح کر دیا ہے اور خود آپ کے فارسی مکتوبات کے مطبوعہ نسخہ کے صفحات بھی حواشے میں میں دیدیئے ہیں تاکہ کوئی صاحبِ ذوق اصل کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اسے سہولت ہو۔ الغرض ہر اعتبار سے یہ مکمل ترین ترجمہ ہے جو سامنے آیا ہے ــــ افسوس کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس رمضان میں اللہ کو پیارے ہو گئے مشیتِ الٰہی کے سامنے مجال دم زدن نہیں مزید جیتے تو مجددی علوم و معارف کا مزید ذخیرہ اسی طرح سامنے آتا بہر حال اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے ایمان کے خادم خصوصی حاجی محمد اعلیٰ صاحب ناظم ادارہ مجددیہ کو توفیق دے کہ وہ آپ کی تصنیفات و تراجم برابر شائع کرتے رہیں علوم و معارف کے اس قیمتی ذخیرہ کو فوری حاصل کرنے کی ہم سفارش کریں گے تاکہ اربابِ ادارہ کی حوصلہ افزائی ہو اور یہ سلسلہ خیر جاری رہے۔"

(۲۱/۹) اردو ترجمہ مبدأ و معاد یہ رسالہ ۳۰×۲۰/۱۶ سائز کے ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ متعدد بار مختلف مطابع سے شائع ہو چکا ہے اور اس کا ترجمہ بھی علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے لیکن اب وہ تمام نسخے نایاب ہو چکے ہیں بعد ازاں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ترجمہ کر کے ۱۳۸۸ھ میں شائع کرایا۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ جن خوبیوں کا حامل ہے وہ خوبیاں ماقبل کے نسخوں میں نہیں پائی جاتیں ــــ دراصل یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جن کو حضرت ممدوحؒ نے خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ۱۰۰۸ھ میں حاضر ہو کر طریقۂ نقشبندیہ کے حصول اور تقریباً دس سال بعد تک کے بعض کشف و حقائق کے وصول کے اظہار میں وقتاً فوقتاً تحریر یا بیان فرمائے تھے۔ اس کے بعد حضرت ممدوح کے خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق کشمی رحمۃ اللہ علیہ متخلص بہ ہدایتہ نے ان مضامین کو ۱۰۱۹ھ میں مرتب فرمایا اور ان کو منہا کا عنوان دیکر ایک دوسرے سے ممتاز کیا جن کی مجموعی تعداد اکثر نسخوں کے مطابق اکسٹھ [۶۱] ہوتی ہے۔ کتاب کے شروع میں "مبدأ و معاد" کا اصل فارسی متن درج کیا ہے جس کی پانچ قلمی و مطبوعہ نسخوں سے تصحیح کی گئی ہے اور جس نسخے کا جو لفظ صحیح معلوم ہوا اس کو اصل عبارت میں درج کر دیا اور اختلافی الفاظ کو مع حوالہ حاشیہ پر ظاہر کر دیا ہے اس کے علاوہ اس میں کسی حشو و زوائد کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد اس کا مسلسل اردو ترجمہ ہے اور

مطابقت کے لئے اُردو ترجمہ کے حاشیہ پر فارسی متن کے صفحات دیدیئے ہیں تاکہ اگر کوئی صاحب اصل عبارت دیکھنا چاہیں تو فوراً صفحہ نکال کر دیکھ لیں۔ مزید وضاحت کے لئے ترجمہ میں "نہا" کے تحت ذیلی عنوانات دیدیئے ہیں، اشعار کا ترجمہ اشعار ہی میں کردیا ہے اور اشاریہ بھی تیار کر کے کتاب میں شامل کردیا ہے، ان تمام خوبیوں کو پیش نظر رکھ کر قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے کسقدر محنت و کاوش کی ہوگی۔ ترجمہ نہایت سلیس و شگفتہ ہے اور بعض مفید حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

(۲۲/ب) اردو ترجمہ معارف لدنیہ یہ رسالہ $\frac{30\times20}{16}$ سائز کے ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس رسالہ کو مختلف مطابع شائع کر چکے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے یہ سب عرصہ سے نایاب ہیں۔ بعد ازاں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کر کے ۱۳۸۸ھ میں اس کو شائع کرایا ___ یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ابتدائی اور متوسط دور کی تالیف کا معلوم ہوتا ہے جو اکتالیس[۴۱] متفرق مضامین پر مشتمل ہے جن کو حضرت ممدوحؒ نے "معرفت" کا عنوان دیکر ایک دوسرے سے ممتاز کیا ہے اور ان میں معرفت کے وہ اسرار و رموز بیان فرماتے ہیں کہ جن کے حقائق کو حضرت مجددؒ جیسے بزرگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ رسالہ کے ابتدائی حصہ میں اصل فارسی متن ہے جس کی چار قلمی و مطبوعہ نسخوں سے تصحیح کی گئی ہے اور جس نسخے کا جو لفظ صحیح معلوم ہوا اس کو اصل عبارت میں درج کردیا ہے اور اختلافی الفاظ کو حاشیہ پر مع حوالہ درج کردیا ہے اس کے علاوہ کسی حشو و زوائد کا اضافہ نہیں کیا۔ بعد ازاں اس کا مسلسل اردو ترجمہ ہے اور مطابقت کے لئے اردو ترجمہ کے حاشیہ پر فارسی متن کے صفحات دیدیئے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اصل عبارت بھی ملاحظہ فرما سکیں، مزید وضاحت کے لئے ترجمہ میں "معرفت" کے تحت ذیلی عنوان دیدیئے ہیں، اشعار کا ترجمہ بھی اشعار ہی میں کردیا ہے اور بعض مفید حواشی بھی دیدیئے گئے ہیں نیز اشاریہ بھی تیار کر کے شامل کردیا ہے۔ ان تمام خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کرام اندازہ کرسکتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ ترجمہ کرنے میں کسقدر عرقریزی اور محنت سے کام لیا ہوگا۔

(۲۳) اردو ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا نور المشائخ کابلی علیہ الرحمہ کے ایک مخلص مرید مولانا نصر اللہ قندھاریؒ جنھوں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات کی مختصر سی شرح لکھی ہے اپنے مخدوم زادہ حضرت مولانا محمد ابراہیم جان مجددی کابلی علیہ الرحمہ کے حکم پر اُس شرح کو طبع کرانے کی غرض سے کراچی تشریف لائے اور پاکولا فیکٹری میں قیام کیا ___ مولانا نصر اللہ قندھاریؒ کو مکتوبات شریفہ پر بڑا عبور حاصل تھا، اس کی بکثرت عبارتیں حفظ تھیں، اس بنا پر آن کو "حافظ مکتوبات" کہنا بیجا نہ ہوگا۔

انھوں نے کراچی پہنچکر اپنی شرح کی کتابت کے لئے کاتب کی جستجو کی۔ پھر جس طرح بھی ہوا بہر حال قرعۂ فال اس عاجز کے نام نکلا اور اس کی کتابت کا شرف اس عاجز کو حاصل ہوا۔ فالحمد للہ۔ اس شرح کو پاکولا فیکٹری والوں نے بڑے اہتمام سے آفسٹ پیپر پر شائع کیا تھا ممکن ہے کہ ان کے ہاں اب بھی ہو۔

کتابت کے سلسلہ میں مولانا نصر اللہ قندھاری شام کو روزانہ ہی اس عاجز کے ہاں تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی تشریف فرما ہوتے اور مجلس خوب گرم رہتی۔ ان دونوں بزرگوں کی گفتگو کا موضوع عام طور پر مکتوبات شریفہ کے دقائق و حقائق اور مصطلحات نقشبندیہ ہوتا تھا اور یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ اس بحث و تمحیص اور تبادلۂ خیالات کے نتیجہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ذوق و شوق کو خوب ابھارا اور "سونے پر سہاگہ" کا کام کیا۔ چنانچہ آپ نے شرح کی رعایت رکھتے ہوئے مکتوبات شریفہ کا ترجمہ شروع کر دیا اور تقریباً اسّی مکتوبات کا ترجمہ بھی کر لیا۔ لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور ترجمہ نامکمل رہ گیا۔ اب دیکھئے کہ یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے۔

مولانا نصر اللہ قندھاریؒ نے مکتوبات شریفہ کے امرتسری نسخہ میں بھی چند غلطیوں کی نشاندہی فرمائی چنانچہ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے جب ۱۹۸۱ء میں دوبارہ مکتوبات شریفہ کو شائع کیا تو ان میں سے جو واضح غلطیاں تھیں ان کی اصلاح کر دی باقی کو نسخہ کے طور پر حاشیہ میں لکھ دیا۔

(۲۴) حضرت شاہ صاحبؒ کی ریڈیائی تقاریر

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت عام ہوئی تو پاکستان ریڈیو نے بھی آپ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور آپ سے دینی و اصلاحی تقاریر کی درخواست کی۔ آپ نے بھی اس سلسلہ کو تبلیغ کا ایک ذریعہ خیال فرما کر قبول کر لیا۔ چنانچہ آپ کو عنوانات دیدیئے جاتے اور آپ اس کے تحت مضامین لکھ کر بھیج دیتے اور وہاں کوئی صاحب اس کو ریڈیو پر پڑھ دیتے۔ اس طرح مضمون آپ کا ہوتا اور آواز دوسروں کی۔ یہ بھی ایک طویل سلسلہ ہے، غالباً درمیانی سائز کے تقریباً چار سو صفحات کا ذخیرہ ہے جو علم و حکمت، نصیحت و موعظت کا بہترین خزینہ ہے۔ انشاء اللہ جلد ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

خلفائے عظام

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے چھ[6] حضرات کو خلافت واجازت عطا فرمائی، ان میں سے دو[2] رحلت فرما چکے ہیں، چار[4] ماشاءاللہ حیات ہیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ان کے ذریعہ اس سلسلۂ عالیہ کو مزید فروغ عطا فرمائے آمین۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) حضرت صوفی محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (۲) محترم ڈاکٹر ظہور احمد صاحب مدظلہ العالی۔
(۳) محترم حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی۔ (۴) حضرت ماسٹر عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۵) محترم حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب کاندھلی مدظلہ العالی۔ (۶) محترم حضرت سید محمد مختار صاحب مدظلہ العالی۔

اب ہم ان بزرگ حضرات کا مختصر تذکرہ پیش کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت صوفی محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ

آپ قصبہ رہتک ضلع کرنال (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ریکارڈ کے مطابق آپ کی ولادت ۲۴ جنوری ۱۹۱۷ء ہے۔ چونکہ اس زمانے میں انگریزی تعلیم کا رواج کم تھا اس لئے خاندان میں مذہبی اثرات کافی گہرے تھے۔ بزرگوں اور اعزہ میں حافظ، حاجی اور مولوی حضرات کافی تعداد میں تھے لیکن آپ کے والد ماجد چونکہ ریلوے میں ٹھیکداری کرتے تھے اور اکثر سفر میں رہتے تھے، دنیا دیکھنے کی وجہ سے وہ انگریزی تعلیم کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مذہبی تعلیم تو بچپن میں گھروں میں ہو ہی جاتی ہے لیکن روزی حاصل کرنے کے لئے انگریزی تعلیم ضرور ہونی چاہئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے سب بچوں کو انگریزی تعلیم بھی دلوائی۔ حضرت صوفی محمد احمد صاحب نے ۱۹۳۴ء میں رہتک سے میٹرک پاس کیا۔ اسی زمانے میں رہتک میں انٹر کالج بھی کھل گیا تھا چنانچہ انٹر میں بھی داخل کرا دیا گیا اور ایف اے پاس کرنے کے بعد آپ کو بی اے کے لئے علیگڈھ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ گھر سے باہر جا کر تعلیم حاصل کرنے میں مختلف قسم کی دشواریاں پیش آئیں لیکن آپ کے والد ماجد نے ان سب کو برداشت کیا چنانچہ آپ نے ۱۹۳۸ء میں علیگڈھ سے کامیابی کے ساتھ بی اے پاس کیا۔

طالب علمی کے زمانے میں خاندان اور شہر میں مذہبی ماحول تو تھا ہی، اس لئے بزرگان دین بھی وقتاً فوقتاً شہر کی مساجد میں تشریف لا کر کئی کئی دن قیام فرمایا کرتے تھے اور وعظ و نصیحت کی محفلیں گرم رہتی تھیں ان حالات میں حضرت صوفی صاحبؒ کا مذہب سے لگاؤ ہونا قدرتی امر تھا۔

قدم رکھتا ہے تو میں فوراً بھانپ لیتا ہوں کہ یہ استاد بننے کے قابل ہے یا نہیں (حیات سعیدیہ ۱۹۴)
غرضیکہ حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ بی اے پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ اسٹیٹ بنک آف انڈیا دہلی میں ملازم رہے لیکن حضرت شیخ کی دعا حق تعالیٰ کے ہاں قبول ہو چکی تھی اس لئے وہاں سے ملازمت چھوڑ کر پالی ٹیکنک میں آپ کا تقرر ہو گیا۔ تقسیم ہند کے بعد آپ بھی دہلی کو خیر باد کہہ کر کراچی تشریف لے آئے۔ شروع میں پولی ٹیکنک اسکول جیکب لائن میں رہے بعد میں گورنمنٹ سیکنڈری ہائی اسکول میں ماسٹر ہو گئے۔ دوران ملازمت ہی ایم اے اور بی ٹی پاس کیا۔ کچھ عرصہ اسسٹنٹ ماسٹر رہے لیکن ریٹائرڈ ہونے سے کچھ عرصہ قبل ہیڈ ماسٹری مل گئی اور ۲۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو ریٹائرڈ ہو گئے۔ ابتداء میں مارٹن کوارٹر میں قیام فرمایا پھر پی سی ایچ سوسائٹی میں اپنا مکان بنا کر رہنے لگے اور بقیہ زندگی اسی میں گذاری۔

آمدم برسر مطلب یہ کہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ سال میں دو مرتبہ دہلی، رہتک، پانی پت اور کرنال وغیرہ کے تبلیغی دورے پر تشریف لایا کرتے تھے تو اکثر حضرت شاہ صاحب اور حضرت صوفی صاحبؒ بھی سفر میں ساتھ رہتے تھے۔ اس طرح آپ کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے ایک گونہ تعلق ہو گیا تھا پھر جب صوفی صاحبؒ کو دہلی میں ملازمت مل گئی اور گلی شاہ تارا کوچہ پنڈت میں رہنے لگے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی کوچہ پنڈت گلی بیاریاں میں رہائش اختیار کر لی تو اب ظاہری قرب بھی حاصل ہو گیا اور اکثر آمدورفت کا سلسلہ رہنے لگا۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے ۱۹۴۲ء میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صوفی صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ محمد سعید قریشیؒ مجھے چھ سبق دے چکے تھے ایک سبق حاجی محمد شفیع صاحبؒ نے دیا۔ پھر میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو حضرت قریشی صاحبؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے چکا ہو میں اسے بیعت نہیں کر سکتا۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا اچھا استخارہ کر لیں۔ میں نے استخارہ کیا تو دیکھا کہ حضرت قریشی صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ میں نے چار خلفا چھوڑے ہیں: صوفی علی نواز صاحبؒ، حاجی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا محمد سعید گوہانویؒ صاحب اور شاہ زوار حسین صاحبؒ۔ الحمد للہ ان چاروں کے حالات اچھے ہیں لیکن اگر تمہیں کسی وقت کوئی علمی اشکال پیش آئے تو ان میں سے صرف سید زوار حسین شاہ صاحبؒ ایسے ہیں جو تشفی کر سکتے ہیں لہٰذا ان سے بیعت ہو جاؤ۔ حاجی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی میرے لئے کچھ ایسا ہی دیکھا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے رات کو چار بجے مجھے بلایا اور بیعت کیا۔ پھر باقی اسباق حضرت شاہ صاحبؒ نے طے کرائے اور ولایت علیا کے سبق میں تھا کہ اجازت سے سرفراز فرمایا اور باقی نقشبندیہ سلوک طے کراتے رہے پھر سلسلہ قادریہ طے کرایا۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوری علیہ الرحمہ کی رحلت کے بعد اُن کے خلفا حضرات نے ایک سالانہ اجتماع مسکین پور میں مقرر کیا تاکہ اس موقع پر سب حضرات کی موجودگی میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو مزید فروغ دینے کے لئے تبادلۂ خیالات اور مشورے ہو سکیں اور وعظ و نصیحت اور ایصالِ ثواب کی مجالس بھی ہوتی رہیں۔ یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کا سالانہ اجتماع اپنی حیات ہی میں مولانا محمد سعید گوہانوی کی قیام گاہ پر گوہانہ میں مقرر فرمایا تھا۔ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کی رحلت کے بعد وہ سالانہ اجتماع پانی پت میں ہونے لگا۔ پھر مولانا گوہانوی نے اس اجتماع کو اپنے ہاں گوہانہ میں مقرر کیا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی دو تین سال تک یہ سالانہ اجتماع حضرت مولانا گوہانوی اپنی قیام گاہ مظفر گڈھ ضلع ملتان میں کرتے رہے۔ بعد میں حضرت مولانا گوہانوی نے کسی وجہ سے خود کو اس ذمہ داری سے سبکدوشی کا اظہار فرمایا تو حضرت خواجہ محمد سعید قریشی علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ کلاں حضرت مولانا محمد صادق صاحب مدظلہ العالی نے اس سالانہ اجتماع کو اپنے ذمہ لے لیا اور ماشاء اللہ بڑی خوش اسلوبی اور حسنِ انتظام کے ساتھ مسکین پور کے جلسہ کے فوراً بعد دوسرے دن احمد پور شرقیہ میں یہ جلسہ منعقد فرماتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آں موصوف کا سایہ ہمارے سروں پر دائم و قائم رکھے اور اس اجتماع کی برکات سے حضرت صاحب موصوف کو خوب خوب نوازے آمین۔

جس زمانے میں حضرت مولانا گوہانوی مظفر گڈھ میں یہ جلسہ منعقد کیا کرتے تھے تو غالباً سنہ ۱۹۵۰ء کے اسی اجتماع میں حضرت مولانا محمد صادق احمد پوری مدظلہ العالی اور مولانا گوہانوی مرحوم کے اصرار پر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت صوفی محمد احمد صاحب مرحوم اور محترم ڈاکٹر ظہور احمد صاحب کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ ابتدا ہی سے بڑے ذاکر و شاغل تھے خلافت ملتے ہی ان کے ذوق کو ایک اور تازیانہ لگا اور انھوں نے اپنی ساری ہمت و قوت سلسلۂ عالیہ کی ترویج و اشاعت پر صرف کی اور آپ کی کوششوں کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے شرفِ قبول بخشا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بہت بڑی جماعت بن گئی۔ بیعت کرتے وقت حضرت صوفی صاحبؒ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں بس حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے بیعت کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی آپ پر بہت مہربان تھے۔ پاکستان آنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ جب بھی خیر پور ٹامیوالی سے کراچی تشریف لاتے تو آپ ہی کے ہاں قیام فرماتے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی پوری جماعت خواہ خلیفہ ہو یا مرید، بڑا ہو یا چھوٹا سب نے حضرت صوفی صاحبؒ سے فیض حاصل کیا اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری جماعت آپ کے لئے دعا گو ہے حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور آپ کی قبر کو اپنے انوار سے منور رکھے۔ آمین۔

حضرت صوفی صاحبؒ بڑے صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ پاکستان بننے کے بعد سے آپ کی رحلت تک آپ کے مکان پر ہمیشہ ہفتہ میں دو دن جمعہ اور اتوار کو حلقہ ومراقبہ کی مجلس گرم رہتی تھی اور طالبانِ سلوک آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ مستقل طور پر کراچی تشریف لے آئے تو حضرت شاہ صاحب دونوں دن حضرت صوفی صاحبؒ کے ہاں تشریف لے جاتے اور حلقہ ومراقبہ کراتے تھے البتہ حضرت شاہ صاحبؒ کہیں سفر پر تشریف لے جاتے تو حضرت صوفی صاحبؒ میر مجلس ہوتے لیکن افسوس کہ آپ لاولد ہی دنیا سے تشریف لے گئے اور کسی کو خلافت بھی نہ دے سکے۔

حضرت صوفی صاحبؒ بہت خوبصورت شکیل وجمیل، ورزشی بدن، بڑے ہنس مکھ، خوش مزاج، خوش لباس اور خوش خوراک بزرگ تھے۔ میٹھی چیزیں اور مرغن غذائیں بہت مرغوب تھیں، کثرت عبادت و ریاضت کی وجہ سے ورزش چھوٹ گئی تھی جس کی وجہ سے ہاضمہ پر برا اثر پڑا اور شکر کی بیماری ہوگئی۔ مرض نے شدت اختیار کی تو بینائی سے ہاتھ دھونا پڑا اور پاؤں سن ہوگئے۔ آخر میں یہ حال ہوگیا تھا کہ ایک شب چوہے نے پاؤں میں کاٹ لیا اور خون بہنے لگا، کپڑے خون سے تر ہوگئے لیکن آپ کو احساس تک نہ ہوا۔ رحلت سے قبل کافی ضعف ہوگیا تھا۔ اخیر میں دو دن تک یہ حالت رہی کہ ہوش وحواس بجا نہ رہے تھے، اس حالت میں بھی اکثر فرماتے رہتے تھے کہ مجھے وضو کراؤ میں نماز پڑھوں گا اور لیٹے بیٹھے اللہ اکبر کہہ کر نماز کے لئے ہاتھ باندھ لیتے حتیٰ کہ وہ وقت آگیا جو سب کو پیش آنا ہے یعنی آپ کی رحلت اتوار اور پیر کی درمیانی شب ۲ و ۳ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۳ و ۱۴ جولائی ۱۹۷۵ء کو ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پیر کے دن بعد نماز ظہر سوسائٹی کی مسجد الفلاح میں حضرت مولانا محمد صادق صاحب احمد پوری مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور سوسائٹی کے قبرستان میں ایک سائبان کے نیچے سپرد خاک کیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اب ہم حضرت صوفی صاحبؒ سے متعلق محترم ڈاکٹر مظہر بقا صاحب ظلہ کی بیاض سے چند واقعات پیش کرتے ہیں:۔

کشفِ قبور کا ایک واقعہ

۱/۱ ء حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ دہلی میں ترکمان دروازہ کے پاس شمس الدین ترکؒ کا مزار ہے۔ میں وہاں جاکر مراقب ہوتا تھا لیکن کچھ نظر نہ آتا تھا۔ کئی روز بعد یہ نظر آیا کہ حضرت نے مجھے ایک پیلی سی کتاب دی جس پر لکھا تھا "شمس الدین ترک بیابانی" میں نے لیکر اپنے پاس رکھ لی۔ مراقبہ سے فارغ ہوا اور گھر آیا تو دیکھا کہ میرے شاگرد فرحت اللہ خاں صاحب دو کتابیں لئے گھر پر موجود ہیں ایک مسائل کی کتاب تھی اور دوسری وہی کتاب جو حضرتؒ نے مجھے مراقبہ میں دی تھی۔

حضرت صوفی صاحبؒ کی کیفیات اور حضرت شاہ صاحبؒ کا اخفائے حال

حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں رمضان المبارک میں عصر کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دین محمد خاں صاحب کے مکان واقع کوچہ پنڈت دہلی میں گیا۔ کوئلوں کی انگیٹھی پر سالن پک رہا تھا حضرت شاہ صاحبؒ کتابت میں مصروف تھے اور پتیلی میں چمچہ بھی چلاتے جا رہے تھے۔ بھائی ذوالفقار اور بھائی مختار خاموش بیٹھے تھے۔ چونکہ دین محمد صاحب کے مکان میں آنے جانے والوں کی بے پردگی ہوتی تھی اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ ہمیشہ دروازہ بند رکھتے تھے حتیٰ کہ گرمیوں میں بھی دروازہ بند رہتا تھا اور انگیٹھی سلگتی رہتی تھی۔ میں پہنچا تو دروازہ کھلا، میں اندر گیا اور سلام کیا۔ حضرتؒ نے سلام کا جواب تو دیا لیکن اپنی عادت کے مطابق میری اور گھر والوں کی خیریت نہ دریافت کی، بلکہ کتابت میں مصروف رہے۔ مجھے اس کا بڑا احساس ہوا اور میں نے مراقبہ کے لئے گردن جھکالی۔ فوراً کیفیت طاری ہوئی اور واقعہ میں دیکھا کہ پورا کمرہ فیض سے معمور ہے اور بکثرت فیوض نازل ہو رہے ہیں۔ میں نے گھبرا کر آنکھ کھولی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے پوچھا کہ صوفی صاحب خیریت ہے گھر والے تو اچھے ہیں۔ اُن کا یہ پوچھنا تھا کہ میری زبان بند ہوگئی اور میں اس طرح کرنے لگا جیسے گونگے کرتے ہیں۔ مختار اور ذوالفقار ڈر کر بھاگے شاہ صاحبؒ نے ڈانٹ کر اندر بلایا اور کہا ڈرتے کیوں ہو۔ صوفی صاحب کو پکڑ کر مسجد میں لے جاؤ۔ وہاں پہنچ کر وہ کیفیت کم ہوگئی اور میں نے روزہ افطار کیا، نماز پڑھی، نماز کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے پوچھا کہ صوفی صاحب آپ گھر چلے جائیں گے یا کوئی چھوڑ آئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد کی ملاقات میں میں نے کمرے کی کیفیات عرض کیں تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارا کام تو چھپانا ہے اب اگر اللہ تعالیٰ ظاہر کردے تو ہم کیا کریں۔

جس مکان کا واقعہ مذکور ہوا صوفی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس میں کھٹمل بہت تھے مجھے کاٹ کاٹ کر سجادیتے تھے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ خاموشی سے کتابت میں مصروف رہتے۔ میں نے حضرت سے اس کا ذکر کیا کہ آپ کس طرح برداشت کرلیتے ہیں؟ فرمایا یہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور ہم اپنا کام۔

کشفِ قبور غیر اختیاری ہے

ایک مرتبہ حضرت صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ کبھی کسی قبر پر بیٹھتا ہوں تو دو تین منٹ ہی گذرتے ہیں کہ صاحبِ قبر اور دیگر اصحابِ قبور سے ملاقات ہوجاتی ہے اور اس طرح باتیں ہوتی ہیں جیسے زندوں سے ہوتی ہیں اور کبھی گھنٹوں گذر جاتے ہیں صاحبِ قبر کی زیارت تک نہیں ہوتی۔

نیز فرمایا کہ حلال غذا نہ ملنے کی وجہ سے اس زمانے میں کشف بہت کم ہوگیا ہے۔

جمالیاتی ذوق کی اصلاح

۵ ستمبر ۱۹۷۱ء شعبان کی پندرہویں شب کے اجتماع میں جو صوفی صاحبؒ کے مکان پر ہوا اس میں حضرت صوفی صاحبؒ نے فرمایا میں اور حاجی محمد شفیع صاحبؒ ایک مرتبہ تین ہٹی کی مسجد میں جو مزار ہے وہاں مراقب ہوئے۔ صاحبِ مزار نے حاجی صاحبؒ سے فرمایا کہ تمہارے ساتھی میں جمالیاتی ذوق بہت ہے اور یہ خراب بھی کر سکتا ہے ان سے کہو کہ اس کی طرف توجہ کریں۔ حاجی محمد شفیع صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی توجہ فرمائیں تو صاحبِ مزار نے میری پیشانی سے چھپکلی جیسی چیز نکال کر زمین میں دفن کر دی مراقبہ کے بعد حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ لطیفۂ نفس کا سبق زیادہ کیا کریں۔

نیز اسی مجلس میں فرمایا کہ مراقبہ کے دوران جو زور سے اللہ کا نعرہ لگایا جاتا ہے اس کا یہ مقصد ہے کہ اگر خیالات بھٹکے ہوں تو آدمی چونک کر پھر سبق کی طرف متوجہ ہو جائے۔

جنّات کا محل

حضرت صوفی صاحبؒ فرماتے تھے کہ مارٹن کوارٹرز میں رہائش کے دوران ایک مرتبہ رات کو بارہ بجے کے قریب رکشہ آ کر رکا اور کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نکلا تو مجھ سے کہا کہ کوئی حاملہ دردِ زہ میں مبتلا ہے آپ ذرا چل کر دم کر دیجئے۔ میں ساتھ ہو لیا۔ رکشہ نے دو چار مرتبہ گھُر گھُر کیا اور ذرا سا چکر لگا کر ٹھہر گیا۔ میں نے دیکھا کہ میں منگھو پیر میں تھا کیونکہ میں اس علاقہ کو پہچانتا تھا۔ پھر زمین میں سے ایک دروازہ نمودار ہوا جس کے اندر عالی شان محل تھا۔ میں نے مریضہ پر دم کیا اور واپس رکشہ پر آیا۔ رکشہ نے پھر تھوڑا سا چکر لگایا اور گھر آ گیا۔

طےِ ارض اور رجالِ غیب

ایک مرتبہ حضرت صوفی صاحبؒ نے مجھ سے تنہائی میں فرمایا (یہ واقعہ خود صوفی صاحبؒ کا ہے اگرچہ موصوف نے اس طرح پر فرمایا کہ گویا کسی اور کا واقعہ ہے اس لئے انہی کی طرف منسوب کر کے لکھا جاتا ہے) میں اپنے مکان کے کمرہ (واقع ہاؤسنگ سوسائٹی) میں تھا، دروازے بند تھے، دیکھا کہ دفعتاً چار آدمی (رجالِ غیب) اندر موجود ہیں، حیرت ہوئی کہ یہ اندر کیسے آئے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اس میٹنگ میں شریک نہیں ہوئے جو منگھو پیر میں ہو رہی ہے، چلئے۔ میں نے کہا کیسے چلوں۔ ان میں سے ایک نے اپنی ہتھیلی زمین پر پھیلا دی اور کہا کہ اس پر پیر رکھئے۔ میں نے پیر رکھا تو دفعتاً منگھو پیر میں موجود تھا۔ اسی طرح ایک مرتبہ سوات جانا ہوا — میں نے عرض کیا کہ کیا یہ واقعات جسم کے ساتھ پیش آئے؟ فرمایا کہ ہاں جسم کے ساتھ۔

صوفی صاحبؒ کے مکان میں جنات کا اثر

ایک مرتبہ جب حضرت صوفی صاحبؒ کراچی سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے اور مکان کی حفاظت کے لئے قاری ضیاء الدین صاحب حضرت صوفی صاحبؒ کے کمرے میں سو رہے تھے تو ایک رات جنات نے قاری صاحب کو بستر میں لپیٹ کر یہ کہتے ہوئے باہر ڈال دیا تھا کہ یہ صوفی صاحبؒ کا کمرہ ہے یہاں کوئی نہیں سو سکتا اور قاری صاحب رات بھر سردی میں باہر پڑے رہے۔

اسی طرح حضرت صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنی بھتیجی (ذوالفقار صاحب کی بچی) کو اپنے کمرے میں بھیجا کہ میری تسبیح لے آ۔ وہ سہمی ہوئی واپس آئی اور کہا کہ آپ کی تسبیح تو وہاں کوئی بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہے۔ میں اپنے کمرے میں گیا تو تسبیح رکھی ہوئی تھی اور کوئی نہیں تھا۔

ایک واقعہ محترم جناب محمد مختار صاحب کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں :-

ایک دفعہ یہ عاجز دہلی میں حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کے ہمراہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہو گئے۔ مراقبہ ختم کرنے کے بعد صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی روح کو مزار شریف کے اندر داخل کرنے کی کوشش کی مگر خواجہ صاحبؒ نے گیند کی طرح باہر پھینک دیا دوبارہ کوشش کی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا سلام عرض کیا تو خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحبؒ دہلی میں رہتے ہیں اور یہاں تشریف نہیں لاتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص جو آپ کے ساتھ ہے شاہ صاحبؒ کا بھتیجا ہے بس اس کا کام ایسے ہی ہو جائے گا۔

(۲) محترم ڈاکٹر ظہور احمد صاحب مدظلہ العالی آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے بچپن کے ساتھی اور ساتھ کھیلنے والوں میں سے ہیں جیسا کہ خود آپ کے مضمون (جو صفحہ ۲۷۲ تا صفحہ ۲۷۵) میں درج ہے۔ آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹری کا معزز پیشہ اختیار کیا اور مختلف مقامات پر ہسپتال کے انچارج رہے۔ فزیشن اور سرجن دونوں شعبوں میں کامیابی اور شہرت حاصل کی۔ خاص طور پر آنکھوں کے آپریشن میں ماہر ہیں۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد اب کوٹ مومن ضلع سرگودھا میں اپنا ذاتی کلینک کھولا ہوا ہے۔

ابتدا میں آپ کے حالات و کیفیات بہت بلند تھے بعد میں نہ جانے مریضوں کے ہجوم کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ نے سلسلہ عالیہ کے مشاغل میں کمی کر دی۔ اگرچہ آپ کے مضمون سے حضرت شاہ صاحبؒ کی عقیدت اور سلسلۂ عالیہ سے دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ بہرحال ہم تو حضرت شاہ صاحبؒ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کا احترام ہی کرتے رہیں گے اور آپ سے دعا کے طالب رہیں گے اور آپ کے حق میں بھی دعا گو ہیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو دین اور دنیا کی فلاح و بہبود عطا فرمائے اور صالحین کے زمرے میں داخل فرمائے۔ آمین

(۳) محترم حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں

موصوف نے اپنے مضمون میں (جو پیشِ نظر سوانح میں ص۲۱۷ تا ص۲۲۵ موجود ہے) اپنے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے جیسا کہ بزرگوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے عام حالات ہی کو تحریر کرنے پر اکتفا کیا کرتے ہیں اور خصوصی حالات کو ہوا بھی لگنے نہیں دیتے۔ اسی طرح آپ نے بھی صرف وہ حالات درج فرمائے ہیں جن کے پڑھنے سے ذوق و شوق میں اضافہ ہو۔ یہ عاجز بھی آپ کی تصنیفِ لطیف "تاریخِ اسلاف" سے مختصر طور پر کچھ حالات و واقعات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء کو جبل پور میں ہوئی۔ بچپن میں آپ کو بخار کی اکثر شکایت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ سے فرمایا "قرآن پاک پڑھو، انشاء اللہ اس کی برکت سے اچھے ہو جاؤ گے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور اس کی برکت سے چند روز میں آپ بالکل صحتیاب ہو گئے اور بچپن ہی میں باقاعدہ نماز پڑھنے کی وجہ سے لوگ آپ کو "ملاں جی" کہہ کر پکارنے لگے تھے۔ ۱۹۲۳ء میں پانچویں اردو کلاس کے امتحان میں شہر جبل پور میں اول نمبر پر پاس ہوئے۔ اور ۱۹۲۸ء میں نویں جماعت پاس کرنے کے بعد علیگڈھ بھیج دیا گیا وہاں جاتے ہی آپ کو نماز کا مانیٹر بنا دیا گیا۔ وہاں آٹھ سال قیام رہا اور ایم اے فارسی، ایم اے اردو، اور ایل ایل بی وغیرہ سے ۱۹۳۶ء میں فراغت حاصل کی۔ اسی دوران حضرت قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادیؒ سے عربی پڑھی اور قرات و تجوید میں روایتِ حفصؒ کی سند حاصل کی۔ جبل پور واپس پہنچنے پر اپنے ماموں صاحب کی صاحبزادی سے ۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو آپ کی شادی ہو گئی۔ اور جولائی ۱۹۳۷ء کو کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں آپ کا تقرر ہو گیا۔ پھر تقریباً دو سال بعد ناگپور یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو بنا دیا گیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی مل گئی۔ اور جنوری ۱۹۴۸ء میں مستقل طور پر کراچی تشریف لے آئے۔ سیر و سیاحت کے شوق کی وجہ سے بہت سے شہروں میں جانا ہوا، بکثرت بزرگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور بڑی بڑی لائبریریوں میں نوادرات کے مطالعہ کا آپ کو موقع ملا۔

کراچی میں حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ سے آپ کی ملاقات اور ان کے ذریعہ حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات اور بیعت ہونے کا تذکرہ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مضمون میں مجملاً کر دیا ہے لیکن آپ کے حج اور زیارتِ حرمین شریفین کے حالات و واقعات اور مکاشفات، نیز آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بکثرت انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کی زیارتوں سے مشرف ہونا اور عجیب و غریب واقعات کا ظاہر ہونا اگر ملاحظہ کرنا ہو تو آپ کی تصنیف "تاریخِ اسلاف" ملاحظہ فرمائیں۔

جس میں قابلِ رشک واقعات درج ہیں۔

آپ کئی سال تک مسلسل حج وزیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے مشرف ہوتے رہے اور بکثرت عمرے بھی کئے لیکن اب کئی سال سے صحت کی خرابی اور ضعف کی وجہ سے تقریباً گوشہ نشین ہو گئے ہو گئے ہیں۔ البتہ بعض اہم کاموں کے لئے کبھی کبھی ایک دو دن کے لئے کراچی تشریف لے آتے ہیں ورنہ مستقل طور پر حیدرآباد میں قیام پذیر ہیں اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تبلیغ میں مشغول ہیں۔ ہفتہ میں دو مرتبہ جمعہ اور پیر کو حلقہ ومراقبہ کی مجلس گرم ہوتی ہے اور دور دور سے لوگ آکر فیض حاصل کرتے ہیں۔

آپ بڑے صاحبِ کشف وکرامات بزرگ ہیں۔ صاحبِ قلم اور صاحبِ ارشاد بھی ہیں جس طرح آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر ہے اسی طرح آپ کے مریدوں اور معتقدوں کی تعداد بھی بہت کثیر ہے مخلوق کا اسقدر رجوع ہے کہ رات دن آپ کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے خلفا میں سب سے زیادہ فیض آپ ہی سے جاری وساری ہے۔ اللھم زد فزد۔ یہ عاجز بے علم وعمل آپ کے کیا لکھ سکتا ہے آپ بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بکثرت نادر مخطوطات بھی شائع فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے والہانہ عقیدت ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات کا امرتسری نسخہ جو جلی قلم اور فل اسکیپ سائز پر قابلِ دید مطبوعہ ہے آپ نے اس کو اسی سائز پر یکے بعد دیگرے دو مرتبہ فوٹو آفسٹ کے ذریعہ عمدہ کاغذ پر شائع فرمایا ہے جو آپ کا خاص قابلِ ذکر اور گراں قدر کارنامہ ہے۔ اسی کے متعلق حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب میرٹھی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے ایک مکتوب میں عاجز کو تحریر فرمایا تھا:

> "عزیزم افسوس ہے کہ صوفیاء کرام کا وجود دن بدن فنا ہو رہا ہے اور علم تصوف روز بروز ابھر رہا ہے ...... حضرت مجددؒ کی کتابوں میں سب سے اہم مکتوبات شریفہ ہیں جو شریعت وطریقت کا خلاصہ ہیں اگر آپ کی توجہ کچھ اس کی جانب مقدم ہو جائے تو بڑا کام ہے ان میں سب متفرقات کا خلاصہ باحسن وجہ موجود ہے اور بحمدہ تعالیٰ سب نور ہی نور ہے۔"

حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ کی یہ آرزو ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب موصوف مدظلہ العالی کے ہاتھوں حق سبحانہ وتعالیٰ نے پوری فرمائی۔

اس کے بعد آپ نے مکتوباتِ معصومیہ یعنی حضرت مجدد صاحبؒ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے فارسی مکتوبات کے تینوں دفتروں کو یکجا شائع کیا۔ اگرچہ تینوں دفتر پہلے شائع ہو چکے تھے یعنی پہلا دفتر مطبع نظامی کانپور سے ۱۳۰۲ھ میں، دوسرا دفتر ظہور پریس لدھیانہ سے ۱۳۲۲ھ

ہیں اور تیسرا دفتر امرتسر سے ۱۳۴۰ھ میں شائع ہو چکے تھے وہ بھی عرصہ سے نایاب تھے لہٰذا اس نایابی کے زمانے میں تینوں دفتروں کو یکجا شائع کرنا آپ کا گراں قدر کارنامہ ہے ـــــ نیز تقریباً پچپن ۵۵ کتابیں شائع کر چکے ہیں

اب آپ کی خصوصی توجہ تراجم پر ہے چنانچہ حال ہی میں حضرات القدس جلد دوم کا مکمل ترجمہ بحسن وخوبی انجام دے چکے ہیں اور آجکل زبدۃ المقامات کا ترجمہ فرما رہے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کی ان کوششوں کو شرفِ قبول بخشے اور دین ودنیا میں آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کا سایہ ہم پر دائم وقائم رہے۔ آمین۔

(۴) محترم جناب ماسٹر عبدالکریم صاحب علیہ الرحمہ آپ کا اسم گرامی محمد عبدالکریم قریشی بن محمد عبدالمجید قریشی ہے۔ آپ بہت خوبصورت حسین وجمیل تھے، رنگ سرخ وسفید تھا، عام طور پر ترکی ٹوپی اور شیروانی پہنتے تھے۔ ریکارڈ کے مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء میں بمقام زنلام ضلع اجین ولادت ہوئی۔ آپ کے جد امجد شیخ محمد کمال قریشی عرب سے ہجرت کر کے اکبر بادشاہ کے دور میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد آپ کا خاندان اودھ میں سکونت پذیر ہوا۔ پھر آپ کے دادا صاحب نے پہلے نیمچ بعد ازاں اندور میں سکونت اختیار کی۔ گھر کا ماحول ہمیشہ مذہبی رہا۔ آپ کے والد ماجد اور دادا شیخ محمد اعظم صاحب اپنے زمانے کے معززین میں شمار کئے جاتے تھے۔

آپ نے میٹرک اور انٹر سائنس الہ آباد یونیورسٹی سے پاس کر کے ۱۹۲۳ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے بی ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ اسی زمانے میں ایم اے او کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں تبدیل ہو گیا تھا آپ کے اساتذہ میں پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین بھی تھے۔ ۱۹۳۱ء میں آگرہ یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۱ء میں ایل ٹی کا امتحان اعزازی نمبروں سے پاس کر کے دوسرے نمبر کی پوزیشن حاصل کی۔ تقسیم ہند کے وقت ریاست اندور میں معاون مدیر تعلیمات تھے۔ کراچی پہنچکر اسکول میں سائنس ماسٹر ہو گئے اور اسی سے ۱۹۵۵ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

آپ کو شروع ہی سے تصوف کا ذوق تھا۔ بزرگانِ دین کی تلاش میں اکثر سفر کئے اجمیر شریف بھی گئے۔ تلاشِ حق کی جستجو میں بکثرت بزرگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ آخر سوات کے ایک بزرگ حضرت سید احمد بادشاہؒ کی صحبت آپ کو پسند آئی اور آپ ان سے بیعت ہو گئے جو سلسلۂ قادریہ کے کامل بزرگوں میں سے تھے ـــــ حضرت سید احمد بادشاہؒ کے وصال کے بعد حیدرآباد دکن کے ایک بزرگ حضرت عبدالعزیزؒ سے تجدید بیعت کی ـــــ تقسیم ہند کے بعد کراچی تشریف لائے، چونکہ آپ اسکول میں سائنس ماسٹر لگ گئے تھے اور حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ بھی اسکول میں ماسٹر تھے اس لئے دونوں حضرات کی

ملاقات اور تبادلہ خیالات ہونا یقینی امر ہے لہذا جب حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لائے تو آپ حضرت صوفی صاحبؒ کے توسط سے بیعت ہوگئے۔ پھر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو کامل و مکمل پایا تو ۱۹۵۷ء میں آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ ۱۹۷۸ء میں آپ ہندوستان تشریف لے گئے تو وہاں کافی تعداد میں لوگ آپ سے بیعت ہوئے لیکن آپ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا اس لئے سلسلہ جاری نہ رہا۔

آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ تصوف اور بزرگوں کی سیرت اکثر مطالعہ میں رہتیں۔ اسی طرح آپ کو قرات و تجوید کا بھی بہت ذوق تھا۔ اور اس کو سیکھنے کے لئے لکھنؤ کا سفر بھی کیا۔ قاری احمد علی صاحبؒ اور قاری عبدالمالکؒ صاحب سے تجوید و قرات سیکھی۔ نیز حیدرآباد دکن کے ایک بزرگ حضرت قطب الدین احمد محمود سحر صاحبؒ سے بروایت امام عاصمؒ فن تجوید کی سند حاصل کی۔ علاوہ ازیں حضرت قطب الدین احمدؒ ہی سے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کی شرح پڑھی۔

آپ تمام نمازوں میں قرات کا خاص طور پر اہتمام فرماتے تھے اور نماز بڑے سکون و اطمینان سے پڑھنے کی وجہ سے بہت دیر تک مشغول رہنا آپ کا معمول بن گیا تھا۔ آپ نے پہلا حج ۱۹۵۷ء میں اور چوتھا حج جو آخری تھا حضرت شاہ صاحبؒ کی معیت میں ۱۹۷۴ء میں کیا۔

آپ کے ایک صاحبزادے صاحب آپ کی وفات کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں: "مرحوم والد صاحب بالکل تندرست تھے حسب معمول ۲۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو مغرب کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی، گھر پر آکر ہم سب نے ساتھ کھانا کھایا۔ پاکستان ریڈیو سے خبریں سنیں۔ کھانا اطمینان سے کھانے کی وجہ سے دیر ہوگئی اور آپ عشا کی نماز کے لئے مسجد میں نہ جاسکے۔ میں جب مسجد سے واپس آیا تو آپ عشا کی نماز پڑھ رہے تھے اس کے بعد وظیفہ پڑھتے رہے۔ روزمرہ کی طرح رات کے دس بجے سلمان میاں سے لائٹ بند کرنے کو کہا اور پھر سب لوگ سوگئے۔ کس کو معلوم تھا کہ آپ کی یہ نیند دائمی ہوجائے گی۔ کسی قسم کی کوئی علامت یا کوئی تکلیف نہیں تھی۔ تہجد کی نماز کے لئے چار بجے اٹھ جاتے تھے لیکن نہیں اٹھے۔ میں اور اماں فجر کی اذان سے پہلے اٹھ گئے تھے۔ ہم نے اس لئے نہیں اٹھایا کہ شاید تکان کی وجہ سے نہیں اٹھ رہے لیکن فجر کی اذان پر اماں نے جگانے کی کوشش کی تو دیکھا کہ آپ سیدھی کروٹ دائمی نیند سوچکے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لہذا دمام میں ہی سپرد خاک کردیا گیا۔"

بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور آپ کی قبر کو اپنے انوار سے منور رکھے آمین۔

پسماندگان میں آپ کے چار صاحبزادے اور ان کی والدہ ہیں۔

(۵) محترم حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی صاحب مدظلہ العالی

آپ کے والد صاحب اسمٰعیل گاندھی مرحوم تھے جو اپنے علاقہ کے معزز لوگوں میں سے تھے جن کو خان بہادر کا خطاب ملا ہوا تھا۔ حضرت ڈاکٹر گاندھی صاحب ۲ اپریل ۱۹۲۲ء کو بمقام بڈپات ضلع گجرات صوبہ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد آپ نے ۱۹۴۱ء میں انٹر سائنس کا امتحان بڑودا یونیورسٹی سے دیا اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کرکے گرانٹ میڈیکل کالج بمبئی میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۷ء میں ایم بی بی ایس پاس کیا۔ پھر پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں کراچی تشریف لے آئے اور برنس روڈ پر باقاعدہ پریکٹس شروع کردی۔

پہلے آپ سلسلہ چشتیہ سے منسلک رہے لیکن اس سے کوئی خاص فیض حاصل نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۱ء کی بات ہے کہ ڈاکٹر خان رشید مرحوم کے والد آپ کے زیر علاج تھے ایک دن پروفیسر ڈاکٹر خان رشید مرحوم کسی نجی کام سے آپ کو حضرت صوفی محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے تو آپ حضرت صوفی صاحبؒ کی ملاقات سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے ان کی خدمت میں آمدورفت شروع کردی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خیرپور ٹامیوالی سے کراچی تشریف لائے اور حسب معمول حضرت صوفی صاحبؒ کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت ڈاکٹر گاندھی صاحب خواب میں پہلے ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی زیارت کر چکے تھے۔ ملاقات ہوئی تو مزید اعتقاد بڑھ گیا اور ۱۹۵۱ء میں حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہوگئے۔

محترم ڈاکٹر گاندھی صاحب فرماتے ہیں :۔

"حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد ایک دن اس عاجز نے حضرت شاہ صاحبؒ سے قوالی میں جانے کی اجازت چاہی لیکن قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جانے سے قبل اپنے بڑے بھائی صاحب سے اجازت لے لیں۔ عاجز نے کہا بہت اچھا۔ خدا کی قدرت اور حضرت شاہ صاحبؒ کی توجہ کے اثرات کی وجہ سے اس دن عاجز کو اس کثرت سے مریضوں کو دیکھنے جانا پڑا کہ عاجز کو قوالی میں جانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بہتری یہ ہوئی کہ عاجز کے حالاتِ زندگی جو آج پرسکون اور دین و دنیا کی نعمتوں سے مالامال ہیں یہ شاید نہ ہوتے۔ یہ صرف عاجز کے پیر و مرشد قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ کی توجہ کا ہی ثمرہ ہے۔ یہ عاجز لاشئ اس خداداد نعمت کا کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت صوفی صاحبؒ اور عاجز بلکہ جماعت کے دیگر ساتھی بھی تھے ۱۹۵۳ء میں حج کے لئے درخواستیں دی گئیں لیکن کوشش کرنے کے باوجود عاجز اور حضرت صوفی صاحبؒ کی درخواستیں

منظور نہ ہوسکیں۔ اسی کشمش و پنج میں تھے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ کہ حضرت قبلہ شاہ صاحبؒ کا گرامی نامہ حضرت صوفی صاحب کو موصول ہوا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ اور ڈاکٹر صاحب حج کے لئے تیار رہیں میں آرہا ہوں انشاء اللہ حج کے لئے جائیں گے۔ لہٰذا دوبارہ کوشش شروع کردی اور درخواستیں منظور ہوگئیں اور قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت صوفی صاحبؒ، یہ عاجز اور جماعت کے دیگر ساتھی بھی حج جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ کیا تھا؟ یہ عاجز کے شیخ طریقت حضرت شاہ صاحبؒ کی کرامت تھی۔

اجازت کا واقعہ

۱۹۶۳ء میں قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت صوفی صاحبؒ اور یہ عاجز حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سال حج اکبر تھا۔ حضرت صوفی صاحب کے ماموں عبدالغنی صاحبؒ حج کے لئے ہم سے پہلے جاچکے تھے۔ انھوں نے وہاں خواب میں دیکھا کہ عاجز کے گلے میں کسی خوشی کے سلسلے میں ہار ڈالے جارہے ہیں۔ جب قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت صوفی صاحبؒ اور یہ عاجز وہاں پہنچے تو حضرت عبدالغنی صاحبؒ نے یہ خواب حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت صوفی صاحبؒ سے بیان کیا جس پر قبلہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت صوفی صاحبؒ سے مشورہ کرکے منیٰ میں دوسرے روز اس عاجز کو یہ نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی۔" (ڈاکٹر صاحبؒ کا بیان ختم ہوا)

حضرت ڈاکٹر گاندھی صاحب ۱۹۵۳ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ہمراہ پہلی مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آٹھ حج ادا فرمائے اور ہر حج میں ڈاکٹر صاحب ہر وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ رہتے تھے۔ دورانِ سفر ہر قسم کی خدمت آپ ہی کے ذمہ تھی۔ اب حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے بعد ماشاء اللہ کراچی کی جماعت کی نگرانی آپ ہی کے کاندھوں پر ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو صحت و عافیت سے رکھے اور آپ کا سایہ ہم پر تادیر قائم رہے۔ آمین۔

(۶) حضرت سید محمد مختار شاہ صاحب مدظلہ العالی

آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے یعنی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے بڑے برادر نسبتی قاضی سید محمد شفیع مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ٹھسکہ میراں جی ضلع کرنال میں ہوئی۔ ماشاء اللہ بچپن ہی سے نہایت سادہ مزاج، نیک سیرت، حلیم و خوش طبع و خوش گفتار ہیں۔ بھولی بھالی طبیعت ہے اور درویشانہ زندگی گذارتے ہیں۔ نوافل اور ذکر الٰہی میں اکثر اوقات مشغول رہتے ہیں۔ بزرگوں سے ملنا، ان کی صحبت میں رہنا اور مزارات پر حاضر ہونا آپ کا محبوب اور پسندیدہ مشغلہ ہے۔

۱۹۴۱ء میں آپ میٹرک کی تیاری کے لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

ٹھسکہ میراں صاحب سے دہلی چلے گئے اور ۱۹۴۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے بھانجے جناب سید ذوالفقار حسین صاحب پہلے ہی سے حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ رہتے تھے لہذا حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو بھی تیاری کرائی اور ۱۹۴۲ء میں میٹرک کا امتحان دلوا دیا اور حضرت صاحبؒ خود بھی امتحان میں شریک ہو گئے اور صرف انگریزی کا امتحان دیکر میٹرک کی سند حاصل کر لی (واضح رہے کہ حضرت شاہ صاحب اس وقت منشی فاضل کر چکے تھے اس لئے میٹرک کی سند حاصل کرنے کے لئے صرف انگریزی کا امتحان ضروری تھا)۔

بعد ازاں حضرت سید محمد مختار شاہ صاحب نے ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب عالم کیا۔ پھر ۱۹۶۹ء میں ملتان بورڈ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۷۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔

ادیب عالم کے امتحان کے بعد آپ محکمۂ راشن دہلی میں ملازم ہو گئے۔ پھر اوائل ۱۹۴۷ء میں حبیب بنک دہلی میں ملازمت اختیار کر لی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ اور سید ذوالفقار حسین صاحب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ہمراہ پاکستان تشریف لے آئے اور حبیب بنک راولپنڈی میں آپ کا تقرر ہو گیا۔ بعد ازاں لائلپور (فیصل آباد) اور آخر میں خانیوال میں تبادلہ ہوا۔ پھر ۱۹۵۲ء میں آپ نے بنک کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور بلدیہ کبیر والہ میں ملازم ہو گئے۔ اور ۳۱ جنوری ۱۹۸۱ء کو ہیڈ کلرک کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو گئے۔

چونکہ آپ کو بچپن ہی سے طبعی طور پر تصوف سے خاص تعلق تھا پھر دہلی میں تعلیم کے دوران حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میسر رہی جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا لیکن بعض وجوہ کی بنا پر . . . . .

. . . . . آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی بجائے مستری شمس الدین صاحب مرحوم سے بیعت ہو گئے۔ پھر مستری صاحبؒ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا محمد سعید گوہانویؒ سے تجدید بیعت کی اور انہی سے سلوک کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا گوہانوی نے ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ مطابق یکم مئی ۱۹۵۷ء آپ کو خلافت و اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔ حضرت مولانا گوہانویؒ کی رحلت کے بعد آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے اپنا تعلق قائم کر لیا اور ۱۹۷۵ء میں آپ خلافت و اجازتِ بیعت سے نوازے گئے۔

آجکل آپ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تبلیغ و ترویج میں کافی دلچسپی اور انہماک سے مشغول ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کی خیر پور اور اس کے قرب و جوار کی جماعت کی اصلاح و رہنمائی کی ذمہ داری آپ ہی نے سنبھال رکھی ہے اور اس کام کو آپ بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کی مساعی کو بار آور فرمائے اور شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ تا دیر بسلامت باکرامت رکھے تاکہ خلقِ خدا اور سلسلہ کے لوگ آپ سے فیضیاب ہوتے رہیں۔

(بقیہ مضمون از صفحہ ۲۸۵) آپ آزادانہ اکیلے طواف کرنے کو پسند فرماتے تھے طواف سے فارغ ہو کر ملتزم پر تشریف لیجاتے اور مختصر دعا کے بعد واجب الطواف ادا فرماتے۔

شامی حضرات | ایک روز حضرت شاہ صاحبؒ حرم شریف میں باب الجیاد سے داخل ہو کر خانہ کعبہ کی طرف جا رہے تھے کہ چند شامی حضرات نے آپ کو دیکھ لیا اور دوڑ کر آپ سے چمٹ گئے پیشانی پر بوسہ دیا ڈاڑھی چومی اور دعا کی درخواست کی حضرت شاہ صاحبؒ شرماتے گئے آخر ان کے لئے دعا کی اور حاضرین آمین کہتے رہے۔ ایسے واقعات بارہا پیش آئے۔

طوافِ وداع | مکہ معظمہ سے رخصت ہوتے وقت آپ نے عاجزانہ جذبہ کے ساتھ جدائی کا غم لئے ہوئے طواف کیا حجر اسود کو بوسہ دیا ملتزم پر چمٹ کر دعا کی باب کعبہ کی دہلیز پر سجدہ کیا اور ہر جگہ دعائیں کر کے الٹے قدموں واپس ہوئے۔

مدینہ منورہ کیلئے روانگی | کار کے ذریعہ ہم مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جوں جوں مدینہ منورہ آتا گیا آپ خاموشی اختیار کرتے گئے اور نہایت عاجزی کے ساتھ درود شریف پڑھتے رہے۔ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے حضرت مولانا عبد الغفور صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا موصوف نے اپنے مکان کا ایک کمرہ ہمارے لئے مخصوص کر دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا اور روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کیلئے حاضر ہو گئے۔ روضۂ اقدس کی عظمت و ادب کی خاطر آپ نے کبھی یہ پسند نہیں فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اجتماعی طور پر سلام پیش کریں۔ لہٰذا ہم لوگ آپ کے ساتھ روضۂ مبارک پر حاضر ہوتے۔ حضرت اپنا سلام پیش کرتے اور ہم اپنا۔ اور وہاں کے مقدس مقامات کی بھی خوب زیارت کی۔

نیند میں بھی بیداری | ایک روز دال چولھے پر رکھ کر عاجز خط لکھنے میں مشغول ہو گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ سو رہے تھے کہ دال پک کر جلنے لگی۔ دال جلنے کی بو سے آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا کا پڑیا صاحب دال جل رہی ہے آپ کو معلوم نہیں ہوا۔ مدینہ طیبہ میں سترہ دن قیام رہا اور ہر روز کئی مرتبہ روضۂ اطہر کی زیارت ہوتی تھی لیکن آخری دن آپ نے ایک مخصوص انداز میں زیارت فرمائی۔ میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر یہ سوال کر بیٹھا کہ روضۂ اطہر پر کیا واردات پیش آئیں اگرچہ یہ بات آپ کی عادت کے بالکل خلاف تھی لیکن میری دل آزاری بھی مقصود نہ تھی۔ فرمایا۔

ایک نظر دیکھ لو پھر گنبدِ خضرا کو حمید	منظرِ خاص یہ پھر پیشِ نظر ہو کہ نہ ہو
حالِ دل ان کو بہر حال سنانا ہے ضرور	نالہ ہائے دل مضطر میں اثر ہو کہ نہ ہو

سفر کا اختتام | ۳۰ مئی ۱۹۶۳ء کو حضرت شاہ صاحبؒ حضرت ڈاکٹر گاندھی صاحب اور یہ عاجز بذریعہ ہوائی جہاز کراچی آگئے۔ راستہ میں حضرتؒ نے فرمایا "اگر ہم کسی سے کوئی توقع اور امید نہ رکھیں تو کوئی شخص ہمارے لئے چھوٹا سا کام بھی کر دے تو ہم اس کا بہت بڑا احسان مانتے ہیں لیکن اگر توقع رکھی تو اس کا بڑے سے بڑا احسان بھی ہماری نگاہوں میں نہیں جچتا۔"

دلہن کے وکیل کا نکاح پڑھانا | اس عاجز کی بڑی لڑکی کا نکاح ۱۹۷۲ء میں ہوا حضرت شاہ صاحبؒ نے

شرکت فرمائی۔ خطبۂ مسنونہ پڑھ کر اس عاجز کو بحیثیت دلہن کے وکیل کے نکاح پڑھانے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح دوسری بچی کی شادی کے موقعہ پر دلہن کا وکیل اس عاجز کا غیر شادی شدہ لڑکا احمد حسین تھا حضرت صاحب نے اس وقت بھی خطبۂ مسنونہ پڑھ کر احمد حسین سے بڑی تاکید سے نکاح پڑھوایا۔ معلوم ہوا کہ افضل و اولیٰ یہی ہے کہ دلہن کا وکیل نکاح پڑھائے۔

ضمنی تذکرے

(حاشیہ از صفحہ ۱۲)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کی نقش حیات جلد اول صفحہ ۱۴ میں اس طرح ہے: "سادات ٹانڈہ وغیرہ حضرت سید احمد توختہ تمثالِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد میں ہیں۔ اس طرح: ۔ سید شاہ زبید بن سید شاہ احمد زاہد بن سید شاہ حمزہ بن سید شاہ ابو بکر بن سید شاہ عمر بن سید شاہ محمد بن حضرت مخدوم سید شاہ احمد توختہ تمثال رسول (علیہ السلام) بن سید علی بن سید حسین بن سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی بن سید حسین بن سید موسیٰ حمص بن سید علی بن سید حسین اصغر بن حضرت امام علی زین العابدین علیٰ جدہ وعلیہ السلام ۔۔۔ سید محمد مدنی عرف سید ناصر ترمذ تشریف لائے اور ان کی اولاد سے حضرت سید احمد توختہ تمثالِ رسول (علیہ السلام) لاہور تشریف لائے اور ۶۰۲ھ میں وصال ہوا۔ لاہور میں مزار ہے۔ ان کی اولاد میں سے سید شاہ زبید بن سید شاہ احمد مورث سادات ٹانڈہ وغیرہ کے ہیں۔

ڈاکٹر خان رشید مرحوم (حاشیہ از صفحہ ۹)

آپ کا اصل نام رشید اللہ خاں تھا والد کا نام محمد محمود خاں۔ جبل پور (سی پی بھارت) کے محلے اومتی میں یکم جولائی ۱۹۲۵ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی مذہبی تعلیم آپ نے گھر میں ہی پائی۔ پھر ناگپور بورڈ سے ۱۹۴۴ء میں میٹرک اور ۱۹۴۶ء میں انٹر پاس کیا پھر پاکستان آگئے اور ۱۹۴۸ء میں سندھ یونیورسٹی سے بی اے فرسٹ ڈویژن کیا اور ۱۹۵۰ء میں ایم اے اردو میں کیا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک ایس ایم کالج میں شعبۂ اردو کے استاد رہے بعد ازاں ۱۹۵۵ء میں سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لیکچرار ہو گئے اور ۱۹۶۳ء میں سندھ یونیورسٹی سے "اردو شاعری کا تاریخی اور سیاسی پس منظر" لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پھر ۱۹۷۲ء میں کسی سازش کے تحت آپ کو ملازمت سے ہٹا دیا گیا۔ وفات سے سات ماہ قبل ملازمت پر بحال ہوئے لیکن دو ماہ بعد فالج کا حملہ ہوا اور جمعہ ۴ اپریل ۱۹۸۰ء کو انتقال ہو گیا۔

مرحوم بہت اچھے ادیب تھے اور شاعر بھی کئی کتابوں کے مصنف بھی لیکن "اردو کی تین مثنویاں" بہت مقبول ہوئیں۔ علاوہ ازیں طنزیہ اور مزاحیہ مضامین اور مقالے اور ریڈیو پاکستان کے لئے بکثرت مضامین لکھے۔ ڈاکٹر خان رشید مرحوم کو اپنے شیخ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے والہانہ محبت تھی چنانچہ وہ اپنے فارغ اوقات حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ہی گذارا کرتے تھے۔ اور پروف ریڈنگ وغیرہ کاموں میں اپنے اوقات بسر کرنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ غرضکہ

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں